عمران سیریز
تاوان
مظہر کلیم ایم اے

عمران سیریز

تاوان

مکمل ناول

مظہر کلیم ایم اے

ارسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان

عمران سیریز

تاوان

مظہر کلیم ایم اے

تاوان

مکمل ناول

مظہر کلیم ایم اے

ارسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان

جملہ حقوق بحق ناشران محفوظ ہیں

اس ناول کے تمام نام، مقام، کردار، واقعات اور پیش کردہ سچوئیشنز قطعی فرضی ہیں۔ کسی قسم کی جزوی یا کلی مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی۔ جس کے لئے پبلشرز، مصنف، پرنٹر قطعی ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

ناشران ----- محمد ارسلان قریشی
----------- محمد علی قریشی
ایڈوائزر ----- محمد اشرف قریشی
طابع ------ سلامت اقبال پرنٹنگ پریس ملتان

Price Rs 160/-

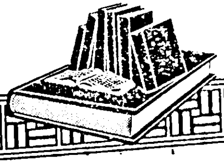

چند باتیں

معزز قارئین۔ سلام مسنون۔ فور سٹارز کا ایک اور دلچسپ اور منفرد کارنامہ پیش خدمت ہے۔ آج کل پوری دنیا میں اور خصوصاً پاکیشیا میں اغوا برائے تاوان کی وارداتیں اس تسلسل سے ہو رہی ہیں کہ یوں لگتا ہے کہ سب لوگ ہی اس چکر میں کسی نہ کسی انداز میں شریک ہیں۔ یہ ایک انتہائی سنگین سماجی مسئلہ بنتا جا رہا ہے جس کی طرف حکومت کو مکمل توجہ دینی چاہئے۔ اس ناول میں اغوا برائے تاوان کی ایک واردات پر فور سٹارز، ٹائیگر اور عمران نے کام کیا ہے۔ فور سٹارز کا یہ کارنامہ اس قدر شاندار ہے کہ چیف ایکسٹو بھی ان کی تعریف و توصیف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ مجھے یقین ہے کہ فور سٹارز کا یہ کارنامہ آپ کو بھی پسند آئے گا۔ اپنی آراء سے مجھے ضرور مطلع کیجئے گا تاکہ میری رہنمائی ہو سکے۔ البتہ ناول کے مطالعہ سے پہلے اپنا ایک خط اور اس کا جواب بھی ضرور ملاحظہ کر لیجئے۔

ترنول اسلام آباد سے حاجی اورنگزیب اور ان کے ساتھی محمد حنیف اور نفیس احمد نے ایک مشترکہ خط لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہمیں کافی تعداد میں آپ کے سابقہ ناول چاہئیں۔ ہمیں لسٹ اور قیمت کی تفصیل بھجوا دیں۔ اس کے علاوہ گولڈن پیکیج کی تفصیلی لسٹ بھی بھجوا دیں۔ آخر میں انہوں نے لکھا ہے کہ آپ اپنا فون نمبر

کتاب میں ضرور شائع کریں تا کہ ہم فون پر ہی کتابوں کا آرڈر دے سکیں۔

محترم حاجی اورنگزیب اور ساتھیوں کا میں بے حد مشکور ہوں کہ آپ نے مشترکہ سہی لیکن بہرحال خط تو لکھا ہے۔ کتب منگوانے کے لئے آپ ارسلان پبلی کیشنز ملتان کے سیلز مینجر کے نام خط لکھیں یا اس نمبر 0333-6106573 پر رابطہ کریں۔ وہ آپ کی تمام مطلوبہ تفصیلات آپ کو بھجوا دیں گے۔ امید ہے آپ آئندہ بھی خط لکھتے رہیں گے۔

اب اجازت دیجئے

والسلام

مظہر کلیم ایم اے

صدیقی اپنے فلیٹ میں بیٹھا ٹی وی پر ایک فلم دیکھ رہا تھا کہ پاس پڑے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی تو صدیقی نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔

”یس۔ صدیقی بول رہا ہوں“...... صدیقی نے کہا۔

”تمہارے ساتھ ایک اطالوی خاندان رہتا ہے۔ جانتا ہے نا تو انہیں بتا دو کہ ان کا بچہ کالے شیر کے پاس ہے اور اگر انہیں بچہ واپس چاہئے تو پچاس لاکھ ڈالرز کا بندوبست شام چار بجے تک کر لیں ورنہ بچے کی لاش تمہارے فلیٹ کے سامنے پڑی ہو گی“...... دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ بے حد کھردرا، انتہائی بدتمیزانہ اور توہین آمیز تھا۔ لہجے سے لگتا تھا کہ وہ مقامی آدمی ہے۔ صدیقی نے رسیور رکھنے کی بجائے کریڈل دبایا اور نمبر پریس کرنے شروع کر دیئے۔

”یس۔ سنٹرل فون ایکسچینج انکوائری“...... دوسری طرف سے ایک

نسوانی آواز سنائی دی۔

''ایڈن رہائشی پلازہ سنٹرل ایکسچینج کے جس ایریا میں آتا ہے وہاں کا نمبر دیں۔ میں پولیس کمشنر آفس سے بول رہا ہوں''۔ صدیقی نے کہا۔

''ہولڈ کریں سر''...... دوسری طرف سے کہا گیا۔

''ہیلو سر۔ کیا آپ لائن پر ہیں''...... دوسری طرف سے کہا گیا۔

''یس''...... صدیقی نے کہا۔

''ایڈن رہائشی پلازہ سنٹرل ایکسچینج کے سنٹر تھری میں آتا ہے۔ میں سنٹر تھری کو آپ کی کال ڈائریکٹ کر رہی ہوں''...... دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ایک دوسری نسوانی آواز سنائی دی۔

''ہیلو سر۔ فرمائیے کیا حکم ہے''...... دوسری طرف سے کہا گیا۔

''پولیس کو ایک کال ٹریس کرنی ہے۔ آپ کو میں وہ نمبر دے دیتا ہوں جس پر ابھی ایک کال کی گئی ہے۔ آپ نے چیک کر کے مجھے بتانا ہے کہ کال کس نمبر سے کی گئی ہے اور یہ نمبر کہاں نصب ہے اور کس کے نام پر ہے اور یہ بھی خیال رکھیں کہ یہ معاملہ پولیس کے لئے بے حد سنجیدہ معاملہ ہے''...... صدیقی نے کہا۔

''یس سر۔ آپ نمبر دیں''...... دوسری طرف سے کہا گیا تو صدیقی نے اپنا نمبر دے دیا۔

''ہولڈ کریں''...... دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر تقریباً تین

منٹ بعد وہی نسوانی آواز دوبارہ سنائی دی۔

''ہیلو سر۔ کیا آپ لائن پر ہیں''...... دوسری طرف سے کہا گیا۔

''یس''...... صدیقی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''یہ کال جو آپ کے بتائے ہوئے نمبر پر کی گئی ہے عالی میر ٹاؤن سے ملحقہ علاقے کالا شیر سے کی گئی ہے۔ وہاں یہ نمبر کالا ہوٹل کے مالک ہاشم خان کے نام پر نصب ہے''...... دوسری طرف سے کہا گیا۔

''دوبارہ دوہرائیں پلیز''...... صدیقی نے کہا تو خاتون نے دوہرا دیا۔

''او کے۔ شکریہ''...... صدیقی نے کہا اور پھر ہاتھ بڑھا کر کریڈل دبایا اور ٹون آنے پر اس نے نمبر پریس کرنے شروع کر دیئے۔

''یس۔ چوہان بول رہا ہوں''...... دوسری طرف سے چوہان کی آواز سنائی دی۔

''صدیقی بول رہا ہوں۔ ایک اہم کیس سامنے آیا ہے۔ فور سٹارز نے اس پر کام کرنا ہے۔ تم ایسا کرو کہ نعمانی کو ساتھ لے کر یہاں میرے فلیٹ پر آ جاؤ''...... صدیقی نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

پھر وہ اٹھا اور فلیٹ سے باہر نکل کر اس نے اپنے دائیں طرف موجود فلیٹ کو دیکھا کیونکہ اس کا فلیٹ اس منزل کا آخری فلیٹ تھا۔ اس لئے کال کرنے والے نے جس فلیٹ کا کہا تھا وہ یہی دائیں

ہاتھ والا ہو سکتا تھا۔ فلیٹ پر کوئی نیم پلیٹ موجود نہ تھی اور فلیٹ کو تالا لگا ہوا تھا۔ صدیقی اپنے فلیٹ پر واپس آیا اور اس نے رسیور اٹھا کر پلازہ انتظامیہ کا نمبر پریس کر دیا۔

‘‘یس سر۔ پلازہ انتظامیہ’’...... دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

‘‘میں صدیقی بول رہا ہوں فلیٹ نمبر تین سو آٹھ، اے بلاک’’...... صدیقی نے کہا۔

‘‘یس سر۔ حکم سر’’...... دوسری طرف سے کہا گیا۔

‘‘میرے دائیں ہاتھ پر جو فلیٹ ہے تین سو سات نمبر۔ وہ کس کے نام ہے اور وہ لوگ کہاں ہیں’’...... صدیقی نے کہا۔

‘‘ایک منٹ۔ میں بتاتی ہوں’’...... دوسری طرف سے کہا گیا۔

‘‘ہیلو سر’’...... کچھ دیر بعد وہی نسوانی آواز سنائی دی۔

‘‘یس’’...... صدیقی نے کہا۔

‘‘اس فلیٹ میں گزشتہ ایک ہفتے سے ایک اطالوی جوڑا رہ رہا ہے۔ ان کا ایک چھ سالہ بچہ بھی ہے’’...... اس لڑکی نے بتاتے ہوئے کہا۔

‘‘لیکن فلیٹ کو تو تالا لگا ہوا ہے’’...... صدیقی نے کہا۔

‘‘اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہم کسی کو فلیٹ کے اندر تو محبوس نہیں کر سکتے’’...... دوسری طرف سے کہا گیا۔

‘‘او کے۔ شکریہ’’...... صدیقی نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔ اس کالا

شیر نے اسے کیوں فون کیا۔ اس کا مطلب وہ اب سمجھ گیا تھا کہ چونکہ اطالوی جوڑا تالا لگا کر چلا گیا تھا اس لئے اس کی کال سننے والا کوئی نہ تھا تو اس نے ہمسائے کو پیغام دے دیا۔ اسی لمحے فلیٹ کی کال بیل بج اٹھی تو صدیقی اٹھا اور اس نے بیرونی دروازہ کھولنے سے پہلے عادت کے مطابق پوچھا کہ کون ہے۔

‘‘چوہان ہوں۔ نعمانی اور خاور میرے ساتھ ہیں’’...... باہر سے چوہان کی آواز سنائی دی تو صدیقی نے دروازہ کھول دیا۔

‘‘تم کب آئے خاور۔ میں تو سمجھا تھا کہ ابھی ایک آدھ ہفتہ اور رہو گے’’...... صدیقی نے خاور سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

‘‘وہاں سوائے بوریت کے اور کیا تھا اس لئے میں جلدی بھاگ آیا۔ ابھی فلیٹ پر پہنچا ہی تھا کہ چوہان کا فون آ گیا اور ہم یہاں آ گئے۔ کیا ہوا ہے’’...... خاور نے پوچھا تو باقی ساتھی بھی اس کی طرف دیکھنے لگے تو صدیقی نے اپنے فلیٹ میں کال ٹیپ ہونے والا آٹومیٹک سسٹم جو ہر وقت اس کے فون کے ساتھ منسلک رہتا تھا، اسے آن کر دیا۔ چند لمحوں بعد گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ پھر صدیقی کی آواز سنائی دی۔ سب خاموش بیٹھے کال سنتے رہے۔ جب کال ختم ہو گی تو صدیقی نے ہاتھ بڑھا کر اسے آف کر دیا۔

‘‘اس کے بعد میں نے ساتھ والے فلیٹ کے رہائشی سے ملنے کی کوشش کی لیکن اس فلیٹ پر تالا لگا ہوا تھا۔ پھر پلازہ انتظامیہ سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ ایک اطالوی جوڑا یہاں رہتا ہے۔ ان کا

ایک چھ سالہ بچہ بھی ہے''...... صدیقی نے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے فون ایکسچینج سے جس طرح معلومات حاصل کیں وہ بھی ساتھیوں کو بتا دیا۔

''تو تمہارا خیال ہے کہ یہ پورا نیٹ ورک ہے اور ہمیں اس کے خلاف کام کرنا چاہئے''...... چوہان نے کہا۔

''ہاں۔ میرا یہی خیال ہے۔ ویسے بھی میں روزانہ اخبارات بھی پڑھتا ہوں اور ٹی وی کی خبروں میں بھی آتا رہتا ہے کہ اغوا برائے تاوان کا دھندہ زور شور سے پھیل رہا ہے اس طرح ایک تو فوری اور بھاری رقم مل جاتی ہے دوسرا یہ کہ اگر پکڑے بھی جائیں تو اول تو گواہی دینے والا نہیں ملتا۔ اگر مل بھی جائے تو گواہی دینے سے صاف انکار کر دیتا ہے کیونکہ انہیں اور ان کے خاندان کو ہلاک کر دیا جاتا ہے اس لئے مجرموں کو فوری سزا نہیں ملتی ورنہ تو یہ خوفناک اور بھیانک دھندہ خود بخود ختم ہو جائے گا''...... صدیقی نے کہا۔

''تو پھر چلیں کالا ہوٹل۔ وہاں اس کالا شیر کو تلاش کریں گے''۔ چوہان نے کہا تو سب سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

سیاہ رنگ کی بڑی اور جدید ماڈل کی ایک کار خاصی تیز رفتاری سے دوڑتی ہوئی دارالحکومت کے مضافاتی علاقے سورج نگر کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی۔ سورج نگر چونکہ دارالحکومت کا مضافاتی علاقہ تھا اس لئے بڑے شہروں جیسی رونق یہاں نہ ہوتی تھی بلکہ اس پر غلبہ دیہاتی کلچر کا تھا لیکن چار سال پہلے یہاں ایک خوبصورت کلب کھولا گیا تھا جسے سورج کلب کا نام دیا گیا تھا۔ کلب میں شراب خانہ، جواء خانہ، الیکٹرانک گیمز اور ڈائنگ ہال کے ساتھ ساتھ ڈانسنگ ہال بھی موجود تھے اور سب سے زیادہ کشش اس کلب کی اس لئے بھی تھی کہ یہاں خوبصورت اور نوجوان ویٹریس سروس دیتی تھیں اس لئے شام ہوتے ہی دارالحکومت کے رئیس زادے یہاں پہنچ جاتے تھے اور پھر رات گئے تک یہاں ہر قسم کا تماشہ کرنے کے بعد صبح کو گھر جایا کرتے تھے۔ یہ سب سے زیادہ نوجوانوں کا پسندیدہ کلب تھا اور وہ ہر قسم کی پارٹیاں بھی یہیں منعقد

کرتے رہتے تھے۔ سورج نگر جانے والی سیاہ کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک نوجوان لڑکا بیٹھا ہوا تھا جس نے آدھے بازوؤں والی شرٹ کے ساتھ جینز کی پینٹ پہنی ہوئی تھی۔ سائیڈ سیٹ پر ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی موجود تھی جس کے سنہرے لچھے دار بال اس کے کاندھوں پر پڑے ہوئے تھے۔ اس نے بھی ایسا ہی لباس پہن رکھا تھا جیسا اس لڑکے نے پہنا ہوا تھا۔ کار کی عقبی سیٹ پر بھی ایک جوڑا موجود تھا اور وہ دونوں آپس میں باتیں کرنے میں مصروف تھے۔

''ندیم آج پیمنٹ کا دن ہے۔ کیا خیال ہے اس بار ہمارا کتنا حصہ بنے گا''...... عقبی سیٹ پر بیٹھے ہوئے لڑکے نے ڈرائیونگ کرنے والے لڑکے سے مخاطب ہو کر کہا۔ اس کا نام ندیم تھا۔

''یہ تو تب پتہ چلے گا جب تکمیل شدہ پراجیکٹ کو چیک کیا جائے گا۔ اندازاً تو بیس پچیس لاکھ روپے مل سکتے ہیں''...... ندیم نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''چلو اتنا بھی برا نہیں ہے۔ ہمیں کام بھی تو بہت کم کرنا پڑا ہے''...... اس لڑکے نے مسکراتے ہوئے کہا جس نے سوال کیا تھا۔

''ویسے اعظم۔ تمہارا اور ندیم کا کام واقعی عجیب ہے۔ مجھے تو بعض اوقات سوچ کر ہی حیرت ہوتی ہے۔ تم نے ان والدین سے مل کر ان کے ساتھ ہمدردی کرنی ہوتی ہے اور ان کے بارے میں معلومات اخبارات تک پہنچانی ہوتی ہیں تاکہ اغوا کنندگان پکڑے نہ

جائیں''...... عقبی سیٹ پر بیٹھی لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس لڑکی کا نام فرخ تھا۔

''ورنہ وہی کچھ ہو جائے گا جو ہونا چاہئے''...... اعظم نے اشارتاً کہا تو فرخ بے اختیار کھل کر ہنس پڑی۔

''تم ضرورت سے زیادہ شوخ ہوتے جا رہے ہو''...... فرخ نے اعظم کے کاندھے پر سر رکھتے ہوئے لاڈ بھرے لہجے میں کہا۔

''جتنا تمہارا پارٹنر شوخ ہوتا جا رہا ہے اتنا ہی میرا پارٹنر ڈل ہوتا جا رہا ہے۔ کیا کھلایا ہے تم نے اعظم کو''...... فرنٹ سیٹ پر بیٹھی لڑکی نے کہا۔

''تم شکوہ کرنے سے کبھی باز نہیں آؤ گی شہلا''...... ندیم نے شکوہ بھرے لہجے میں کہا۔

''ارے ارے غصہ دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ غصہ بیویاں سہہ سکتی ہیں فرینڈز نہیں''...... شہلا نے کہا تو ندیم بے اختیار ہنس پڑا۔

''اوکے۔ آئندہ اِس فرق کا خیال رکھوں گا''...... ندیم نے کہا تو کار میں موجود سب ہی بے اختیار ہنس پڑے۔

''ویسے میں بعض اوقات سوچتا ہوں کہ ہم نے کیا کام پکڑا ہے کہ لوگ ہماری خوشحالی پر حیران رہ جاتے ہیں''...... اعظم نے کہا۔

''ایسا پیشہ واقعی قدرت کی طرف سے ہم پر انعام ہے۔ بھلا ہم نے کرنا کیا ہے کہ عالمی اخبارات کے رپورٹر اور ان لوگوں کے

ہمدرد بن کر اس خاندان کے ساتھ ہمدردی کرتے رہتے ہیں جن کے آدمی، بچے اور عورتیں اغوا کر لی جاتی ہیں اور پھر لاکھوں کروڑوں کے تاوان مانگے جاتے ہیں۔ ہم پولیس کے بھی مخبر ہوتے ہیں اور ہم اس انداز میں اپنا کام کرتے ہیں کہ ہم پر کوئی شک نہ کر سکے''...... ندیم نے کہا۔

''چھوڑو یہ بور باتیں۔ ایسی باتیں کرو کہ دل خوش ہو جائے''...... فرخ نے کہا۔

''ان عورتوں کو روتے دیکھا کرو جن کے بچے اغوا ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو دیکھا کرو جن کی عورتیں اٹھا لی جاتی ہیں تاوان کے لئے۔ عجیب پیشہ ہے یہ''...... فرخ کے ساتھ بیٹھے ہوئے اعظم نے کہا۔

''ہم پہنچ رہے ہیں اس لئے سب نے اوکے چیک کرنا''۔ اچانک ندیم نے کہا تو سب کار کی کھڑکیوں سے باہر جھانکنے لگے۔ اچانک ایک بڑا سا بورڈ نظر آیا جس پر خوش آمدید لکھا ہوا تھا۔ اس بورڈ کو دیکھتے ہی سب نے مسرت سے چیخیں مارنی شروع کر دیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس کا مطلب ہے کہ اس علاقہ میں داخل ہونے کی اجازت ہے۔ اگر یہ بورڈ موجود نہ ہوتا تو وہ یہیں سے واپس لوٹ جاتے۔ یہاں ایک بڑی سی عمارت تھی بالکل کسی محل کی طرح۔ اس بڑی عمارت کا جہازی سائز کا گیٹ بند رہتا تھا جبکہ عقبی طرف موجود ایک دروازہ کھلا ہوا تھا جہاں مشین گنوں سے مسلح

دو افراد ہر وقت موجود رہتے تھے۔ یہ عمارت سٹور روم کے طور پر استعمال کی جاتی تھی۔ کہا جاتا تھا کہ قدیم دور میں اس علاقے کے کسی بڑے سردار نے اپنی رہائش کے لئے یہ محل نما عمارت تعمیر کرائی تھی لیکن پھر سردار اور اس کے ساتھیوں کو ملک سے باہر جانا پڑا اور وہ وہاں مستقل قیام پزیر ہو گئے اوز اس سردار نے حکومت کو یہ محل نما عمارت اور اس کے گرد پھیلا ہوا وسیع میدان فروخت کر دیئے اور ایک یورپی ملک سارٹو نے اسے حکومت سے بہت سستے داموں خرید لیا۔ سارٹو کی ایک بین الاقوامی فلاحی تنظیم گارنٹی فار گڈ جسے جی ایف جی کہا جاتا تھا اپنے فلاحی کاموں کے لئے اس عمارت کو استعمال کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ حکومت نے یہ محل نما عمارت اور اس کا وسیع میدان بے حد سستے داموں فلاحی تنظیم کو فروخت کر دیا۔ تب سے یہ محل نما عمارت ماسٹر شوکت کے قبضہ میں تھی۔ ماسٹر شوکت جی ایف جی کا پاکیشیا میں انتظامی انچارج تھا اور اس نے پورے پاکیشیا میں جی ایف جی کے نمائندے پھیلا رکھے تھے اور ہر جگہ باقاعدہ عمارتیں لے کر ان میں فلاحی کام کیا جاتا تھا۔ جی ایف جی ویسے تو ہر طرح کے فلاحی کاموں میں حصہ لیتی تھی۔ خاص طور شدید بارشوں، سیلاب، زلزلہ یا آگ کی وجہ سے اجتماعی نقصان کے وقت جی ایف جی کی سرپرستی کرنے والے ممالک جی ایف جی کے ذریعے تباہ حال لوگوں کی بے حد مدد کرتے تھے۔ ایسی مدد کہ لوگ اپنے پیروں پر خود کھڑے ہو سکیں۔ یہی

وجہ تھی کہ اس محل نما عمارت کے دو تین بڑے کمروں کے ایک پورشن کے علاوہ جہاں ماسٹر شوکت کا آفس تھا باقی تمام کمرے ہر وقت غلے سے بھرے رہتے تھے۔ کئی کمرے چاولوں کی بوریوں سے بھرے رہتے تھے جبکہ زیادہ تر کمرے گندم، دالیں وغیرہ اور دوسرے سامان سے بھرے رہتے تھے اور جی ایف جی کا متاثرہ لوگوں تک ان اشیا کو پہنچانے کا اپنا انداز تھا۔ وہ ایک کال ملنے یا اخبار اور ٹی وی پر خبر آنے پر بہت تیزی سے حرکت میں آ جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہمیشہ اور ہر جگہ جی ایف جی کے ٹرک پہلے پہنچ جاتے تھے اس لئے جی ایف جی پاکیشیا کے عوام میں بے حد مقبول تھی اور لوگ اس کے تحت کام کرنے والوں کی دل سے عزت کرتے تھے۔ یہ جی ایف جی ایک اور اہم معاملے میں بھی متاثرہ فریق کی بے حد مدد کرتی تھی۔ پورے پاکیشیا میں جہاں بھی اغوا برائے تاوان کی کوئی واردات ہوتی تو جی ایف جی کے مخصوص ارکان فوری طور پر وہاں پہنچ جاتے اور انتہائی بھاری تاوان میں باقاعدہ حصہ ڈالتے تاکہ متاثرہ فریق کے ساتھ ہمدردی کی جا سکے اور اگر متاثرہ فریق امراء ہوتے تو پھر ان کے ساتھ مل کر مغوی کو زندہ سلامت واپس لانے کے لئے کام کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ جی ایف جی کی طرف سے یہ بھی انتظام کیا گیا تھا کہ اغوا برائے تاوان کی واردات ہوتے ہی یورپی اور ایکریمی ممالک کے اخبارات کے نمائندے وہاں پہنچ جاتے اور خبریں بھی میڈیا کو مہیا

کرتے اور پولیس کے ساتھ مل کر مغوی کو تلاش کرنے کے لئے ایسے جدید آلات استعمال کئے جاتے جن سے مغوی صحیح سلامت واپس آ سکتے تھے اور جب تک مغوی واپس نہیں آ جاتا تھا یہ لوگ واپس نہ جاتے تھے۔ ان لوگوں کو سمارٹ گروپ کہا جاتا تھا اور جس انداز میں یہ گروپ کام کرتا تھا اسے بے حد سراہا جاتا تھا۔ اعظم اور ندیم دونوں کا تعلق اس سمارٹ گروپ سے تھا اور ہر تین ماہ بعد انہیں اس محل نما عمارت میں کال کیا جاتا تھا بشرطیکہ انہیں خوش آمدید کا بورڈ نظر آ جائے ورنہ وہ وہیں سے واپس چلے جاتے تھے۔ آج بھی ندیم اور اعظم کو ہیڈکوارٹر کال کیا گیا تھا اور وہ اپنی اپنی گرل فرینڈز کو ساتھ لے کر وہاں جا رہے تھے اور سب کو وہاں خوش آمدید کا بورڈ نظر آ گیا تھا اس لئے وہ سب خوش ہو رہے تھے۔ ہیڈکوارٹر انچارج ماسٹر شوکت ادھیڑ عمر آدمی تھا جسے سب لوگ ماسٹر شوکت کہا کرتے تھے۔ وہ خاصا پڑھا لکھا بھی تھا اور بے حد ذہین بھی تھا۔ کار محل نما عمارت کی سائیڈ سے گزر کر جب عمارت کی عقبی سمت پہنچی تو وہاں موجود مسلح افراد نے انہیں کار ایک سائیڈ پر لگانے کا کہا تو ندیم نے کار مخصوص جگہ پر روکی اور پھر وہ سب کار سے باہر آ گئے۔

''چیف باس آفس میں ہیں یا کسی اور کمرے میں''...... ندیم نے ایک مسلح گارڈ سے پوچھا۔

''اپنے آفس میں ہیں جناب''...... گارڈ نے کہا اور ندیم سر ہلاتا

ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ اس دروازے سے گزرنے والا ہر آدمی چاہے اس کی عمر یا حیثیت کوئی بھی ہو مشینی طور پر سر سے پاؤں تک چیک ہو جاتا ہے اور اگر کسی کے پاس اسلحہ وغیرہ ہو تو وہ اس وقت تک کارآمد نہیں ہوتا جب تک اس عمارت سے باہر نہ پہنچ جائے۔ ندیم اور اعظم چونکہ بے شمار بار یہاں آئے تھے اس لئے وہ دونوں اس بارے میں سب کچھ جانتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ چاروں آفس کے انداز میں سجے ہوئے ایک بڑے کمرے میں پہنچ گئے جہاں گارنٹی فار گڈ یعنی جی ایف جی کو ملنے والے سرٹیفکیٹس، شیلڈز اور تصاویر موجود تھیں۔ کمرہ خالی تھا لیکن وہ چاروں ایک طرف کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ چند لمحوں بعد سائیڈ کا ایک دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر آدمی جس نے باقاعدہ سوٹ پہنا ہوا تھا اندر داخل ہوا۔ یہ ماسٹر شوکت تھا جی ایف جی کا پاکیشیا میں انتظامی انچارج۔ اس کے چہرے اور انداز کو دیکھتے ہی دیکھنے والوں کو یقین ہو جاتا تھا کہ یہ آدمی بے حد خوشحال اور امیر ہے۔ اس کے اندر داخل ہوتے ہی وہ چاروں اٹھ کھڑے ہوئے۔

''ویلکم۔ ویلکم۔ بیٹھیں''...... ماسٹر شوکت نے مسکراتے ہوئے کہا اور خود بھی اپنے لئے مخصوص اونچی نشست کی ریوالونگ کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کیا رپورٹس ہیں''...... ماسٹر شوکت نے پوچھا۔

''پورا پاکیشیا جی ایف جی کے قصیدے پڑھ رہا ہے چیف''۔

ندیم نے کہا تو ماسٹر شوکت بے اختیار ہنس پڑا۔

''قصیدے پڑھے بھی تو جانے چاہئیں کیونکہ ہم کام ہی ایسے کرتے ہیں''...... ماسٹر شوکت نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر میز کی دراز کھول کر اس میں سے دو چیک نکالے اور ایک چیک اس نے اعظم کو اور دوسرا چیک ندیم کو دے دیا۔

''چالیس لاکھ کا چیک ہے''...... ماسٹر شوکت نے کہا تو اعظم اور ندیم کے ساتھ ساتھ ان کی گرل فرینڈز کے چہرے بھی چمک اٹھے۔

''تھینکس چیف''...... ندیم اور اعظم نے کہا۔

''تھینکس کی ضرورت نہیں ہے''...... ماسٹر شوکت نے کہا۔

''چیف۔ کوئی نیا کام''...... اعظم نے چیک لے کر تہہ کر کے سائیڈ جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ ایک اطالوی جوڑا سیاحت کے لئے یہاں آیا ہے۔ یہ دونوں میاں بیوی ہیں اور ان کا ایک چھ سالہ بچہ بھی ہے۔ ان کی چیکنگ کرائی گئی تو پہلے اطلاع ملی کہ یہ مڈل کلاس طبقے کے لوگ ہیں کیونکہ انہوں نے بجائے کسی بڑے ہوٹل میں ٹھہرنے کے ایک رہائشی پلازہ میں فلیٹ کرائے پر حاصل کیا اور وہاں رہ رہے ہیں لیکن پھر اطالیہ سے ان کے بارے میں دوسری رپورٹ آ گئی۔ یہ مڈل کلاس لوگ نہیں بلکہ اطالیہ کے ایک بڑے بزنس کے مالک ہیں اور صرف اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے مڈل کلاس ظاہر کر رہے

ہیں''...... ماسٹر شوکت نے کہا۔

''تو پھر چیف''...... ندیم نے کہا۔

''کارروائی ڈال دی گئی اور اس اطالوی جوڑے کا بچہ اٹھا لیا گیا۔ اس کیس کو کالا شیر ہینڈل کر رہا ہے لیکن تم نے اخبار میں خبر آنے کے بعد جی ایف جی کے نمائندوں کی حیثیت سے اس اطالوی جوڑے سے ہمدردی کرنی ہے''...... ماسٹر شوکت نے کہا۔

''چیف۔ کالا شیر تو بدمعاشوں کا ایک گروپ ہے۔ وہ اسے ڈیل بھی کر سکے گا یا نہیں''...... اعظم نے کہا تو ماسٹر شوکت بے اختیار چونک پڑا۔

''اس نے اب تک سینکڑوں کیس مکمل کئے ہیں۔ وہ ہمارا سب سے تجربہ کار آدمی ہے۔ تم دیکھنا کہ وہ اس اطالوی جوڑے سے اس قدر رقم کھینچ لے گا کہ جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے''...... ماسٹر شوکت نے کہا۔

''چیف۔ یہ اطالوی جوڑا اطالوی زبان بول سکتا ہو گا یا زیادہ سے زیادہ گریٹ لینڈ کی زبان۔ لیکن کالا شیر اور اس کے آدمی تو ان میں سے کوئی بھی زبان نہیں بول سکیں گے''...... ندیم نے کہا۔

''وہ بولنے کے چکر میں نہیں پڑتے۔ ان کے پاس ایسے لوگ موجود ہیں جو صرف دھمکیاں دیتے ہیں اور تاوان وصول کر لیتے ہیں۔ تم دیکھنا کہ یہ کس طرح اس اطالوی جوڑے کو نچوڑتے ہیں''۔ ماسٹر شوکت نے کہا۔

''اسی جوڑے کا پتہ دیں تا کہ ہم سیدھے وہیں جائیں''۔ ندیم نے کہا۔

''آج نہیں کل۔ کیونکہ کل کے اخبارات میں اس اغوا برائے تاوان کی خبر شائع ہو گی۔ پتہ میں بتا دیتا ہوں''...... ماسٹر شوکت نے کہا اور ساتھ ہی ایک رہائشی پلازہ کا نام اور فلیٹ نمبر بتا دیا تو ندیم اور اعظم دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی گرل فرینڈز بھی اٹھ کھڑی ہوئیں تو وہ اجازت لے کر واپس روانہ ہو گئے۔

''اطالوی جوڑے کو بدمعاشوں کے سپرد کرنا تو کوئی عقلمندی نہیں ہے''...... فرخ نے کہا۔

''یہ بدمعاش لوگ ہیں اس لئے یہ دوسروں کو اتنا نچوڑ لیتے ہیں کہ اور کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ بدمعاش اور سفاک لوگ ہوتے ہیں اور یہ اپنے انداز سے پڑھے لکھے لوگوں کے ذہنوں کو نوچ کر ان سے بھاری رقومات وصول کر لیتے ہیں۔ ماسٹر شوکت نے اگر اس کام کو کالے شیر کے سپرد کیا ہے تو یقیناً یہ فیصلہ درست ہو گا''۔ اعظم نے کہا اور ندیم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

دیہاتی انداز کی ایک کچی سڑک جو انتہائی ناہموار تھی۔ اس سڑک کے کنارے پر ایک عمارت اس انداز میں بنی ہوئی تھی کہ فرنٹ پر دس دکانیں بنائی گئی تھیں جبکہ عقب میں دو منزلہ عمارت بنائی گئی تھی۔ اس عمارت میں کرایہ دار کسی ہوٹل کے سے انداز میں رہتے تھے۔ نیچے ایک بڑی دکان میں کھانے اور چائے بنانے کا اڈہ تھا۔ باقی دکانوں میں بھی مختلف انداز کے کام ہوتے تھے۔ کسی دکان میں پلاسٹک کا سامان موجود تھا تو کسی دکان میں کھانے پینے کی پیکڈ چیزیں تھیں۔ دیہاتی ماحول کی وجہ سے یہاں جدید ترین علاقوں کی طرح بڑے ہوٹل یا بڑے کاروبار نہیں ہوتے تھے۔ یہ علاقہ کالا شیر کہلاتا تھا۔ اس علاقے کالے شیر کا سب سے مشہور آدمی سانگا شیر تھا جو بدمعاشی، منشیات فروشی، عورتوں کی خرید وفروخت اورنجانے کس کس قسم کے ناجائز کاروبار میں لتھڑا ہوا تھا لیکن یہ سارے دھندے اس کے آدمی کرتے تھے جن کی تعداد پچیس کے قریب تھی۔ سانگا شیر صرف مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا ادھر ادھر گھوم پھر کر کاروبار کو چیک کرتا رہتا تھا۔ اس علاقے کی پولیس اس سے نظریں بچاتی تھی کیونکہ وہ پولیس کے اعلیٰ حکام تک کو باقاعدہ منتھلی دیتا تھا۔ اگر کوئی اکا دکا آدمی اس کے خلاف شکایت لے کر تھانے جاتا تو الٹا اسے بے عزت کر کے تھانے سے نکال دیا جاتا تھا اور دوسرے دن اس آدمی کی لاش اس کے گھر کے دروازے پر لٹکی ہوئی نظر آتی تھی۔ اس لئے کچھ بھی ہو جائے سانگا شیر یا اس کے آدمیوں کی شکایت کرنے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ سانگا شیر اور اس کے آدمیوں کے خوف کی وجہ سے اس پورے علاقے میں بے حد امن تھا۔ یہاں کوئی غلط کام ماسوائے سانگا شیر اور اس کے آدمیوں کے اور کوئی نہ کر سکتا تھا۔ اگر کوئی کرتا تو پھر اس کا عبرت ناک حشر کیا جاتا تھا۔

اس علاقے میں جس کا نام کالا شیر تھا دیہاتی انداز کے بنے ہوئے پچاس ساٹھ گھر تھے جہاں سانگا شیر کی اجازت سے اس کے خاص لوگوں کے ساتھ ساتھ عام لوگ بھی رہتے تھے جو اردگرد باغات میں کام کرتے تھے۔ سانگا شیر کے پاس سیاہ رنگ کی ایک پرانے ماڈل کی کار بھی تھی جسے ڈرائیور چلاتا تھا اور سانگا شیر کو اگر دارالحکومت یا قریبی علاقے عالی میر ٹاؤن جانا پڑتا تو وہ اسی کار پر جاتا تھا۔ اس کی کار دیکھ کر لوگ راستہ چھوڑ دیتے تھے بالکل اس طرح جس طرح ایمبولینس کا سائرن سن کر لوگ فوراً سائیڈوں میں

ہو جاتے تھے۔ سانگا شیر اس وقت اپنے ایک آدمی کے پاس بیٹھا منشیات استعمال کرنے میں مصروف تھا۔ یہ اس کے نائب کالو کی جگہ تھی۔ کالو بے پناہ مشتعل مزاج اور خوفناک لڑاکا سمجھا جاتا تھا۔ عقل نام کی کوئی چیز اس کے دماغ میں کم ہی آتی تھی۔ اس کی یہی مشتعل مزاجی سانگا شیر کو بے حد پسند تھی۔ وہ اسے فخر سے مرد کہتا تھا۔ اس کا قول تھا کہ اس کے اور کالو کے علاوہ باقی سارے مکمل مرد نہیں ہیں۔

”سانگا شیر۔ سنا ہے کہ ایک اطالوی بچہ اغوا کیا گیا ہے جس کے ماں باپ سے پچاس لاکھ ڈالرز تاوان طلب کیا گیا ہے“۔ کالو نے کہا تو سانگا شیر نے منشیات سے بھرے ہوئے سگریٹ کا ایک لمبا کش لیا۔

”ہاں۔ تم نے درست سنا ہے۔ یہ کام کالا شیر نے کیا ہے اور وہی اس سے نمٹے گا“...... سانگا شیر نے کہا تو کالو بے اختیار چونک پڑا۔

”کالا شیر کون ہے۔ کالا شیر تو علاقے کا نام ہے کسی آدمی کا تو نام نہیں ہے“...... کالو نے حیرت بھرے لہجے میں کہا تو سانگا شیر نے ایک اور طویل کش لیا۔

”تو تمہیں پتہ نہیں۔ سنو۔ اس سارے علاقے سے بہت کم رقم اوپر جا رہی تھی اس لئے اوپر والوں نے حکم دیا کہ علاقے بانٹ کر کام کیا جائے چنانچہ کالے شیر کا آدھا علاقہ ایک نئے آدمی کو دیا گیا

جس نے اپنا نام ہی کالا شیر رکھ لیا اور دوسرا علاقہ مجھے دیا گیا سانگا شیر کو اور اطالوی بچے والا کیس کالا شیر کو اس لئے دیا گیا کہ کالا شیر رقم نکلوانے میں مشہور ہے۔ وہ واقعی انسانوں کی ہڈیاں توڑ کر ان کی روحوں سے بھی رقم نکلوا لیتا ہے“...... سانگا شیر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”یہ کالا شیر کہاں رہتا ہے۔ اس کا دفتر کہاں ہے“...... کالو نے پوچھا۔

”عالی میر ٹاؤن میں ایک خاصی بڑی بلڈنگ ہے جس میں کالا شیر نے اپنا آفس بنایا ہوا ہے۔ آفس تو جائیداد کی خرید و فروخت کرنے والوں کا ہے لیکن وہ صرف آڑ ہے۔ اصل دفتر کالے شیر کا ہے اور وہ اسی آفس میں بیٹھتا ہے“...... سانگا شیر نے کہا۔

”تو اس اطالوی بچے کو کہاں رکھا گیا ہے“...... کالو نے پوچھا۔

”فی الحال تو کالے شیر کی تحویل میں ہے اور وہ ابھی اپنے خاص آدمیوں کے ذریعے اطالوی جوڑے سے بات چیت کر رہا ہے۔ دیکھو آگے کیا ہوتا ہے“...... سانگا شیر نے کہا۔

”سانگا شیر۔ کاش یہ مشن ہمارے ذمے لگایا جاتا تو آدھی رقم مل جاتی۔ پچیس لاکھ ڈالرز بہت بڑی رقم ہے۔ مزہ آ جاتا“...... کالو نے چٹخارہ لیتے ہوئے کہا۔

”تم تو اس طرح بات کر رہے ہو جیسے آج تک تمہیں کوئی رقم نہیں ملی۔ بولو۔ دو روز پہلے ایک لاکھ ڈالرز لئے ہیں تم نے“۔ سانگا

شیر نے کہا۔

’’ہاں۔ لیکن پچیس لاکھ ڈالرز تو بہت بڑی رقم ہے‘‘...... کالو نے کہا۔

’’جلد ہی کوئی دوسرا کام آ جائے گا۔ گھبراؤ نہیں‘‘...... سانگا شیر نے اس کے کاندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا اور کالو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک آدمی دور سے دوڑتا ہوا آتا دکھائی دیا تو وہ دونوں اسے اس انداز میں بھاگتے دیکھ کر چونک پڑے۔

’’یہ فضلو کیوں دوڑتا ہوا آ رہا ہے‘‘...... سانگا شیر نے کہا۔ تھوڑی دیر بعد فضلو وہاں پہنچ گیا۔ وہ تیز تیز سانس لے رہا تھا۔

’’کالا شیر کی کال ہے۔ اس لئے مجھے دوڑ کر آنا پڑا۔ یہ لو فون‘‘...... فضلو نے جیب سے سیل فون نکال کر سانگا شیر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو سانگا شیر نے سیل فون فضلو سے لے کر اسے آن کیا اور کان سے لگا لیا۔

’’یس ماسٹر۔ کیا بات ہے۔ سانگا شیر بول رہا ہوں‘‘...... سانگا شیر نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

’’چیف ماسٹر کو رپورٹ دینی ہے اطالوی بچے کے معاملے کی اور تم نے اب تک ان کے ماں باپ کو تلاش ہی نہیں کیا۔ اب ہم اس بچے کا کیا کریں۔ رقم تو اس کے ماں باپ نے دینی ہے‘‘...... دوسری طرف سے کہا گیا۔

’’ارے ہاں۔ میں تو قاسم کو کہہ کر بھول گیا تھا اور قاسم نے بھی اب تک کوئی رپورٹ نہیں دی۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔ پھر تمہیں فون کروں گا‘‘...... سانگا شیر نے کہا۔

’’جلدی کرو جلدی۔ تاکہ کام آگے بڑھایا جا سکے‘‘...... دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا تو سانگا شیر نے سیل فون کے نمبر پنچ کرنے شروع کر دیئے۔

’’یس قاسم بول رہا ہوں‘‘...... رابطہ ہوتے ہی دوسری طرف سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔ لہجہ کھردرا سا تھا۔

’’سانگا شیر بول رہا ہوں قاسم‘‘...... سانگا شیر نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

’’ہاں بولو سانگا شیر۔ حکم دو‘‘...... دوسری طرف سے کہا گیا۔

’’تمہارے ذمے کام لگایا تھا اطالوی جوڑے کو تلاش کرنے کا۔ بچہ ہمارے پاس ہے۔ چیف ماسٹر نے رپورٹ مانگی ہے‘‘...... سانگا شیر نے کہا۔

’’ابھی تک ان کی تلاش جاری ہے۔ میرے آدمی ہر طرف انہیں تلاش کر رہے ہیں لیکن وہ کہیں مل ہی نہیں رہے اور کسی نے انہیں دیکھا بھی نہیں ہے۔ نجانے وہ کہاں چلے گئے ہیں‘‘...... قاسم نے کہا۔

’’پاکیشیا میں اطالوی سفارت خانے سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں تم نے۔ ان کا بچہ بس ٹرمینل سے اغوا کیا

گیا اور انہیں اطلاع بھی بس ٹرمینل سے دی گئی۔ اس کے بعد ہو سکتا ہے وہ اطالوی سفارت خانے پہنچ گئے ہوں''...... سانگا شیر نے کہا۔

''میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔ تم نے واقعی بے حد عقلمندانہ بات کی ہے''...... قاسم نے کہا تو سانگا شیر کے چہرے پر مسرت کے تاثرات ابھر آئے۔ سانگا شیر نے فضلو کو واپس بھجوا دیا تھا۔ اس لئے سانگا شیر اور کالو دونوں وہاں رہ گئے تھے۔ پھر قاسم سے بات ہونے کے بعد ایک گھنٹہ مزید گزر گیا تو قاسم کی کال آ گئی۔

''سانگا شیر۔ تم نے درست اور صحیح اندازہ لگایا تھا۔ وہ دونوں میاں بیوی وہیں تھے اور سفارت خانے والوں نے پولیس کے اعلیٰ ترین افسران سے بات کی ہے تاکہ ان کے بچے کو واپس لایا جا سکے لیکن بڑے پولیس افسر تو ہمارے دوست ہیں اس لئے انہوں نے بات کو طوالت دے دی ہے۔ افسروں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ اطالوی جوڑے کو مجبور کر دیا جائے کہ وہ رقم دے کر بچہ واپس لے لیں اطالوی جوڑا اب اپنے فلیٹ پر موجود ہے۔ تم ماسٹر چیف کو رپورٹ دے دو''...... قاسم نے کہا۔

''ٹھیک ہے لیکن وہ بچہ کس کے پاس ہے۔ میرے پاس تو نہیں ہے۔ تمہارے پاس ہے کیا''...... سانگا شیر نے کہا۔

''وہ کالا شیر کے راٹھ کے پاس ہے''...... قاسم نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''اوہ اچھا۔ پھر اسے صحیح جگہ بھیجا گیا ہے۔ اوکے''...... سانگا شیر نے کہا اور رابطہ ختم کر کے اس نے دوبارہ نمبر پریس کرنے شروع کر دیئے۔

''یس......'' رابطہ ہوتے ہی ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

''سانگا شیر بول رہا ہوں۔ قاسم سے رپورٹ مل گئی ہے''۔ سانگا شیر نے کہا۔

''کیا رپورٹ ہے''...... دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''اطالوی جوڑا پہلے پولیس اسٹیشن گیا اور وہاں سے وہ اطالوی سفارت خانے چلا گیا اور اب وہ سفارت خانے سے واپس ایڈن پلازہ میں اپنے فلیٹ میں موجود ہے''...... سانگا شیر نے کہا۔

''او کے۔ میں ابھی رپورٹ بھجوا دیتا ہوں''...... دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم کر کے سانگا شیر نے سیل فون جیب میں رکھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی تو سانگا شیر نے اسے واپس نکالا لیکن پھر اس پر جوزف کا نام پڑھ کر وہ چونک پڑا۔ کیونکہ جوزف عالی میر ٹاؤن میں موجود کالا ہوٹل کا انچارج تھا۔ کالا ہوٹل اردگرد کے تمام بدمعاشوں اور مجرم افراد کا گڑھ تھا کیونکہ وہاں کھلے عام نہ صرف منشیات ملتی تھی بلکہ بے تحاشا انداز میں پی بھی جاتی تھی۔

''یس۔ سانگا شیر بول رہا ہوں''...... سانگا شیر نے کہا۔

''جوزف بول رہا ہوں۔ چار افراد ایک کار پر یہاں ہوٹل میں

آئے ہیں اور وہ کالے شیر کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ گو انہیں ٹال دیا گیا ہے لیکن یہ چاروں مجھے خطرناک افراد لگتے ہیں۔ کیا کرنا ہے ان کا''...... جوزف نے کہا۔

''انہیں میرے پاس بھجوا دو''...... سانگا شیر نے سخت لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں انہیں کہوں گا کہ کالا شیر پاکیشیا سے باہر گیا ہوا ہے اور اس کی جگہ سانگا شیر موجود ہے اور تمہارا پتہ انہیں بتا دوں گا تو وہ یقیناً وہاں پہنچ جائیں گے۔ پھر تم خود ہی ان سے پوچھ گچھ کر لینا کہ یہ کون لوگ ہیں اور کیوں کالا شیر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں''...... جوزف نے کہا۔

''ہاں بھجوا دینا۔ ان سے ملاقات ضروری ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ انٹیلی جنس کے لوگ ہوں اوراطالوی بچے کے اغوا پر کام کر رہے ہوں کیونکہ اطالوی سفارت خانہ ان کی حمایت میں ان کے پیچھے کھڑا ہو گا''......سانگا شیر نے کہا۔

''اوہ ہاں۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو اور تم واقعی سانگا شیر ہو۔ کیونکہ جتنی گہرائی میں تم سوچتے ہو، اتنی گہرائی میں کوئی بھی نہیں سوچتا''...... جوزف نے کہا تو سانگا شیر کے چہرے پر مسرت کے تاثرات ابھر آئے۔

''ویسے سانگا شیر۔ انہیں کوئی مخبری ہوئی ہے، تو یہ کالا شیر کو پوچھتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں لیکن مخبری کس نے کی ہو گی''۔ جوزف نے کہا۔

''کیا انہوں نے بتایا ہے کہ وہ کس مقصد کے لئے کالا شیر سے ملنا چاہتے ہیں''...... سانگا شیر نے کہا۔

''نہیں۔ انہوں نے کہا کہ انہیں کالا شیر سے ایک ضروری کام ہے اور ملاقات سے کالا شیر کو دس لاکھ روپے کا نقد فائدہ ہو گا''......جوزف نے کہا۔

''تو پھر کالا شیر ان سے مل لیتا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا۔ اگر یہ لوگ ہمارے لئے خطرناک ہو سکتے ہیں تو انہیں فوری طور پر ہلاک کر کے برقی بھٹی میں ان کی لاشیں ڈال دی جائیں اور ان کا وجود ہی دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا۔ باقی رہی ان کی کار تو اسے دارالحکومت کی آخری سرحد میں پہنچا دیا جاتا''...... سانگا شیر نے کہا۔

''کالا شیر تو کل رات سے ہی کافرستان گیا ہوا ہے۔ وہاں جی ایف جی کی میٹنگ تھی۔ وہ شاید دو چار دن بعد ہی آئے گا''۔ جوزف نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''اوکے۔ اب اگر وہ آئے تو مجھے براہ راست اطلاع دینا۔ میں خود جا کر اس سے مل لوں گا''...... سانگا شیر نے کہا۔

''اوکے''...... دوسری طرف سے جوزف نے کہا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا تو سانگا شیر نے لمبا سانس لیتے ہوئے سیل فون آف کیا اور پھر اسے جیب میں ڈال لیا۔

عمران اپنے فلیٹ میں بیٹھا ایک کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ عمران کو ناشتہ دینے کے بعد سلیمان اپنی روزانہ کی روٹین کے مطابق شاپنگ کرنے فلیٹ سے باہر جا چکا تھا۔ سلیمان ایک فلاسک میں چائے کی دو پیالیاں ڈال کر فلاسک کو عمران کے سامنے موجود میز پر رکھ کر چلا گیا تھا۔ عمران کتاب میں اتنا گم تھا کہ اس نے سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا کہ کیا ہو رہا ہے لیکن لاشعوری طور پر اسے معلوم تھا کہ کیا ہو رہا ہے کیونکہ یہ تقریباً روز کی روٹین تھی۔ سلیمان کے جانے کے بعد تقریباً ایک گھنٹے تک کتاب پڑھنے کے بعد اس نے کتاب کو میز پر رکھا۔ فلاسک اس کے سامنے میز پر پڑا تھا۔ عمران نے پیالی اٹھا کر سامنے رکھی اور پھر فلاسک کو کھول کر اس نے چائے پیالی میں ڈالی اور پیالی اٹھا کر گھونٹ گھونٹ چائے پینے لگا۔ ابھی چائے کی پیالی ختم نہ ہوئی تھی کہ میز پر موجود فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ عمران نے پیالی واپس میز پر رکھی اور ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔

”علی عمران۔ ایم ایس سی ڈی ایس سی (آکسن) بول رہا ہوں“...... عمران نے اپنے مخصوص انداز میں تعارف کراتے ہوئے کہا۔

”سلطان بول رہا ہوں اور سارے اہم کام چھوڑ کر تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں۔ جلدی آؤ“...... سر سلطان نے کہا۔

”اگر آپ بیٹھے بیٹھے تھک گئے ہیں تو کھڑے ہو جائیں۔ اب تو لوگ بیٹھنے کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ انہیں کھڑا ہونا پڑے تو اسے سزا قرار دیتے ہیں کیونکہ پہلے سکول کے اساتذہ کو کسی طالب علم کو سزا دینی ہو تو وہ اسے بنچ پر کھڑا کر دیتے یا دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونے کی سزا دیتے تھے“...... عمران کی زبان چلی تو پھر واقعی رواں ہو گئی لیکن دوسری طرف سے جب کوئی جواب نہ آیا تو اس نے منہ بناتے ہوئے رسیور رکھ دیا کیونکہ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ سر سلطان نے اپنی بات کر کے رابطہ ختم کر دیا تھا۔ عمران نے کتاب اٹھائی اور اسے کھول کر اس طرح پڑھنے لگا جیسے سر سلطان سے اس کی سرے سے بات ہی نہ ہوئی ہو۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی تو عمران کے چہرے پر شرارت کے تاثرات ابھر آئے۔ اس نے رسیور اٹھا لیا۔

”علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) بذبان خود بلکہ بدہان خود بول رہا ہوں“...... عمران نے اپنے مخصوص انداز میں

بولتے ہوئے کہا۔

''ایکسٹو''...... دوسری طرف سے مخصوص آواز سنائی دی تو عمران چونک پڑا۔

''کوئی خاص بات بلیک زیرو''...... عمران نے اسے نام سے پکارتے ہوئے کہا۔ اسے معلوم تھا کہ بلیک زیرو نے اس لئے ایکسٹو کا نام لیا ہے کہ کہیں عمران کے فلیٹ پر کوئی اجنبی آدمی یا سیکرٹ سروس کے ممبران میں سے کوئی موجود نہ ہو۔ اس لئے عمران نے اس کا نام لیا تھا تاکہ وہ بھی سمجھ جائے کہ عمران کے پاس کوئی ایسا آدمی موجود نہیں ہے۔

''عمران صاحب۔ سرسلطان نے مجھے فون کیا ہے۔ وہ سخت ناراض ہو رہے تھے۔ انہوں نے آپ کو فون کر کے فوری اپنے آفس پہنچنے کا کہا لیکن آپ نہ ہی ان کے آفس گئے اور نہ ہی انہیں فون کیا۔ وہ واقعی ناراض ہو رہے تھے''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''انہیں رسیور رکھنے کی بڑی جلدی ہوتی ہے۔ میں انہیں بتانا چاہتا تھا کہ میرے پاس پٹرول کے پیسے نہیں ہیں اس لئے لازماً مجھے دھکا لگا کر کار سنٹرل سیکرٹریٹ تک لے جانی پڑے گی اور اکیلا میں کیسے دھکا بھی لگاؤں اور سٹیئرنگ بھی سنبھالے رکھوں۔ اس لئے مجھے سلیمان کی واپسی کا انتظار کرنا پڑے گا اور تمہیں معلوم ہے کہ سلیمان کو ایک ایک دکاندار سے ایک ایک چیز کی خریداری پر کتنا جھگڑنا پڑتا ہے تاکہ مجھ جیسے غریب اور مفلس کے دو چار روپے بچ

سکیں''۔ عمران نے کہا۔

''عمران صاحب پلیز۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ سرسلطان کتنا ناراض ہو رہے تھے''...... بلیک زیرو نے منت کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا میں انہیں فون کرتا ہوں۔ پھر ضرورت ہوئی تو چلا بھی جاؤں گا''...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ پہلے فون کر کے معذرت کر لیں پھر چلے جائیں''...... بلیک زیرو نے اپنے انداز میں فقرے کو موڑتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم کر دیا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے رسیور نہ رکھا تو عمران کی باتوں کا چرخہ چلتا رہے گا۔ عمران نے کریڈل دبایا اور پھر ٹون آنے پر اس نے سرسلطان کے آفس کے نمبر پریس کر دیئے۔

''پی اے ٹو سیکرٹری خارجہ''...... رابطہ ہوتے ہی دوسری طرف سے سرسلطان کے پی اے کی آواز سنائی دی۔

''علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) بول رہا ہوں''...... عمران نے اپنی عادت کے مطاق مکمل تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''سرسلطان سے بات کیجئے''...... دوسری طرف سے پی اے کی مسکراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''جناب سرسلطان سیکرٹری وزارت خارجہ حکومت پاکیشیا کی خدمت اقدس میں ناچیز، حقیر، فقیر، بے تقصیر تمام آداب شاہی سمیت

سلام پیش کرتا ہے“...... عمران نے ایک ایک لفظ کو چبا چبا کر بولتے ہوئے کہا۔

”میں اطالوی سفیر سمیت تمہارے فلیٹ پر آ رہا ہوں“۔ دوسری طرف سے سرسلطان نے گھمبیر لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا۔

”اوہ۔ اوہ۔ پلیز۔ میں پہنچ رہا ہوں فوراً۔ ابھی آیا“...... عمران نے ایسے انداز میں کہا جیسے وہ اڑ کر پہنچ جانا چاہتا ہوں اور پھر عمران نے بغیر کچھ کہے رسیور رکھا اور بیرونی دروازے کی طرف چھلانگ لگائی اور پھر ہوا بھی ایسے ہی۔ جس قدر تیزی سے عمران سنٹرل سیکرٹریٹ پہنچا وہ واقعی قابل داد تھی۔ چند لمحوں بعد عمران، سرسلطان کے آفس میں داخل ہو رہا تھا۔ سرسلطان وہاں آفس میں موجود تھے۔

”شکر ہے آپ یہیں مل گئے ورنہ مجھے خدشہ تھا کہ آپ واقعی اطالوی سفیر کے ساتھ میرے فلیٹ پر نہ پہنچ گئے ہوں اور وہ شاعر کیا کہتا ہے کہ آج ہی مہمان آئے اور آج ہی گھر میں بوریا تک نہیں۔ شاعر بے چارہ تو بوریئے پر بیٹھ کر اور شعر کہہ کر مطمئن ہو جاتا ہو گا۔ میرے پاس تو بوریا بھی نہیں۔ اس لئے آپ دیکھیں دوڑتا ہوا آیا ہوں“...... عمران نے کہا۔

”دوڑ کر آئے ہو۔ کیوں“...... سرسلطان نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”کار کو ساتھ ساتھ دوڑاتا ہوا آیا ہوں کیونکہ اتنی جلدی تھی کہ کار میں بیٹھنے کا وقت ہی نہیں ملا“...... عمران نے جواب دیا تو سرسلطان بے اختیار ہنس پڑے۔

”میں نے تمہیں اس لئے کال کیا ہے کہ یہاں دارالحکومت سے ایک اطالوی جوڑے کا چھ سالہ بچہ اغوا کر لیا گیا ہے اور اطالوی سفارت خانہ اس اطلاع پر بے چین ہو گیا ہے۔ اطالیہ میں آج تک اس طرح کا کیس کہیں نہیں ہوا۔ اس لئے وہ لوگ سخت پریشان ہیں۔ یہ انسانی ہمدردی کا کیس ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر تم اس بچے کے ماں باپ کی حالت اور نجانے اس بچے کے ساتھ کیا ہو رہا ہو گا کو محسوس کرو گے تو اس بچے کو صحیح سلامت واپس لا کر ملزموں کو انصاف کے کٹہرے تک لے آؤ گے۔ اس لئے میں نے اطالوی سفیر کو ذاتی طور پر حلف دے دیا ہے کہ ان کا بچہ ایک ہفتے کے اندر واپس پہنچ جائے گا“...... سرسلطان نے کہا تو عمران بے اختیار چونک پڑا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ابھر آئے کیونکہ آج سے پہلے سرسلطان نے اس قسم کے کیس کے بارے میں ڈسکس نہیں کی تھی۔

”آپ ڈیڈی کو فون کر دیتے۔ یہ ان کا کام ہے اور یقیناً وہ اس پر کام کرتے تو بچے اور ملزموں کو بھی ٹریس کر لیتے“...... عمران نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے کہ میں احمق ہوں۔ مجھے نہیں معلوم ہے کہ اس قسم کے کیسز پر کام کون کرتا ہے اور یہ کس محکمے کا کام ہے اور

کس کا نہیں'' ...... سرسلطان نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ان کے چہرے پر ناراضگی کے تاثرات نمایاں تھے۔

''آپ بہت جلد ناراض ہو جاتے ہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا جو آپ نے سمجھ لیا ہے۔ بچے کا اغوا برائے تاوان بہت حساس معاملہ ہے اور سنٹرل انٹیلی جنس چونکہ یہ کام کرتی رہتی ہے اس لئے انہیں اس کے مراحل، نتائج اور عواقب کا علم ہوتا ہے جبکہ سیکرٹ سروس کو اس کیس کے بارے میں اے بی سی کا بھی علم نہیں ہو سکتا اس لئے میں نے بچے کے تحفظ کے لئے یہ بات کی تھی۔ آپ الٹا ناراض ہو گئے'' ...... عمران نے وضاحت کرتے ہوئے کہا تو سرسلطان کے چہرے پر ناراضگی کے تاثرات خاصی حد تک کم ہو گئے۔

''میں نے کب کہا ہے کہ تم اس کیس پر سیکرٹ سروس کو حرکت میں لے آؤ۔ تم نے ایک اور تنظیم کا نوٹیفکیشن جاری کرایا تھا فور سٹارز۔ جو سماجی برائیوں اور سماجی جرائم کے خلاف کام کرنے کے لئے بنائی گئی ہے اور جس کی رپورٹس مجھے ملتی رہتی ہیں اور میں سیکرٹ سروس کی طرح اس کا بھی انتظامی انچارج ہوں جبکہ صدیقی اس کا انچارج یا چیف ہے'' ...... سرسلطان نے کہا تو عمران نے بے اختیار ایک طویل سانس لیا۔

''او کے۔ آئی ایم سوری۔ مجھے واقعی اس کا خیال نہ آیا تھا۔ اب آپ بے فکر رہیں۔ انشاء اللہ ہم بچے کو صحیح سلامت واپس حاصل کر

لیں گے'' ...... عمران نے کہا۔

''انشاء اللہ'' ...... سرسلطان نے بڑے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

''اس بارے میں کوئی فائل، کوئی نوٹس۔ کہاں یہ واقعہ ہوا ہے اور کب'' ...... عمران نے کہا تو سرسلطان نے میز کی دراز کھولی اور اس میں سے ایک فائل نکال کر عمران کی طرف بڑھا دی۔ عمران نے فائل لے کر اسے پڑھا اور پھر فائل بند کر دی۔

''میں پہلے اس جوڑے سے مل لوں تا کہ اصل حالات سامنے آ جائیں'' ...... عمران نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے'' ...... سرسلطان نے کہا تو عمران فائل لے کر اٹھا کر واپس مڑا اور تھوڑی دیر بعد اس کی کار تیزی سے ایڈن پلازہ کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ صدیقی بھی اسی رہائشی پلازہ میں رہتا ہے اور عمران نے یہی سوچا تھا کہ وہ صدیقی کو ساتھ لے کر اس اطالوی جوڑے سے بات کرے گا تا کہ فور سٹارز کو اس مشن پر کام کرنے کا کہا جا سکے لیکن جب اس نے کار ایڈن پلازہ کی پارکنگ میں روکی تو اس کے پیچھے اسی وقت صدیقی کی کار بھی آ کر رکی تو عمران چونک پڑا۔ پھر اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ابھر آئے کیونکہ صدیقی کی کار میں پورے فور سٹارز موجود تھے۔

''عمران صاحب آپ اور یہاں'' ...... صدیقی نے آگے بڑھ کر

سلام کے بعد کہا۔

''فور سٹارز کا ایک کیس میرے ذمے لگایا گیا ہے اور ساتھ ہی دھمکی دی گئی ہے کہ اگر مشن کامیاب نہ ہوا تو لٹل سٹار کو سزا دی جائے گی''...... عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا تو سب بے اختیار ہنس پڑے۔

''عمران صاحب۔ آپ اطالوی بچے کے اغوا کے سلسلے میں کام کر رہے ہیں''...... ساتھ کھڑے چوہان نے اچانک کہا تو عمران سمیت سب بے اختیار چونک پڑے۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا ہے''...... عمران نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''آپ کے ہاتھ میں جو فائل ہے اس پر اطالوی سفارت خانے کا نام لکھا ہوا ہے اور ہم بھی اسی سلسلے میں کام کر رہے ہیں''۔ چوہان نے کہا تو عمران بے اختیار اچھل پڑا۔

''کام کر رہے ہیں۔ کیا مطلب۔ کیا تم نے ازخود یہ کام شروع کیا ہے یا چیف کی طرف سے حکم دیا گیا ہے''...... عمران نے کہا تو صدیقی نے فون آنے سے لے کر اب تک کی ساری روئیداد مختصر طور پر بتا دی۔

''تو تمہاری ابھی تک اس بچے کے والدین سے بات نہیں ہو سکی''...... عمران نے کہا۔

''نہیں۔ اب شاید وہ اپنے فلیٹ میں موجود ہوں''...... صدیقی

نے کہا تو عمران نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر تھوڑی دیر بعد جب وہ صدیقی کے فلیٹ تک پہنچے تو اطالوی جوڑے کے فلیٹ کے دروازے پر تالا موجود تھا۔ چند لمحوں بعد وہ سب فلیٹ کے مین روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ صدیقی نے ریفریجریٹر سے جوس کے پیکٹ نکالے جن کے ساتھ سٹرا چپکے ہوئے تھے سب کے سامنے رکھے اور ایک پیکٹ اپنے ساتھ رکھ کر وہ بیٹھ گیا۔

''تم بتا رہے تھے کہ تم نے جہاں سے کال آئی تھی وہ جگہ اور اس آدمی کا نام ٹریس کر لیا ہے۔ تفصیل بتاؤ''...... عمران نے کہا۔

''عالی میر ٹاؤن سے ملحقہ علاقہ جسے کالا شیر کہا جاتا ہے میں ایک دیہاتی انداز کے ہوٹل جس کا نام کالا ہوٹل ہے وہاں سے کال کی گئی تھی اور ہاشم خان کے نام پر فون کنکشن ہے۔ چنانچہ ہم فور سٹارز وہاں گئے اور اب ہم وہیں سے واپس آ رہے ہیں لیکن وہاں کوئی کالا شیر نام کا آدمی نہیں ہے۔ کالا شیر علاقے کا نام ہے۔ وہاں کالا ہوٹل بھی ہے لیکن ہاشم خان کو فوت ہوئے کئی سال گزر چکے ہیں۔ یہ فون بھی اس کالا ہوٹل میں ہی نصب ہے۔ ہم نے کالا شیر آدمی کے بارے میں ہوٹل والوں سے پوچھ گچھ کی لیکن کچھ پتہ نہیں چلا۔ اس لئے ہم واپس آ گئے ہیں کہ کہیں یہ لوگ ہماری وجہ سے خوفزدہ ہو کر بچے کو ہلاک نہ کر دیں''۔ صدیقی نے کہا۔

''لیکن انہوں نے فون کر کے تمہیں پیغام پہنچانے کے لئے کیوں کہا۔ اس طرح تو انہوں نے آ بیل مجھے مار والا کام کیا

ہے''...... عمران نے جوس سپ کرتے ہوئے کہا۔

''لگتا ہے یہ لوگ اس کام میں اناڑی ہیں''...... صدیقی نے کہا۔

''لیکن میرا خیال ہے کہ یہ لوگ تجربہ کار ہیں۔ انہوں نے براہ راست بات کرنے کی بجائے ذریعہ استعمال کیا ہے تاکہ بچے تک کوئی نہ پہنچ سکے''...... عمران نے جواب دیا۔

''عمران صاحب۔ آپ کس طرح اس کیس میں شامل ہوئے ہیں۔ یہ سیکرٹ سروس کا کیس تو نہیں ہے''...... چوہان نے کہا۔

''سرسلطان کو اطالوی سفارت خانے نے مجبور کیا ہے کہ وہ اس کیس میں ذاتی دلچسپی لیں اور جلد از جلد بچے کو برآمد کرائیں اور مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کریں اور تم سب کو معلوم ہے کہ سرسلطان کی ذاتی دلچسپی بے چارے علی عمران سے ہی ہے''۔ عمران نے رو دینے والے لہجے میں کہا تو سب کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

''عمران صاحب۔ سرسلطان آپ پر اس قدر اعتماد کرتے ہیں کہ آپ جیسے ہی کام پر آمادہ ہوتے ہیں تو انہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ اب کامیابی سو فیصد یقینی ہے''...... خاور نے کہا۔

''کاش کوئی چیک بھی اس دلچسپی میں شامل ہو جاتا''...... عمران نے کہا تو سب بے اختیار ہنس پڑے۔ اسی لمحے کال بیل بجی تو صدیقی اٹھ کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''کون ہے''...... صدیقی نے دروازے کا لاک کھولنے سے پہلے اونچی آواز میں پوچھا۔

''میرا نام ونسٹن ہے اور میں آپ کا ہمسایہ ہوں''...... باہر سے کسی مرد کی آواز سنائی دی تو صدیقی نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک اطالوی نژاد جوڑا کھڑا تھا۔ دونوں نوجوان تھے۔

''آیئے۔ اندر آ جائیں''...... صدیقی نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

''سوری۔ ہم نے آپ کو ڈسٹرب کیا ہے۔ ہمارا بچہ اغوا کر لیا گیا ہے اور ہم ابھی جب اپنے ساتھ والے فلیٹ میں پہنچے تو فون پر ہمیں بتایا گیا کہ آپ کو تاوان کی رقم بتا دی گئی ہے۔ اس لئے میں نے کال بیل دی ہے''...... ونسٹن نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

''آپ کے سلسلے میں ہی بات ہو رہی تھی۔ ہم نے اپنے طور پر ایک ٹیم بنائی ہوئی ہے جو سماجی برائیوں کے خلاف جدوجہد کرتی ہے اور ہم آپ سے ملنا چاہتے تھے لیکن آپ کے فلیٹ پر تالا لگا ہوا تھا۔ آیئے۔ اندر آ جایئے۔ یہاں آپ کے لئے ہی کام کیا جا رہا ہے''...... صدیقی نے کہا تو ونسٹن اور اس کی بیوی کے چہروں پر حیرت اور مسرت کے ملے جلے تاثرات ابھر آئے۔ وہ دونوں میاں بیوی اندر آ گئے اور ونسٹن نے باری باری سب سے مصافحہ کیا اور صدیقی نے سب سے تعارف کرایا۔

''یہ میری وائف ہیں ماریا ونسٹن''...... آخر میں ونسٹن نے اپنی

بیوی کا تعارف کرایا تو سب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو ذرا سا جھکایا اور پھر وہ مڑ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے اور ماریا ان سب کے اس رویئے پر پہلے چند لمحوں تک حیرت سے عمران اور اس کے ساتھیوں کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کاندھے اچکائے اور اپنے شوہر کے ساتھ موجود کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آپ کے بیٹے کا نام۔ اس کی کوئی تصویر"...... عمران نے کہا۔

"جی ہاں۔ میرے پاس ہے اس کی تصویر"...... ونسٹن نے جواب دیتے ہوئے کہا اور پھر اس نے جیب سے پرس نکالا اور اس میں سے ایک تصویر نکال کر عمران کی طرف بڑھا دی۔ عمران نے تصویر لے کر اسے غور سے دیکھا اور پھر تصویر صدیقی کی طرف بڑھا دی۔

"بیٹے کا نام کیا ہے"...... عمران نے پوچھا۔

"براس ونسٹن۔ چھ سال عمر ہے"...... ونسٹن نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"کہاں سے اغوا کیا گیا ہے براس کو"...... عمران نے پوچھا۔

"ہم قدیم تہذیب کے حامل علاقے سانگ کو دیکھنا چاہتے تھے اس لئے ہم بس ٹرمینل پر گئے۔ وہاں ہم نے ایڈوانس بکنگ کرائی اور واپسی پر اچانک مجھے خیال آیا کہ براس ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ پھر پہلے ہم نے اسے ٹرمینل پر ہی تلاش کیا لیکن جب وہ نہ ملا تو ہم اطالوی سفارت خانے گئے۔ وہاں سے پولیس کو الرٹ کیا گیا

اور ہمیں وہیں روک لیا گیا کیونکہ سب کو یقین تھا کہ براس راستہ بھول کر کہیں اور نکل گیا ہے جلد ہی مل جائے گا لیکن پھر سفارت خانے میں فون کال آئی اور عملے کو بتایا گیا کہ براس کو باقاعدہ اغوا کیا گیا ہے اور اغوا کرنے والے تاوان طلب کر رہے ہیں۔ ابتدائی طور پر پچاس لاکھ ڈالرز۔ لیکن ہمارے پاس اتنی رقم نہ تھی جس پر سفارت خانے نے ہمیں یقین دلایا کہ سفارت خانہ اس میں کردار ادا کرے گا چنانچہ ہم واپس آ گئے۔ یہاں فون پر موجود ٹیپ سے پتہ چلا کہ تاوان کی کال آپ کے فون پر کی گئی ہے اس لئے ہم آپ کے فلیٹ پر پہنچے اور آپ سے ملاقات ہوگئی اور ہم یہ سن کر بے حد حیران ہیں کہ آپ باقاعدہ اس کیس پر کام کر رہے ہیں"۔ ونسٹن نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔ پھر عمران نے ان سے تفصیل سے بات کی تو پتہ چلا کہ ونسٹن اطالیہ میں ایک بڑی فوڈ چین کا مالک ہے۔ اس لئے پچاس لاکھ ڈالرز ان کے لئے کوئی بڑی رقم نہیں ہے اور وہ یہ رقم ادا کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن تاوان مانگنے والے ان سے براہ راست بات نہیں کر رہے۔ بہرحال عمران نے ایک بار پھر صدیقی سے کالا شیر کے علاقے میں کی جانے والی بات چیت کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور پھر وہ آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں ڈسکس کرنے لگے۔

کمرہ آفس کے انداز میں سجایا گیا تھا اور اس آفس میں ایک لمبے قد اور چوڑے جسم کا آدمی بڑی بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اس آدمی کا چہرہ اس کے جسم کی مناسبت سے چوڑا اور خاصا بارعب سا تھا۔ اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی تو ٹہلنے والا تیزی سے آگے بڑھا اور ریوالونگ کرسی پر بیٹھ کر اس نے رسیور اٹھا لیا۔

''ہاں۔ کیا ہے''...... رسیور کان سے لگاتے ہوئے اس آدمی نے جھٹکے دار لہجے میں کہا۔

''کالا شیر سے بات کریں''...... دوسری طرف سے مؤدبانہ لہجے میں کہا گیا۔

''ہاں کراؤ''...... اس آدمی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''کالا شیر بول رہا ہوں سردار اعظم''...... اس بار دوسری طرف سے جھٹکے دار لہجے میں کہا گیا۔

''تم نے ابھی تک اس اطالوی جوڑے سے رقم کی وصولی کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی۔ کیوں''...... سردار اعظم نے سخت لہجے میں کہا۔

''مجھے اب تک جو رپورٹ ملی ہے اس کے مطابق یہ اطالوی جوڑا اپنے سفارت خانے میں موجود ہے اور ہمارے خلاف حکومتی اعلیٰ ترین سطح پر کارروائی کرائی جا رہی ہے۔ اس لئے اب تک ان سے رابطہ نہیں ہو سکا جیسے ہی وہ اپنے رہائشی فلیٹ پر پہنچیں گے تو ندیم اور اعظم ان سے ملیں گے اور پھر معاملات ہماری مرضی سے آگے بڑھنا شروع ہو جائیں گے''...... کالا شیر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''اگر تم کوئی خطرہ محسوس کر رہے ہو تو اس مغوی بچے کو ہلاک کر کے کہیں دور اس کی لاش پھینک دو''...... سردار اعظم نے کہا۔

''جب خطرہ محسوس ہوا تب تو ایسا ہی ہو گا لیکن ابھی تک کوئی خطرہ سامنے نہیں آیا''...... کالا شیر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''تم نے بچے کو کہاں رکھا ہوا ہے''...... سردار اعظم نے پوچھا۔

''میں نے اسے سانگا شیر کے پاس بھجوا دیا ہے کیونکہ وہاں وہ ہر طرح سے محفوظ رہے گا''...... کالا شیر نے جواب دیا۔

''سانگا شیر خود اس پر توجہ دے رہا ہے یا اس نے اسے آگے کسی کے ذمے لگا دیا ہے کیونکہ اس بچے کی زبان یہاں کسی کو نہیں آتی۔ وہ کیا خوراک کھاتا ہے۔ اس کا ہمیں علم نہیں ہو سکتا''۔ سردار اعظم نے کہا۔

”میں نے بچہ دیتے ہوئے سانگا شیر سے اس بارے میں تفصیل سے بات کی تھی اور سانگا شیر نے وعدہ کیا تھا کہ وہ کوئی اطالوی نرس تلاش کر کے اس کے حوالے یہ بچہ کر دے گا“...... کالا شیر نے کہا۔

”اگر ایسا ہے تو پھر ٹھیک ہے لیکن جس قدر جلد یہ کام مکمل کر سکو، کر لو کیونکہ مجھے جو اطلاعات مل رہی ہیں ان کے مطابق حکومت کی اعلیٰ سطح حرکت میں لائی جا رہی ہے“...... سردار اعظم نے کہا۔

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا سردار اعظم۔ وہ نہ بچے تک پہنچ سکتے ہیں اور نہ ہی مجھ تک۔ ہمارا سیٹ اپ ہی ایسا ہے کہ وہ کسی صورت ہمیں کسی طرح کا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ آپ خود بتائیں اعظم اور ندیم اور ان کے ساتھ لڑکیوں پر کون شک کر سکتا ہے کہ یہ بھی اس کھیل میں ہمارے ساتھی ہیں اور ہمیں لمحہ لمحہ کی رپورٹ ملتی رہتی ہے“...... کالا شیر نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ اوکے۔ جیسے ہی معاملہ مکمل ہو مجھے اطلاع ضرور دینا تاکہ میں جی ایف جی کے انتظامی انچارج ماسٹر شوکت کو اطلاع دے سکوں اور وہ مین آفس کو رپورٹ کر سکیں“...... سردار اعظم نے کہا۔

”ایسا ہی ہو گا سردار اعظم“...... کالا شیر نے جواب دیا تو سردار اعظم کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات ابھر آئے۔ اس نے رسیور رکھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی تو سردار اعظم بے اختیار چونک

پڑا اور اس نے ہاتھ بڑھا کر رسیور دوبارہ اٹھا لیا۔

”ہاں۔ کیا ہوا ہے“...... سردار اعظم نے قدرے غصیلے لہجے میں اپنے فون سیکرٹری سے بات کرتے ہوئے کہا۔

”ندیم آپ سے بات کرنا چاہتا ہے“...... دوسری طرف سے مؤدبانہ لہجے میں کہا گیا۔

”کراؤ بات“...... سردار اعظم نے کہا۔

”ہیلو سردار اعظم۔ میں جی ایف جی کا ندیم بول رہا ہوں“۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ایک نوجوان کی آواز سنائی دی۔ لہجہ بے حد مؤدبانہ تھا۔

”ہاں بولو۔ کیا بات ہے۔ کیوں یہاں فون کیا ہے“...... سردار اعظم نے کہا۔

”سردار۔ میں اور اعظم ہم دونوں نے اطالوی جوڑے سے ملاقات کی ہے۔ ہم نے انہیں جی ایف جی جیسی بین الاقوامی این جی او کا تعارف کرا کر کہا کہ ہم ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے ہمارا شکریہ ادا کر کے کہا کہ ان کے بچے کی بخیریت واپسی کے لئے حکومتی کی اعلیٰ سطح پر کام ہو رہا ہے۔ اس لئے وہ ہماری اس معاملے میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہتے“...... ندیم نے کہا۔

”حکومتی اعلیٰ سطح پر کام ہو رہا ہے۔ کیا سنٹرل انٹیلی جنس یا ملٹری انٹیلی جنس کام کر رہی ہے“...... سردار اعظم نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”یہاں ایک حکومتی تنظیم ہے جس کا نام فور سٹارز ہے۔ یہ تنظیم سماجی برائیوں کے خلاف کام کرتی ہے اور یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ اس تنظیم کا ایک آدمی جس کا نام صدیقی ہے جو اس اطالوی جوڑے کا ہمسایہ ہے اطالوی جوڑے کا فلیٹ اور صدیقی کا فلیٹ ساتھ ساتھ ہے اور کالا شیر نے اس اطالوی جوڑے کی بجائے اس صدیقی کو کال کر کے کہا کہ وہ اطالوی جوڑے کو کہہ دے کہ ان کے بچے کو اغوا کر لیا گیا ہے اور اگر وہ بچے کی زندگی چاہتے ہیں تو ابتدائی طور پر پچاس لاکھ ڈالرز ادا کریں۔ اس کے بعد دوسری اور آخری قسط وصول کر کے بچے کو آزاد کر دیا جائے گا۔ اس صدیقی نے یہ کام تو کر دیا لیکن ساتھ ہی اس نے اپنے ساتھیوں کو کال کر لیا۔ میں اور اعظم اپنی دوستوں کے ساتھ اطالوی جوڑے سے ملنے اور انہیں اپنی ہمدردی جتلانے گئے تو اطالوی جوڑے کے ساتھ ساتھ اس صدیقی سے بھی ملاقات ہوگئی۔ وہ مجھے بے حد ہوشیار اور خطرناک آدمی لگا ہے“...... ندیم نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

”تم سے پہلے تمہارے ساتھی اعظم نے فون کیا تھا۔ اس کی بات سن کر میں نے کالا شیر سے بات کی جس کے پاس وہ اطالوی بچہ ہے۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ بچہ محفوظ ہاتھوں میں ہے لیکن اطالوی جوڑا رقم دینے کی بجائے سفارت خانے سے رابطہ رکھے ہوئے ہے“...... سردار اعظم نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے سردار کہ اس معاملے میں ہماری گرفت مضبوط نہیں ہے ورنہ بچے کے اغوا کے بعد ایسا ردعمل سامنے نہیں آتا“...... ندیم نے کہا تو سردار اعظم بے اختیار چونک پڑا۔

”یہ کیا کہہ رہے ہو“...... سردار اعظم نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”سردار۔ آپ خود سوچیں۔ بچہ ہم نے اغوا کر لیا لیکن ماں باپ کو اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے دراصل شیر کو شکار کرنے کے لئے چارہ ڈالا ہے“۔ ندیم نے کہا۔

”آئندہ ایسے الفاظ منہ سے نہ نکالنا۔ ہم شیر ہیں لیکن شکاری ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور چاہے کوئی بھی سامنے آ جائے وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور تم اور اعظم دونوں وہی کام کرو جو تمہارے ذمے لگایا ہوا ہے۔ تم ادھر ادھر مت جھانکو“...... سردار اعظم نے انتہائی غصیلے لہجے میں کہا اور ساتھ ہی رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

فور سٹارز کے ہیڈکوارٹر میں صدیقی نے باقاعدہ میٹنگ کال کی ہوئی تھی تاکہ آئندہ کا لائحہ عمل طے کیا جا سکے۔ اس وقت وہ اپنے ساتھیوں سمیت ہیڈکوارٹر کے بڑے ہال میں موجود تھا اور اطالوی بچے کے اغوا اور اس کے بعد سامنے آنے والے واقعات پر ڈسکشن ہو رہی تھی۔

‘‘مجھے تو یہ جی ایف جی اور اس کے تحت کام کرنے والے دونوں جوان لڑکے اور لڑکیاں مشکوک دکھائی دے رہے ہیں’’۔ اچانک خاور نے کہا تو سب چونک پڑے کیونکہ اطالوی جوڑے کے رہائشی فلیٹ میں دونوں نوجوان لڑکوں ندیم اور اعظم اور ان کی دوست لڑکیوں فرخ اور شہلا سے ان کی ملاقات ہو چکی تھی۔ وہ دونوں لڑکے جرنلسٹ تھے جبکہ وہ ایک بین الاقوامی این جی او کے تحت کام کرتے تھے اور بقول ان کے ان کی تنظیم اغوا برائے تاوان کی وارداتوں میں جن کا بچہ اغوا کیا گیا ہے، نہ صرف ہمدردی رکھتی

تھی بلکہ تاوان کی ادائیگی کے سلسلے میں ان کی باقاعدہ مدد کرتی تھی اور سب جانتے تھے کہ ایسی بے شمار این جی اوز پاکیشیا میں کام کر رہی ہیں اس لئے جی ایف جی جیسی این جی او ان کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے اسے زیادہ اہمیت نہ دی تھی لیکن اب خاور کی بات سن کر انہیں بھی ان کی مشکوک حرکتیں یاد آ رہی تھیں۔

‘‘خاور درست کہہ رہا ہے۔ اس وقت اصل پرابلم بچے کے اغوا کا تھا اور ہم سب کا مکمل دھیان اس اغوا کی طرف ہی تھا اس لئے ان کی بات چیت پر زیادہ غور نہیں کیا تھا اور نہ ہی اسے اہمیت دی گئی تھی لیکن اب مجھے یاد آ رہا ہے کہ ایک لڑکا غالباً اس کا نام ندیم تھا اپنی دوست لڑکی کو کہہ رہا تھا کہ سردار اعظم کے نوٹس میں لانا پڑے گا کہ حکومتی سطح پر بچے کے خلاف کام ہو رہا ہے’’۔ نعمانی نے کہا۔

‘‘یہ دونوں اب کہاں ہو سکتے ہیں۔ ان سے تفصیلی پوچھ گچھ کی جا سکتی ہے’’...... صدیقی نے کہا۔

‘‘میرے پاس ان کا کارڈ ہے اور اس پر ان کا فون نمبر بھی درج ہے’’...... چوہان نے کہا اور کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک کارڈ ہولڈر نکالا۔ اس میں بہت سے کارڈز سنبھال کر رکھے گئے تھے۔ ان میں سے ایک کارڈ نکال کر چوہان نے صدیقی کی طرف بڑھا دیا۔ صدیقی نے ایک نظر کارڈ کو دیکھا۔ اس کارڈ پر اعظم کا پورا

نام درج تھا اور اس کا فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ صدیقی نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھایا اور کارڈ پر موجود فون نمبر اس نے پریس کرنے شروع کر دیئے۔ آخر میں اس نے لاؤڈر کا بٹن بھی پریس کر دیا تو دوسری طرف بجنے والی گھنٹی کی آواز سنائی دی پھر رابطہ ہو گیا۔

''اعظم بول رہا ہوں''...... رابطہ ہوتے ہی دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔

''میں صدیقی بول رہا ہوں۔ ہم آپ سے اور آپ کے ساتھی ندیم سے ملاقات چاہتے ہیں تاکہ آپ کے تعاون سے اس بچے کے اغوا کے سلسلے میں بہتر انداز میں کام کرنا ممکن ہو سکے''۔ صدیقی نے کہا۔

''یس سر۔ آپ جہاں کہیں ہم حاضر ہو جائیں گے''...... اعظم نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''آپ دونوں اکیلے آئیں گے یا آپ کے فرینڈز بھی ساتھ ہوں گی''...... صدیقی نے کہا۔

''وہ ساتھ ہی رہتی ہیں۔ ان کے مشورے بے حد کارآمد ہوتے ہیں''...... اعظم نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''میں ایک رہائشی کالونی کا پتہ بتا رہا ہوں۔ یہ فور سٹارز کا ہیڈکوارٹر ہے۔ آپ یہاں پہنچ جائیں تاکہ اطمینان سے آپ سے تفصیلی بات ہو سکے''...... صدیقی نے کہا اور پھر فور سٹارز کے ہیڈکوارٹر کا پتہ اعظم کو بتا دیا۔

''ہم ایک گھنٹے کے اندر پہنچ رہے ہیں''...... دوسری طرف سے کہا گیا تو صدیقی نے اوکے کہہ کر رسیور رکھ دیا۔

''صدیقی۔ تم نے انہیں یہاں بلایا ہے۔ ویسے بہتر تھا کہ یہ ملاقات کسی ہوٹل میں ہوتی''...... چوہان نے کہا۔

''نہیں۔ ان پر تھوڑی سی سختی کرنا پڑے گی۔ پھر اصل بات سامنے آئے گی اور وہ یہاں تو ہو سکتی ہے باہر نہیں''...... صدیقی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب۔ کیا تم ان پر تشدد کرو گے۔ کیوں''...... اس بار نعمانی نے چونک کر حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''تشدد نہیں گفتگو''...... صدیقی نے کہا اور پھر تقریباً پون گھنٹے بعد کال بیل کی آواز سنائی دی تو صدیقی خود اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ ایک آدمی مستقل طور پر یہاں رہتا تھا لیکن آج وہ چھٹی پر تھا۔ اس لئے صدیقی خود پھاٹک کھولنے گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ دو لڑکے اور دو لڑکیاں اندر داخل ہوئیں۔ صدیقی کے ساتھیوں نے آنے والے لڑکوں سے مصافحہ کیا لیکن لڑکیوں کو صرف سر جھکا کر سلام کیا تو لڑکیوں کے چہروں پر انتہائی حیرت کے تاثرات ابھر آئے۔ شاید ان دونوں کے تصور میں بھی نہ تھا کہ مرد ان سے مصافحہ کرنے کی بجائے اس طرح سر جھکا کر سلام کریں گے۔ بہرحال وہ خالی کرسیوں پر بیٹھ گئیں تو نعمانی نے وہاں موجود ریفریجریٹر سے جوس کے ڈبے نکالے اور ان سب کے

سامنے رکھ کر وہ دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

’’یہ کیسا ہیڈکوارٹر ہے جناب کہ آپ خود سارے کام کر رہے ہیں۔ نہ کوئی گارڈ نہ کوئی ملازم‘‘...... اعظم نے حیرت بھرے لہجے میں کہا تو صدیقی اور اس کے ساتھی بے اختیار ہنس پڑے۔

’’آج ملازم چھٹی پر ہے۔ ان کی فیملی میں کوئی بیمار ہو گیا ہے تھا۔ باقی خود کام کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے‘‘...... صدیقی نے کہا تو لڑکوں نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔

’’یہ سردار اعظم صاحب کون ہیں‘‘...... جوس سپ کرتے ہوئے اچانک صدیقی نے پوچھا تو دونوں لڑکے اور لڑکیاں چونک پڑیں۔

’’آپ نے یہ نام کہاں اور کس انداز میں سنا ہے‘‘...... اعظم نے کہا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔

’’آپ کے ساتھی وہاں فلیٹ میں کہہ رہے تھے کہ اب سردار اعظم کے نوٹس میں یہ بات لانا پڑے گی کہ اغوا برائے تاوان کے سلسلے میں حکومتی سطح پر کام شروع ہو چکا ہے‘‘۔ صدیقی نے بھی بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

’’میں نے کہا تھا۔ نہیں۔ مجھے تو یاد نہیں ہے‘‘...... ندیم نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

’’اس فلیٹ میں ہونے والی تمام گفتگو ریکارڈ ہوتی رہتی ہے۔ آپ کہیں تو مکمل ٹیپ منگوا لیتے ہیں۔ ویسے یہ کوئی ایسی خاص بات ہے کہ آپ نے انکار کر دیا‘‘...... صدیقی نے کہا۔

’’ہو سکتا ہے میں نے ویسے ہی بات کی ہو۔ سردار اعظم بہت بڑی شخصیت ہیں اور سورج نگر میں انہوں نے جدید ترین کلب بنایا ہے جس کا نام بھی سورج کلب ہے۔ وہ اس کے مالک بھی ہیں اور جنرل مینجر بھی۔ اور ہماری این جی او ایف جی ایف کے یہاں پاکیشیا میں سپر چیف ہیں‘‘...... ندیم اب بولنے پر آیا تو اس نے تفصیل سے بات کر دی۔

’’پھر تو وہ قابل قدر شخصیت ہیں۔ ان سے مل کر ان کا شکریہ ادا کرنا چاہئے‘‘...... صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

’’میں ان سے آپ کے لئے وقت لے لوں گا کیونکہ وہ تنہائی پسند آدمی ہیں۔ ملنے ملانے سے گریز کرتے ہیں‘‘...... ندیم نے کہا تو صدیقی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

’’اصل بات جو ہم نے معلوم کرنی ہے وہ یہ ہے کہ اطالوی بچے کو کہاں رکھا گیا ہے تا کہ وہاں سے بچے کو برآمد کیا جائے‘‘۔ نعمانی نے کہا۔

’’ہم کیسے بتا سکتے ہیں۔ پہلے ملزمان تو ملیں‘‘...... اعظم نے چونک کر کہا۔

’’آپ پہلے بھی اغوا برائے تاوان پر کام کرتے رہے ہیں۔ کیا آپ انداز لگا سکتے ہیں‘‘...... صدیقی نے کہا۔

’’ہم نے جتنے کیسز پر کام کیا ہے ان میں ملزمان کا مطالبہ پورا کر دیا جاتا تھا۔ اس لئے مغوی صحیح سلامت واپس آ جاتے تھے اور

ان سے جب پوچھا جائے کہ وہ اتنے دن کن لوگوں کی تحویل میں رہے تو وہ صرف اتنا بتاتے تھے کہ وہ لوگ منہ پر نقاب پہن کر ہمارے سامنے آتے تھے''...... اعظم نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''پہلی بار جس آدمی نے مجھے فون کیا تھا اس نے اپنا نام کالا شیر بتایا تھا۔ کیا تم اس نام کے کسی آدمی کو جانتے ہو''...... صدیقی نے کہا۔

''کالا شیر نام کا مضافات میں علاقہ تو ہے البتہ نام کسی کا نہیں سنا''...... ندیم نے کہا۔

''وہاں کا ہم نے چکر لگایا ہے لیکن وہ بہت معمولی سے لوگ ہیں۔ عام انداز کے بدمعاش جیسا کہ گلی محلے میں منشیات فروخت کرنے والے بدمعاش ہوتے ہیں لیکن اس پیمانے کے نہیں ہیں کہ کسی بچے کے اغوا برائے تاوان جیسے بڑے جرم پر کام کریں اور وہ بھی غیر ملکی بچے کو''...... صدیقی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''اس کا ایک اور حل بھی ہے''...... اچانک خاموش بیٹھے خاور نے کہا تو سب چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''کیا''...... صدیقی نے پوچھا۔

''حکومت اطالیہ نے ادائیگی کرنی ہے اس لئے ملزمان جتنی رقم مانگتے ہیں وہ انہیں دے دی جائے اور بچے کو واپس لایا جائے تاکہ اس کی زندگی محفوظ ہو سکے۔ باقی کام بعد میں بھی ہوتا رہے گا۔ ویسے بھی اس وقت ملزمان بے حد ہوشیار اور محتاط ہوں گے۔ بعد

میں وہ ڈھیلے پڑ جائیں گے''...... خاور نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''یہ بہترین حل ہے جناب۔ واقعی اس طرح کام آسانی سے ہو جائے گا''...... ندیم نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

''رقم وہ اطالوی جوڑا خود بھی دے سکتا ہے۔ مسئلہ سفارت خانے کا ہے کہ ان کے خیال کے مطابق ملزمان کی ڈیمانڈ پوری کرنا جرائم کی حوصلہ افزائی کے مترادف ہے''...... صدیقی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''انہیں سمجھایا جا سکتا ہے کہ بچے کی زندگی کو ہر لمحہ خطرہ ہے''۔ اعظم نے کہا۔

''لیکن پہلے مکمل ڈیمانڈ کا تو پتہ چلے۔ مجھے جب انہوں نے فون کیا تھا تو ابتدائی طور پر پچاس لاکھ ڈالر کی ڈیمانڈ کی تھی۔ پھر سفارت خانے انہوں نے فون کر کے ابتدائی طور پر ایک کروڑ ڈالرز کی رقم مانگی ۔ نجانے اب تک وہ مزید کتنا بڑھ چکے ہوں گے''۔ صدیقی نے کہا۔

''سفارت خانے جا کر ان سے بات کی جا سکتی ہے''...... نعمانی نے کہا۔

''ان کا کہنا ہے کہ وہ ایک ڈالر بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہیں کیونکہ ایسا کرنا ان کے ملک کے قانون کے مطابق جرم کی حوصلہ افزائی کرنا ہے جو اطالیہ میں بدترین جرم ہے''...... صدیقی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہ ڈائریکٹ اطالوی جوڑنے سے بات کی جائے''۔ نعمانی نے کہا۔

''ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔ میرے پاس ان کے سیل فون کا نمبر ہے۔ میں معلوم کرتا ہوں''...... صدیقی نے کہا اور پھر جیب سے اس نے کارڈ ہولڈر نکال کر اس میں موجود کافی تعداد میں کارڈ باہر نکال کر ان میں سے ایک کارڈ نکال کر باقی کارڈز واپس ہولڈر میں رکھے اور پھر اس ہولڈر کو جیب میں ڈال لیا۔ پھر اس نے فون کا رسیور اٹھایا اور کارڈ کو دیکھ کر اس نے نمبر پریس کرنے شروع کر دیئے۔ آخر میں اس نے لاؤڈر کا بٹن بھی پریس کر دیا تو دوسری طرف سے گھنٹی بجنے کی آواز پورے کمرے میں سنائی دینے لگی۔

''ونسٹن بول رہا ہوں''...... دوسری طرف سے گریٹ لینڈ کی زبان میں کہا گیا۔

''صدیقی بول رہا ہوں۔ آپ کے رہائشی فلیٹ کا ہمسایہ''۔ صدیقی نے کہا۔

''اوہ اچھا۔ فرمایئے''...... دوسری طرف سے کہا گیا۔

''آپ کے بچے کی صحیح سلامت واپسی کے لئے ہمارا پورا گروپ کام کر رہا ہے''...... صدیقی نے کہا۔

''آپ نے پہلے بھی بتایا تھا۔ میں آپ کا اور آپ کی حکومت کا شکر گزار ہوں''...... ونسٹن نے کہا۔

''ہم نے بچے کی صحیح سلامت واپسی کا ایک پلان بنایا ہے کہ

ملزموں کی ڈیمانڈ پوری کر کے بچے کو واپس لایا جائے تاکہ وہ محفوظ ہو جائے۔ اس کے بعد ملزمان کو گرفتار کر کے ان سے رقم واپس نکلوائی جائے''...... صدیقی نے کہا۔

''اچھا پلان ہے لیکن ہمارا سفارت خانہ کبھی ایسا نہیں کرے گا کیونکہ جرم سے زیادہ جرم کی حوصلہ افزائی کرنا اطالیہ میں بڑا جرم ہے''...... ونسٹن نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''تو آپ اپنی طرف سے ادائیگی کر دیں۔ کتنا تاوان مانگا گیا ہے اب تک''...... صدیقی نے کہا۔

''ایک گھنٹہ پہلے ان کی کال آئی تھی۔ کوئی کالا شیر بول رہا تھا بلکہ دھاڑ رہا تھا۔ دو کروڑ ڈالرز اور وہ بھی کیش۔ ہم دو کروڑ ڈالرز تو اکٹھے کر لیں لیکن اس میں ایک دو ماہ لگ سکتے ہیں۔ کاروبار سے اتنی بڑی رقم نقد نکالنا ناممکن ہے''۔ ونسٹن نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو اس میں یہاں ایک این جی او ہے جس کا نام گارنٹی فار گڈ ہے اور عام طور پر اسے جی ایف جی کہا جاتا ہے۔ وہ جس قدر رقم شامل کرنا چاہے کر دے۔ میرے پاس ان کے نمائندے موجود ہیں''...... صدیقی نے کہا۔

''انہوں نے مجھ سے بھی کہا تھا لیکن میں نے معذرت کر لی کیونکہ یا تو اس شرط پر وہ لوگ حصہ ڈالیں کہ وہ رقم مجھ پر قرض ہو گی اور میں اسے واپس کر دوں گا لیکن وہ اس پر نہ مانے تو میں

خاموش ہو گیا“...... ونسٹن نے کہا۔

”آپ کتنا کیش فوری طور پر مہیا کر سکتے ہیں“...... صدیقی نے پوچھا۔

”ایک کروڑ ڈالرز“...... ونسٹن نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے بقیہ ایک کروڑ ڈالرز کا ہم اپنے طور پر بندوبست کرتے ہیں“...... صدیقی نے کہا۔

”لیکن آپ کو دو ماہ بعد یہ رقم مجھ سے واپس لینی ہو گی“۔ ونسٹن نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”اوکے۔ آپ رقم کب تک منگوا لیں گے تاکہ ہم ملزمان کو رقم کی ادائیگی کا گرین سگنل دے دیں“...... صدیقی نے کہا۔

”میں آج فون پر سارا بندوبست کر لوں گا اور بینک کے ذریعے کل یہ رقم مجھ تک پہنچ جائے گی“...... ونسٹن نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”اوکے۔ ہم بھی بندوبست کرتے ہیں۔ اب کل چار بجے دوبارہ بات ہو گی اور اگر اس دوران اغوا کنندگان کا فون آئے تو آپ نے انہیں گرین سگنل دے دینا ہے البتہ ایک دو روز کی مہلت ضرور طلب کرنی ہے“...... صدیقی نے ونسٹن کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

”اوکے“...... ونسٹن نے کہا تو صدیقی نے رسیور رکھ دیا۔

”اب ہم نے ایک کروڑ ڈالرز اکٹھے کرنے ہیں“۔ صدیقی نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

”آپ کا ساتھ دینے کی ضرورت پڑی تو ہم بھی کوشش کریں گے لیکن یہ رقم بہت بڑی ہے۔ ہماری تنظیم کی مالی پوزیشن اتنی نہیں ہے“...... اعظم نے کہا۔

”آپ معلوم تو کریں کہ آپ کی تنظیم اس معاملے میں کتنی رقم دے سکتی ہے تاکہ اسی حساب سے آگے بڑھا جائے“...... صدیقی نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ ہم آپ کو فون پر اطلاع کر دیں گے“...... اعظم نے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا تو اعظم کی ساتھی لڑکی اور ندیم اور اس کی ساتھی لڑکی سب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

”آیئے میں آپ کو پارکنگ تک چھوڑ آؤں“...... صدیقی نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔ اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم آپ کے ساتھی ہیں لیکن آپ سینیئر ہیں اور ہم جونیئر“...... اعظم نے مسکراتے ہوئے کہا تو ندیم، دونوں لڑکیاں اور صدیقی کے ساتھی سب مسکرا دیئے چونکہ ملازم اس دوران نہ صرف آ چکا تھا بلکہ وہ کمرے کے دروازے سے اندر جھانک بھی گیا تھا۔ اس لئے صدیقی کو معلوم تھا کہ وہ انہیں اچھے طریقے سے سی آف کر دے گا اس لئے وہ دوبارہ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد صدیقی کو پھاٹک بند ہونے کی مخصوص آواز سنائی دی تو وہ سمجھ گیا کہ اعظم، ندیم اور ان کی ساتھی لڑکیاں واپس چلے گئے ہیں۔

”ان لڑکوں اور لڑکیوں کا اصل کردار کیا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی“...... صدیقی نے کہا تو سب چونک پڑے۔

”کیوں۔ وجہ“...... چوہان نے کہا۔

”یہ ایک این جی او کے لئے کام کرتے ہیں تو لازماً اس کام کا معاوضہ تو نہ لیتے ہوں گے۔ اس کے باوجود یہ بے حد خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں“...... صدیقی نے کہا۔

”ہوسکتا ہے کہ ان کی ایسی جائیدادیں ہوں جہاں سے بھاری کرایہ آتا ہو یا شیئر کا بزنس کرتے ہوں۔ سینکڑوں ایسے بزنس ہیں جن سے بھاری منافع بھی باقاعدگی سے مل جاتا ہے اور آدمی فارغ بھی رہتا ہے۔ بہرحال یہ باتیں تو بعد میں ہوں گی۔ تم یہ بتاؤ کہ تم نے اتنی رقم کی ادائیگی کا شوشہ کیوں چھوڑا ہے۔ ایسے مجرم بے حد چالاک ہوتے ہیں۔ رقم بھی وصول کر لیتے ہیں اور مغوی کو بھی ہلاک کر دیتے ہیں“...... چوہان نے کہا۔

”ایسا بھی ہوتا ہے لیکن بہت کم۔ صرف اس صورت میں جب مغوی اغوا کرنے والوں کو پہچان سکے۔ یہ اطالوی بچہ عمر میں بھی بے حد چھوٹا ہے اور پہلی بار پاکیشیا آیا ہے اس لئے پہچاننے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور میں دراصل اس کی زندگی بچانا چاہتا ہوں کیونکہ جو کال مجھے آئی تھی وہ آدمی انتہائی گھٹیا ٹائپ کا بدمعاش لگتا تھا۔ ایسے لوگ ان معاملات میں بے حد خطرناک ہوتے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ پہلے مغوی کو واپس لایا جائے۔ پھر انہیں

پکڑنے اور ان سے رقم نکلوانے کا کام اطمینان سے ہوتا رہے گا“۔ صدیقی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”لیکن ہم ایک کروڑ ڈالر کہاں سے اکٹھا کریں گے“۔ چوہان نے کہا۔

”پہلے جی ایف جی کو دیکھ لیں کہ وہ کیا کرتی ہے اور کتنا کرتی ہے یا کرتی بھی ہے یا نہیں۔ اس طرح اس کی اصلیت بھی سامنے آ جائے گی۔ پھر باقی معاملے پر سوچیں گے“...... صدیقی نے کہا۔

”عمران صاحب سے مشورہ کر لو۔ یہ تم بہت بڑا رسک لے رہے ہو اور اس میں پاکیشیا کی بھی بدنامی ہو گی کہ تاوان دے کر اطالوی مغوی کو رہا کرایا گیا ہے۔ حکومت کی مشینری فیل ہو چکی ہے“۔ خاور نے کہا۔

”عمران صاحب کے پاس یہی کیس ہے۔ سر سلطان نے انہیں دیا ہے۔ وہ لازماً اس سلسلے میں کام کر رہے ہوں گے لیکن ان کی عادت سولو فلائٹ کی ہے۔ وہ اکیلے کام کرتے ہیں البتہ آخری سین میں سب کو اکٹھا کر لیتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے اپنے لئے ٹیسٹ کیس بنا دوں اور عمران صاحب سے پہلے فور سٹارز کامیابی حاصل کر لے“...... صدیقی نے کہا تو سب بے اختیار مسکرا دیئے۔ اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی تو صدیقی نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔

”صدیقی بول رہا ہوں“...... صدیقی نے اپنے مخصوص انداز میں

کہا۔

''اعظم بول رہا ہوں جی ایف جی سے''...... دوسری طرف سے اعظم کی آواز سنائی دی۔

''آپ کی بات ہو گئی ہے اپنے چیف سے''...... صدیقی نے کہا۔

''ہاں۔ میں نے فون پر ان سے بات کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ تنظیم اس معاملے پر غور کر رہی ہے البتہ ہم زیادہ سے زیادہ دس لاکھ ڈالرز دے سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں کیونکہ بقول ان کے ان دنوں سالانہ بجٹ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ پچھلے سال تاوان کے لئے رکھے گئے بجٹ سے زائد اب تک خرچ ہو چکا ہے''...... اعظم نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ ان کا شکریہ ادا کر دیں۔ ان کا کہہ دینا ہی کافی ہے۔ باقی کام ہم کر لیں گے''...... صدیقی نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

''دس لاکھ ڈالرز بھی بڑی رقم ہے''...... چوہان نے کہا۔

''ہاں۔ لیکن ایک کروڑ ڈالرز کے مقابلے میں دس لاکھ ڈالرز کوئی اہمیت نہیں رکھتے''...... صدیقی نے کہا۔ اسی لمحے فون کی گھنٹی پھر بج اٹھی تو صدیقی نے ایک بار رسیور اٹھا لیا۔

''صدیقی بول رہا ہوں''...... صدیقی نے کہا۔

''میں ندیم بول رہا ہوں صدیقی صاحب''...... دوسری طرف

سے ندیم کی آواز سنائی دی۔

''فرمایئے۔ کیوں فون کیا ہے''...... صدیقی نے کہا۔

''اعظم کی ابھی آپ سے بات ہوئی ہے۔ میں نے سردار اعظم سے بات کی ہے اور انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ وہ دس لاکھ ڈالرز کی بجائے پچاس لاکھ ڈالرز تاوان کے لئے ادا کر دیں کیونکہ مجھے لگ رہا تھا کہ آپ ایک کروڑ ڈالرز اکٹھا نہ کر سکیں گے لیکن یہ رقم اکٹھی کرنے میں دو تین روز لگ جائیں گے''...... ندیم نے کہا۔

''آپ نے تو کمال کر دیا۔ پچاس لاکھ ڈالرز خاصی بڑی رقم ہے''...... صدیقی نے حیرت بھرے لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

''اس بچے کو زندہ سلامت واپس آنا چاہئے ورنہ ہمارے ملک کی بہت بدنامی ہو گی۔ اس لئے میں نے ان پر دباؤ ڈالا تو وہ مان گئے البتہ انہوں نے کہا ہے کہ تاوان کی رقم انہیں پہنچا دی جائے۔ وہ خود تاوان دے کر اس بچے کو حاصل کر کے اس کے ماں باپ تک پہنچا دیں گے۔ اس طرح ان کے خیال کے مطابق جی ایف جی کا نام اونچا ہو جائے گا''...... ندیم نے کہا۔

''کیا انہیں معلوم ہے کہ بچہ کس کے پاس ہے اور کیا ان کا رابطہ اس سے ہے''...... صدیقی نے چونک کر کہا۔

''آپ نے بتایا تھا کہ آپ کو کالے شیر نے کال کیا تھا۔ میں

نے یہ بات انہیں بتائی تو وہ چونک پڑے۔ میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ گزشتہ سال اغوا برائے تاوان کے ایک کیس میں ایک آدمی ان کے پاس آیا تھا اور اس نے اپنا تعارف کالا شیر کے نام سے کرایا تھا۔ وہ سردار اعظم کا شکریہ ادا کرنے آیا تھا کہ انہوں نے کالا شیر کو اس کے دشمن سے بچا لیا ہے کیونکہ کالا شیر کو پولیس نے کسی اور کیس میں گرفتار کر لیا اور وہ جیل چلا گیا۔ ادھر مغوی کو بھی فوری رہا کرانا تھا۔ اس لئے سردار اعظم نے پولیس کو کہہ کر اسے جیل سے رہائی دلائی۔ بعد میں پتہ چلا کہ کالا شیر کے دشمنوں نے اسے ہلاک کرنے کے لئے رات اس حوالات کو جہاں کالا شیر بند تھا، بم مار کر اڑا دیا لیکن کالا شیر، سردار اعظم کی وجہ سے خاموشی سے باہر آ چکا تھا۔ اب وہ کالا شیر کو بلا کر پہلے اس سے مغوی بچے کو وصول کریں گے۔ پھر اسے تاوان کی رقم دی جائے گی“...... ندیم نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن اگر رقم اصل ہاتھوں میں پہنچنے کی بجائے کہیں اور پہنچ گئی تو اتنی بڑی رقم سالوں اکٹھی نہ ہو سکے گی“...... صدیقی نے کہا۔

”اس کی ہم گارنٹی دیتے ہیں۔ آپ قطعی بے فکر رہیں۔ ہم سب پوری ذمہ داری سے کام کرتے ہیں“...... ندیم نے کہا۔

”اوکے۔ دو روز بعد آپ مجھ سے رابطہ کریں گے“...... صدیقی نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

”کیا بات ہے۔ تمہارے چہرے پر تردد کے تاثرات ابھر آئے ہیں“...... نعمانی نے کہا۔

”مجھے نجانے کیوں ان دونوں لڑکوں کی طرف سے اطمینان نہیں ہو رہا۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ ہمیں بیوقوف بنا رہے ہیں“۔ صدیقی نے کہا۔

”پچاس لاکھ ڈالرز جو عطیہ دیں وہ غلط لوگ نہیں ہو سکتے“۔ نعمانی نے کہا۔

”میرا بھی صدیقی جیسا خیال ہے۔ ہمیں اس سردار اعظم سے خود ملنا چاہئے“...... چوہان نے کہا۔

”رقم اکٹھی ہو جائے۔ پھر جا کر دیں گے تو مل بھی لیں گے“...... صدیقی نے کہا اور سب نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔

عمران اپنے فلیٹ میں بیٹھا ایک کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا کہ پاس پڑے فون کی گھنٹی بج اٹھی لیکن عمران نے اسے یوں نظر انداز کر دیا جیسے اس کو کوئی آواز ہی نہ سنائی دی ہو۔ پھر جب گھنٹی مسلسل بجتی رہی تو عمران نے ایک طویل سانس لے کر کتاب بند کر کے اسے سامنے موجود میز پر رکھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔

‘‘علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) بول رہا ہوں’’...... عمران نے اپنے مخصوص انداز میں اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

‘‘سر سلطان سے بات کریں جناب’’...... دوسری طرف سے سر سلطان کے پی اے کی مخصوص آواز سنائی دی۔

‘‘کراؤ بات’’...... عمران نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

‘‘ہیلو۔ سلطان بول رہا ہوں’’...... چند لمحوں بعد سر سلطان کی

آواز سنائی دی۔

‘‘بغیر سر کے آپ کیسے بول رہے ہیں۔ یہ تو ناممکن ہے’’۔ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

‘‘تم نے ابھی تک اطالوی بچے کو بحفاظت واپس لانے کے لئے کیا کیا ہے۔ اطالوی سفارت خانے نے اس بات پر بھی افسوس ظاہر کیا ہے کہ ابھی تک اس معاملے میں کوئی پیش رفت بھی نہیں ہوئی جبکہ بچے کے والد کو کہا جا رہا ہے کہ وہ تاوان دے دیں تاکہ تاوان ادا کر کے بچے کو رہائی دلائی جائے۔ یہ بات ہمارے لئے انتہائی شرمندگی کا باعث بن رہی ہے اور اس کا چرچہ اقوام متحدہ کی سپیشل کمیٹی کے اجلاس میں تیزی سے پھیل رہا ہے’’...... سر سلطان نے قدرے غصیلے لہجے میں کہا۔

‘‘یہ کس نے کہا ہے کہ زرتاوان دو تو بچے کو رہا کرائیں گے’’...... عمران نے چونک کر پوچھا۔

‘‘فور سٹارز کے صدیقی نے فون کر کے اطالوی بچے کے والد کو کہا ہے اور اس پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ دو کروڑ ڈالرز مہیا کرے لیکن اس نے جب بتایا کہ وہ اس قدر بڑی رقم کیش نہیں دے سکتا تو اسے کہا گیا کہ ہم کسی سے ادھار لیتے ہیں تم ایک دو ماہ میں واپس کر دینا اور ساتھ ہی کوئی بین لاقوامی این جی او ہے جس کا نام یہ گارنٹی فارگڈ اور جسے جی ایف جی کہا جاتا ہے وہ بھی ان لوگوں کی مدد کرتی ہے جن کے پاس زرتاوان کم ہوتا ہے۔ باقی زرتاوان وہ

این جی او ادا کر دیتی ہے۔ صدیقی نے کسی رابطے کے تحت اس این جی او سے بات کی تو پہلے انہوں نے دس لاکھ ڈالرز اور پھر ان کے زیادہ دباؤ ڈالنے پر پچاس لاکھ دالرز دینے کا وعدہ کر لیا۔ لیکن انہیں بھی دو تین روز رقم منگوانے میں لگ جائیں گے''...... سر سلطان نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

''گو فورسٹارز نے غلطی کی ہے لیکن ان کے خیال کے مطابق زرتاوان دے کر بچے کو صحیح سلامت واپس لایا جائے اور اس کے بعد ملزمان کو پکڑا جائے۔ ان سے زرتاوان بھی واپس لیا جائے اور انہیں انصاف کے کٹہرے میں بھی کھڑا کیا جا سکے لیکن انہیں یہ خیال نہیں رہا کہ یہ صرف مقامی معاملہ نہیں ہے بلکہ بین الاقوامی سطح پر ڈسکس ہوگا۔ آپ بے فکر رہیں اور اطالوی سفارت خانے کو تسلی دیں۔ اب میں خود اس کیس پر کام کروں گا''...... عمران نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ اب مجھے اطمینان ہوا ہے۔ اللہ حافظ''...... سر سلطان نے مسرت بھرے لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا تو عمران نے کریڈل دبایا اور پھر ٹون آنے پر اس نے تیزی سے نمبر پریس کرنے شروع کر دیئے۔

''ٹائیگر بول رہا ہوں باس''...... رابطہ ہوتے ہی دوسری طرف سے ٹائیگر کی آواز سنائی دی۔ لہجہ مؤدبانہ تھا۔

''تم نے اس کالا شیر کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں دی جبکہ یہ انتہائی ایمر جنسی معاملہ ہے''...... عمران نے جان بوجھ کر لہجے کو

سخت کرتے ہوئے کہا۔

''باس۔ آپ کے حکم کے بعد میں مسلسل کوشش کر رہا ہوں۔ کالا شیر ایک علاقے کا نام ہے۔ وہاں کالو، کالا، کالے کا ہوٹل وغیرہ نام تو ہیں۔ ایک چائے خانے کا نام کالا شیر ہوٹل ہے لیکن وہاں ایسا کوئی آدمی نہیں ہے جس کا نام کالا شیر ہو۔ بہرحال میں نے اپنی کوششیں جاری رکھی ہیں اور ابھی ایک اطلاع مجھے ملی ہے۔ اس علاقے سے ملحقہ ایک علاقہ ہے جہاں مختصر آبادی ہے۔ یہاں ایک آدمی سانگا شیر نام کا موجود ہے۔ اس نے وہاں دس بارہ دکانیں بنائی ہوئی ہیں۔ عقبی طرف کمروں میں جوا کھیلا جاتا ہے اور وہاں ہر وہ کام ہوتا ہے جو قانون کی نظر میں جرم ہے۔ شراب اور منشیات وہاں عام فروخت ہوتی ہے لیکن قانون نافذ کرنے والے اداروں میں سے کوئی بھی وہاں جا کر چیکنگ نہیں کرتا۔ مجھے ایک سرسری سی اطلاع ملی تھی کہ اس سانگا شیر کا خاص آدمی ہے کالو۔ سانگا شیر تو صرف رعب ڈالتا ہے جبکہ اصل بدمعاش یہ کالو ہے جو بے حد مشتعل مزاج واقع ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اطالوی بچہ اس سانگا شیر یا کالو کے پاس ہو۔ بہرحال ابھی تصدیق باقی ہے''...... ٹائیگر نے تفصیل سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''تم اس وقت کہاں ہو''...... عمران نے پوچھا۔

''میں کاؤنٹ روڈ پر ایک کیفے کاؤنٹ میں ہوں۔ وہاں ایک آدمی سے ملاقات کرنی ہے۔ اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھے کالا

شیر کے بارے میں بتائے گا۔ میں تو یہاں پہنچ گیا ہوں لیکن وہ آدمی ابھی تک نہیں آیا''...... ٹائیگر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''کیا نام ہے اس آدمی کا اور اسے اصل بات کا علم کیسے ہو گیا ہے''...... عمران نے کہا۔

''وہ سانگا شیر کے پاس دو سال تک ملازمت کر چکا ہے۔ اب وہ سانگا شیر کے لئے خصوصی شراب تیار کرا کر اسے سپلائی کرتا ہے۔ اس کا نام رابرٹ ہے''...... ٹائیگر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''تم وہیں رہو۔ اس آدمی سے ملاقات کر کے اصل حقائق کا پتہ چلاؤ۔ ہم نے آج رات تک ہر صورت میں اس اطالوی بچے کو برآمد کرنا ہے چاہے اسے کسی پہاڑ کی چوٹی پر کیوں نہ پہنچا دیا گیا ہو۔ مجھے سیل فون پر اطلاع دینا''۔ عمران نے کہا۔

''یس باس''......ٹائیگر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا تو عمران نے رسیور رکھ دیا اور پھر اٹھ کر وہ ایک الماری کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے اپنا سیل فون بند کر کے اس الماری میں رکھا ہوا تھا البتہ جب وہ فلیٹ سے باہر جاتا تھا تو وہ اسے اٹھا لیتا تھا۔ الماری سے سیل فون اٹھا کر وہ پلٹا اور ایک بار پھر کرسی پر بیٹھ کر اس نے سیل فون کو آن کر دیا۔ کچھ دیر بعد جب وہ مکمل طور پر آن ہو گیا تو اس نے صدیقی کے نمبر پریس کرنے شروع کر دیئے۔

''یس عمران صاحب۔ صدیقی بول رہا ہوں''...... چند لمحوں بعد صدیقی کی آواز سنائی دی۔ چونکہ فون کرنے والے کا نام و نمبر

سکرین پر ڈسپلے ہو جاتا ہے اس لئے جیسے ہی رابطہ ہوا صدیقی کو سکرین پر عمران کا نام اور نمبر نظر آ گیا تھا۔

''تم فور سٹارز نے اطالوی اغوا شدہ بچے کی برآمدگی کے سلسلے میں کوئی ٹھوس کام تو نہیں کیا لیکن تمہاری وجہ سے ملک کی بے حد بدنامی ہو رہی ہے''...... عمران نے دانستہ لہجے کو سخت بناتے ہوئے کہا۔

''عمران صاحب۔ فور سٹارز کے ہیڈکوارٹر میں ہم سب موجود ہیں۔ فون پر طویل گفتگو نہیں ہو سکتی۔ اس لئے آپ یہاں ہیڈکوارٹر آ جائیں پھر تفصیل سے بات ہو گی''...... صدیقی کا لہجہ بھی بے حد سپاٹ تھا۔

''ٹھیک ہے۔ میں آ رہا ہوں لیکن وہ جو تمہارا ملازم ہے کیا نام ہے اس کا ہاشم۔ ہاں ہاشم۔ وہ تو مجھے اندر جانے کی اجازت نہیں دے گا۔ اس کا کہنا ہے کہ میں لٹل سٹار ہوں''...... عمران نے کہا۔

''ہاشم کی جگہ میں خود آپ کا استقبال کروں گا''...... صدیقی نے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا تو عمران نے سیل فون آف کر دیا۔ اسے پوری طرح احساس تھا کہ اس کے ریمارکس پر صدیقی غصہ کھا گیا ہے لیکن سر سلطان کی بات سن کر اسے جو شرمندگی ہوئی تھی اس میں وہ فور سٹارز کو بھی شامل کرنا چاہتا تھا تاکہ آئندہ وہ فور سٹارز کے کسی مشن کو محض مقامی مشن نہ سمجھیں بلکہ انہیں یہ سمجھ بھی آ جائے کہ اب وہ پہلے والی بات نہیں رہی۔ پہلے

ذرائع رسد اس قدر محدود تھے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر تک پہنچتے پہنچتے خبریں پرانی ہو جاتی تھیں لیکن اب وسائل اس قدر تیز ہیں کہ ادھر بات منہ سے نکلتی ہے اور فوراً ہی کوٹھوں پر چڑھ جاتی ہے۔ اس لئے آج کل دنیا کو گلوبل ورلڈ کہا جانے لگا ہے۔ اس لئے دیکھا جائے تو اب چھوٹی سے چھوٹی بات بھی پوری دنیا کو مختلف ذرائع سے معلوم ہو جاتی ہے۔ عمران یہ سب کچھ سوچتا ہوا کرسی سے اٹھا اور ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی سپورٹس کار تیزی سے اس کالونی کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی جہاں فور سٹارز کا ہیڈکوارٹر تھا اور پھر وہ اس کوٹھی کے بند پھاٹک کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ اس نے مخصوص انداز میں تین بار ہارن دیا تو چھوٹا پھاٹک کھلا اور صدیقی باہر آ گیا۔

''ارے میں اتنا بڑا سٹار بھی نہیں ہوں کہ اس کا استقبال فور سٹارز کا چیف خود آ کر کرے''...... عمران نے کار کے اندر سے بات کرتے ہوئے کہا تو صدیقی نے مسکراتے ہوئے سلام کیا اور واپس مڑ گیا۔ اس نے چھوٹا پھاٹک اندر سے بند کیا تو پھر بڑا پھاٹک کھلنے پر عمران کار اندر لے گیا۔ پارکنگ میں چار کاریں پہلے سے موجود تھیں۔ عمران نے کار پارکنگ میں لے جا کر روکی اور پھر کار کا دروازہ کھول کر کار سے باہر آیا تو صدیقی بھی پھاٹک بند کر کے پارکنگ کی طرف آ رہا تھا۔ پھر وہ دونوں بڑے ہال میں پہنچ گئے جہاں نعمانی، خاور اور چوہان بھی موجود تھے۔

''عمران صاحب۔ آپ نے بڑے سخت لہجے میں بات کی تھی اور ساتھ ہی ملک کی بدنامی کا حوالہ دیا ہے۔ آپ ذرا تفصیل سے بتائیں کہ ہم نے ایسا کیا کیا ہے کہ آپ ہم پر اس قدر ناراض ہو رہے ہیں''...... صدیقی کے لہجے میں ناراضگی کا عنصر نمایاں تھا۔

''تم نے یہ پلاننگ کی کہ زر تاوان دے کر اطالوی مغوی بچے کو چھڑا لیں۔ پھر ملزموں کو پکڑ کر ان سے رقم بھی واپس حاصل کر لی جائے اور مجرموں کو سخت سے سخت سزا دلوائی جائے''...... عمران نے کہا۔

''ہاں۔ یہ میں نے سوچا تھا اور باقی ساتھیوں نے میری تائید کی تھی۔ ہم نے یہ اس لئے سوچا ہے کہ مغوی بچے کو ہلاک نہ کر دیا جائے''...... صدیقی نے کہا۔

''لیکن تمہیں یہ احساس نہیں ہوا کہ یہ ہمارے پاکیشیا کا مقامی مشن نہیں ہے بلکہ اس میں غیر ملکی سفارت خانہ بھی ملوث ہے۔ اب کہا جا رہا ہے کہ پاکیشیا کی ایجنسیاں بے کار ہیں۔ وہ ایک مغوی بچے کو رہا کرانے کی بجائے ملزمان کو کروڑوں ڈالرز کا تاوان دے کر بچے کو چھڑوانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ پھر تم نے کسی این جی او سے بھی اپیل کی ہے کہ وہ زر تاوان میں حصہ ڈالے''۔ عمران نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کی بات درست ہے۔ ہمیں واقعی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ یہ معاملہ پوری دنیا کے نوٹس میں آ جائے گا۔ آپ کی ناراضی

درست ہے لیکن اس کیس میں ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مغوی بچہ کہاں ہے اسے چھڑانے کی بات تو بعد کی ہے''...... صدیقی نے کہا۔

''میں نے دو دن پہلے ٹائیگر کو کہا تھا کہ وہ اپنی ساری سرگرمیاں ترک کر کے اس مغوی بچے کو ٹریس کرے کہ بچہ کہاں ہے اور کس کی تحویل میں ہے۔ میں نے ٹائیگر کو اس کالا شیر کی تلاش پر بھی مامور کیا تھا اور اب یہاں آنے سے پہلے میں نے ٹائیگر سے رابطہ کر کے پوچھا تو اس نے بتایا کہ کالا شیر ایک وسیع و عریض علاقے کا نام ہے۔ اس سے ملحقہ ایک اور علاقہ ہے جہاں آبادی تو محدود ہے لیکن وہاں ہر قسم کا جرم علی الاعلان ہوتا ہے اور اس علاقے کا انچارج سانگا شیر ہے۔ اس سانگا شیر کا ایک آدمی کالو نام کا ہے جو بے حد مشتعل مزاج آدمی ہے''...... عمران نے کہا۔

''کیا یہ ضروری ہے عمران صاحب کہ کالا شیر اس کالے شیر کے علاقے میں ہی ہو سکتا ہے۔ یہ نام تو کوئی آدمی بھی رکھ سکتا ہے''۔ چوہان نے کہا۔

''اب پورے دارالحکومت میں تو ہم تلاش گمشدہ کا ڈھول تو نہ پیٹتے رہیں''...... عمران نے کہا اور پھر اس سے پہلے کہ مزید کوئی بات ہوتی، سیل فون کی گھنٹی بج اٹھی تو عمران نے کوٹ کی اندرونی جیب سے سیل فون نکالا تو سکرین پر ٹائیگر کا نام ڈسپلے ہو رہا تھا۔ عمران نے رابطے کا بٹن پریس کر دیا اور ساتھ ہی اس نے لاؤڈر کا بٹن بھی پریس کر دیا۔

''ٹائیگر بول رہا ہوں باس''...... رابطہ ہوتے ہی ٹائیگر کی مودبانہ آواز سنائی دی۔

''کیا رپورٹ ہے۔ کوئی خاص بات''...... عمران نے کہا۔

''یس باس۔ اس آدمی رابرٹ سے ملاقات ہو گئی ہے جس کے متعلق میں نے آپ سے ذکر کیا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ کالا شیر نامی آدمی بہت کم یہاں آتا ہے۔ وہ اکثر کافرستان رہتا ہے البتہ یہاں سانگا شیر ہے جو سر سے پیر تک بدمعاش ہے۔ دنیا کا ہر عیب اس میں ہے اور اس کے اسسٹنٹ بھی مرنے مارنے کے بے حد شوقین ہیں''...... ٹائیگر نے کہا۔

''کالا شیر کہاں رہتا ہے''...... عمران نے بے چین سے لہجے میں پوچھا۔

''اس آدمی کے بقول کالا شیر اپنے ٹھکانے بدلتا رہتا ہے کیونکہ اس کے خلاف بے شمار مقدمات ہیں اور پولیس تو اس پر ہاتھ نہیں ڈالتی البتہ سنٹرل انٹیلی جنس کے ساتھ ساتھ اینٹی اسمگلنگ اسکوارڈ سے بھی اسے بچنا ہوتا ہے۔ اس آدمی نے بتایا ہے کہ وہ جہاں بھی ہو اس بارے میں کالا شیر کے علاقے میں ایک ہوٹل ہے جس کا نام کالا ہوٹل ہے۔ اس ہوٹل کے مالک رفیقے کو اس کے ہر ٹھکانے کا پتہ ہوتا ہے کیونکہ رفیقا اس کا خاص آدمی ہے اور یہ رفیقا اس کالا ہوٹل میں ہی بیٹھتا اٹھتا ہے البتہ کوئی اشد ضرورت پڑ جائے تو وہ

چلا بھی جاتا ہے''...... ٹائیگر نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''مطلب یہ نکلا کہ اس رفیقے سے معلوم کرنا پڑے گا کہ کالا شیر کہاں ہے اور پھر کالا شیر پکڑا جائے اور اس سے مغوی بچہ برآمد کرایا جائے۔ کیا اس آدمی سے تم نے کالا شیر کا حلیہ معلوم کیا ہے''۔ عمران نے کہا۔

''یس باس''...... ٹائیگر نے جواب دیا اور ساتھ ہی حلیہ بتانا شروع کر دیا۔

''یہ تو عام بدمعاشوں جیسا حلیہ ہے لیکن غیر ملکی بچوں کو اغوا کر کے ان کے والدین سے زر تاوان حاصل کرنا تو خاصے پڑھے لکھے جرائم پیشہ افراد ہی کر سکتے ہیں''...... عمران نے قدرے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''یہ بہت بڑا جرائم کا نیٹ ورک ہے باس۔ ان کے پاس غیر ملکی ملازم ہیں۔ اربوں، کھربوں روپے یہ زر تاوان کے طور پر وصول کر چکے ہیں اس لئے کہ کالا شیر کا لہجہ سفاک ہے اور اس سے ملاقات کرنے پر اسے دیکھ کر اچھے اچھے ہاتھ پیر چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی دھمکیاں کہ اگر پولیس کو اطلاع دی تو اس کے سارے خاندان کو گولیوں سے اڑا دیا جائے گا۔ رہائش گاہوں کو آگ لگا دی جائے گی جیسی دھمکیوں کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا اور وہ ان کا منہ مانگا زر تاوان ادا کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں''...... ٹائیگر نے تفصیل سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''تم اس وقت کہاں موجود ہو''...... عمران نے کہا۔

''میں کالا شیر علاقے کی طرف جانے والی سڑک جسے بادامی چوک بھی کہتے ہیں وہاں موجود ہوں۔ میں تو اپنے طور پر اس کالا شیر کو ٹریس کرنے اور اس سے معلومات لینے کی کوشش میں تھا لیکن بادامی چوک پر پہنچتے ہی آپ کی کال آ گئی۔ میں وہیں بادامی چوک پر ہی موجود ہوں''...... ٹائیگر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''تم وہیں رکو۔ میں فور سٹارز کے ساتھ وہاں پہنچ رہا ہوں''۔ عمران نے کہا۔

''یس باس''...... دوسری طرف سے کہا گیا تو عمران نے سیل فون آف کر دیا۔

''عمران صاحب۔ اس علاقے میں تو ہم بھی چکر لگا آئے ہیں جس کالا شیر کے بارے میں ٹائیگر نے بتایا ہے ہم وہاں بھی گئے تھے۔ وہاں عام سے لوگ تھے اور ان کے لہجے بھی عام سے تھے۔ ان سب نے یہی کہا ہے کہ اس علاقے کا نام کالا شیر ہے اور یہاں کوئی کالا شیر نہیں تھا۔ اس لئے ہم واپس آ گئے''...... صدیقی نے کہا۔

''تمہارے پاس ایسی معلومات نہ تھیں جو ٹائیگر نے حاصل کر لی ہیں۔ اس لئے اب ناکام واپسی نہیں ہو گی''...... عمران نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا تو باقی ساتھی بھی کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد دو کاروں میں سوار عمران اور اس کے ساتھی کالا شیر کے علاقے کی

طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔ ایک کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر عمران تھا جبکہ سائیڈ سیٹ پر چوہان بیٹھا ہوا تھا اور دوسری کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر صدیقی تھا۔ سائیڈ سیٹ پر خاور اور پچھلی نشست پر نعمانی موجود تھا۔

''جہاں عمران صاحب اور ٹائیگر اکٹھے ہو جائیں وہاں ہمارا کوئی سکوپ باقی نہیں رہتا''...... عقبی سیٹ پر بیٹھے نعمانی نے کہا تو صدیقی اور خاور دونوں ہنس پڑے۔

''تم کہتے تو ٹھیک ہو لیکن اب عمران صاحب کو انکار بھی نہیں کیا جا سکتا''...... صدیقی نے کہا۔

''اصل میں ٹائیگر بے حد محنتی آدمی ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ انڈر ورلڈ میں کام کرتا ہے۔ اس لئے اس کے پاس حوالہ جات بھی موجود ہیں اور اسے آگے بڑھنے کا ڈھنگ بھی آتا ہے اس لئے وہ لمبے کالوں کو بھی مختصر وقت میں مکمل کر لیتا ہے''...... نعمانی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''ہم عمران صاحب سے استدعا نہ کریں کہ وہ پیچھے ہٹ جائیں اور ہمیں کام کرنے دیں''...... صدیقی نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

''ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔ اس رفیقے سے بھی ہم خود معلومات حاصل کر لیں گے اور پھر آگے بڑھ جائیں گے''...... نعمانی نے کہا اور خاور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

دونوں کاریں خاصی تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھیں اور پھر آخر کار دور سے انہیں بادامی چوک نظر آنے لگ گیا۔ اس چوک پر ایک بہت بڑا بورڈ نصب تھا جس پر بہت موٹے الفاظ میں ''بادامی چوک'' لکھا ہوا تھا۔ دونوں کاریں چوک کی ایک سائیڈ پر روک دی گئیں اور عمران اور اس کے ساتھی نیچے اتر آئے۔ اسی لمحے ایک سائیڈ پر موجود کار سے ٹائیگر نکلا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا عمران کی طرف آ گیا۔ اس نے عمران کو سر جھکا کر سلام کیا جبکہ عمران کے ساتھیوں کے ساتھ اس نے مصافحہ بھی کیا۔

''عمران صاحب۔ بڑے طویل عرصے کے بعد فور سٹارز کے سامنے یہ مشن آیا ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم اپنے ہاتھ پیر پھیلا سکیں''...... صدیقی نے کہا۔

''یہ گول مول سے الفاظ تم نے کہاں سے سیکھ لئے ہیں۔ کھل کر بات کرو۔ تم فور سٹارز کے چیف ہو اور ہم تو ٹوئنکل ٹوئنکل لٹل سٹار ہیں۔ تم حکم دو۔ تعمیل ہو گی''...... عمران نے کہا تو سب بے اختیار ہنس پڑے۔

''عمران صاحب۔ کھلی بات یہ ہے کہ آپ مشن ہمیں مکمل کرنے دیں۔ فور سٹارز کو''...... صدیقی نے کہا۔

''ایک شرط پر اجازت دی جا سکتی ہے''...... عمران نے کہا تو صدیقی اور اس کے ساتھی چونک پڑے۔

''شرط۔ کیا مطلب۔ کیسی شرط''...... صدیقی نے کہا۔

''میں نے سر سلطان سے وعدہ کیا ہے کہ آج رات تک اطالوی بچے کو بغیر زر تاوان ادا کئے برآمد کر لیا جائے گا۔ تمہیں میرے وعدے کا خیال رکھنا ہو گا''...... عمران نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ ہمیں یہ شرط منظور ہے''...... صدیقی نے کہا۔

''اوکے۔ میں اور ٹائیگر اس چوک سے واپس چلے جاتے ہیں''...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''باس۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں صدیقی صاحب کے ساتھ مل کر کام کروں''...... ٹائیگر نے کہا۔

''نہیں۔ اگر آج صدیقی وعدہ پورا نہ کر سکا تو پھر ہم میدان میں نئی ٹیم اتاریں گے۔ فی الحال یہ فور سٹارز کا ہی کیس ہے''۔ عمران نے کہا اور پھر سب سے مصافحہ کر کے واپس مڑ کر اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔ ٹائیگر نے بھی سلام کیا اور اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

سردار اعظم جو جی ایف جی این جی او کا پاکیشیا میں سپر چیف تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے حال میں ہی دارالحکومت کے مضافاتی علاقے سورج نگر میں ایک شاندار کلب بھی کھولا تھا اور سردار اعظم اس کلب کا مالک تھا جبکہ بطور چیف این جی او وہ ایک علیحدہ آفس میں بیٹھتا تھا۔ اس نے اپنے اوقات کو اس انداز میں ترتیب دے رکھا تھا کہ اس بات کا علم فوری ہو جاتا تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہو گا۔ صبح نو بجے سے پانچ بجے شام تک وہ این جی او آفس میں اور پھر سات بجے سے لے کر گیارہ بجے رات تک وہ کلب میں گزارتا تھا۔ اس وقت چونکہ خاصا دن چڑھا ہوا تھا اس لئے سردار اعظم این جی او کے آفس میں بیٹھا ایک فائل پڑھ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی تو سردار اعظم نے رسیور اٹھا لیا۔

''یس''...... سردار اعظم نے جھٹکے دار لہجے میں کہا۔

''کالا شیر بول رہا ہوں''...... دوسری طرف سے بھی سخت اور

کھردرے لہجے میں کہا گیا۔

’’کیوں فون کیا ہے۔ کوئی خاص بات ہے‘‘...... سردار اعظم نے کہا۔

’’میں اسمگلنگ کے سلسلے میں دو تین روز کے لئے کافرستان جانا چاہتا ہوں‘‘...... دوسری طرف سے کالا شیر کی آواز سنائی دی تو سردار اعظم کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ابھر آئے۔

’’کیا کہہ رہے ہو تم۔ تم میرے ملازم تو نہیں ہو کہ مجھ سے پوچھ کر نقل و حرکت کرو‘‘...... سردار اعظم نے کہا۔ اس کے چہرے پر واقعی حیرت کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

’’یہ بات نہیں۔ مجھے آپ کے ماتحت ندیم اور اعظم نے فون کر کے بتایا تھا کہ زر تاوان دینے پر حکومت تیار ہو گئی ہے۔ دو کروڑ ڈالرز طلب کئے گئے لیکن اس میں جی ایف جی کی شمولیت کا بھی کہا گیا۔ اس طرح حکومت تک یہ کال پہنچی کہ ایک این جی او پچاس لاکھ ڈالرز دے کر بچے کی قید سے رہائی پر کام کر رہی ہے۔ اس ساری کارروائی میں دو تین روز لگ جائیں گے۔ آپ سے اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ سانگا شیر اپنے علاقے سے باہر گیا ہوا ہے اور اب وہاں اس کے اسسٹنٹ کالو کا کنٹرول ہے اور مغوی اطالوی بچہ بھی اس کے پاس ہے‘‘...... کالا شیر نے کہا۔

’’ہاں۔ کیونکہ حکومت کے لئے دو کروڑ ڈالرز کوئی بڑی رقم نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں اس کے لئے تیار رہنا چاہئے‘‘...... سردار اعظم نے کہا۔

’’آپ اپنے این جی او آفس میں رقم وصول کریں گے یا آپ کے ذہن میں اس کے لئے کوئی علیحدہ پلان ہے‘‘...... کالا شیر نے کہا۔

’’این جی او کے صحافی اعظم اور ندیم کو کہہ دیا گیا ہے کہ رقم مجھ تک پہنچائی جائے گی تاکہ اسے کالا شیر تک پہنچا دیں اور بچہ ان کے حوالے کر دیا جائے گا‘‘...... سردار اعظم نے کہا۔

’’اس بار کوئی ایسا طریقہ کار اپنائیں سردار اعظم کہ ہم ٹریس نہ ہو سکیں کیونکہ اس بار اطالوی حکومت کے دباؤ پر سرکاری ایجنسیاں ہمارے خلاف کام کر رہی ہیں‘‘...... کالا شیر نے کہا تو سردار اعظم بے اختیار چونک پڑا۔

’’کس نے تمہیں بتایا ہے‘‘...... سردار اعظم نے کہا۔

’’صحافی اعظم اور ندیم دونوں نے۔ وہ ایک ایجنسی کے لوگوں سے ملے ہیں اور ان کی جائزہ رپورٹ بتا رہی ہے کہ ان کے خیال کے مطابق یہ ملٹری انٹیلی جنس کے لوگ ہیں۔ وہ کسی بھی وقت کہیں بھی چھاپہ مار سکتے ہیں۔ اس لئے ہم نے دس لاکھ ڈالرز کو پچاس لاکھ ڈالرز میں بدل دیا تھا تاکہ ڈیل کی تکمیل ہو سکے اور ڈیڑھ کروڑ ڈالرز جیسی خطیر رقم ہمارے پاس پہنچ جائے‘‘...... کالا شیر نے کہا۔

’’اگر سرکاری ایجنسیاں پیچھے لگ گئی ہیں تو سب سے زیادہ حفاظت اس اطالوی مغوی بچے کی کرو۔ انہیں تلاش ہی اس مغوی

بچے کی ہو گی اور اگر مغوی بچہ تمہارے علاقے سے برآمد ہو گیا تو پھر تم جانتے ہو کہ فوج تمہارا کیا حشر کر سکتی ہے“...... سردار اعظم نے کہا۔

”آپ کا مطلب ہے کہ میں انڈر گراؤنڈ ہو جاؤں۔ ایسا ممکن نہیں ہے۔ سرکاری ایجنٹ ہم سے زیادہ طاقتور اور ہوشیار نہیں ہو سکتے“...... کالا شیر نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”میں نے انڈر گراؤنڈ ہونے کا تو نہیں۔ میں نے تو کہا ہے کہ احتیاط کی جائے۔ دو تین روز کی بات ہے اس کے بعد یہ بچہ واپس پہنچ جائے گا اور چند روز بعد سب اس واقعہ کو بھول جائیں گے اور اس دوران ریسرچ کام کر رہے ہیں کوئی نہ کوئی اہم آدمی، بچہ یا عورت ڈھونڈ لیں گے جس کے لواحقین سے ہمیں بھاری رقم مل سکے“...... سردار اعظم نے کہا۔

”آپ کی بات درست ہے کہ ہمیں اغوا شدہ اطالوی بچے کی نہ صرف حفاظت کرنی ہے بلکہ اسے اس انداز میں واپس اس کے والدین تک پہنچانا ہے کہ کسی کو ہم پر شک نہ ہو سکے لیکن اس کے پیچھے سرکاری لوگ ہوں گے تو وہ ٹریس کرتے ہوئے سانگا شیر تک پہنچیں گے تو ہمارا پورا خفیہ نظام ان کے سامنے آ جائے گا۔ سانگا شیر اور اس کے آدمی اب فوج کا مقابلہ کب تک کر سکتے ہیں۔ اس لئے ایک کام کریں کہ انتہائی خفیہ طور پر اطالوی بچے کو ماسٹر شوکت کی تحویل میں دے دیا جائے۔ ماسٹر شوکت بہت ہوشیار اور تیز آدمی

ہے۔ اس کے تحت کام کرنے والے بے حد تربیت یافتہ ہیں اور پھر وہ محل نما عمارت جسے ہم شیش محل کہتے ہیں قطعی ان کے کنٹرول میں ہے۔ وہاں دس میل دور سے آنے والی گاڑیوں کی مشینی چیکنگ ہو جاتی ہے اور گاڑیوں کے ساتھ ساتھ ان میں موجود افراد کے بارے میں سپر کمپیوٹر بتا دیتا ہے کہ کون لوگ ہیں۔ اجنبی ہیں تو کیا پہلی بار یہاں آ رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے سرکاری ایجنٹ وہاں کچھ بھی نہیں کر سکتے اور ویسے بھی چند روز کی بات ہے۔ اس کے بعد سب لوگ اس اغوا برائے تاوان کی واردات کو بھول جائیں گے“...... کالا شیر نے کہا۔

”میں سمجھ گیا کہ تم چاہتے ہو کہ اگر واپسی میں کوئی مسئلہ ہو جائے یا سرکاری ایجنٹ وہاں پہنچ جائیں تو کالا شیر علاقے میں ان کی مڈبھیڑ سانگا شیر اور اس کے آدمیوں کے ساتھ نہ ہو۔ ورنہ حکومت ان پر فوج کشی بھی کر سکتی ہے“...... سردار اعظم نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”آپ کا خیال درست ہے سردار۔ میں ہر صورت میں جی ایف جی کو بچانا چاہتا ہوں“...... کالا شیر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”اوکے۔ میں ابھی آرڈر کر دیتا ہوں لیکن اس بچے کو ماسٹر شوکت تک تم نے خود پہنچانا ہے اور موٹی موٹی باتیں تو میں ماسٹر شوکت کو بریف کر دوں گا باقی تفصیل سے تم اسے آگاہ کر

دینا''...... سردار اعظم نے کہا۔

''ٹھیک ہے سر''...... کالا شیر نے کہا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا تو سردار اعظم نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئی تھیں۔ اسے کالا شیر کے انداز پر بھی حیرت تھی اور اس نے جو تجویز دی تھی اس سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ کالا شیر سرکاری آدمیوں سے خوفزدہ ہے۔ اس لئے وہ مغوی بچے کو شیش محل پہنچانا چاہتا ہے تاکہ اگر حکومت کالا شیر علاقے پر چھاپہ مارے تب بھی کوئی برآمدگی نہ ہو سکے اور شیش محل تک وہ کسی طرح پہنچ ہی نہیں سکتے۔ اس طرح مغوی بچہ برآمد نہ ہو سکے گا۔ زر تاوان تو اسے مخصوص طریقے سے مل جائے گا۔

''گڈ۔ یہ اچھی تجویز ہے''...... سردار اعظم نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور پھر رسیور اٹھا کر اس نے دو بٹن پریس کر دیئے۔

''یس سر''...... دوسری طرف سے اس کی پی اے کی مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

''ماسٹر شوکت سے بات کراؤ''...... سردار اعظم نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی تو سردار اعظم نے رسیور اٹھا لیا۔

''یس''...... سردار اعظم نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

''ماسٹر شوکت بول رہا ہوں''...... دوسری طرف سے کہا گیا۔

''سردار اعظم بول رہا ہوں''...... سردار اعظم نے کہا۔

''اوہ۔ آپ۔ حکم فرمائیں''...... دوسری طرف سے ماسٹر شوکت نے چونک کر کہا۔

''ہم نے ایک اطالوی بچے کو اغوا کرایا ہے اور اس بار بچے کو ٹریس کرنے کے لئے سرکاری ایجنسیاں کام کر رہی ہیں اور کالا شیر کو خطرہ ہے کہ اگر بچے کو کالا شیر علاقے میں رکھا گیا تو نہ صرف بچہ بلکہ اور بھی بہت سے راز ان کے سامنے آ جائیں گے۔ اس لئے اغوا شدہ بچے کو یہاں سے دور کسی اور جگہ پہنچا دیا جائے جہاں سے اسے کسی صورت بھی برآمد نہ کیا جا سکے۔ اس لئے میں نے بہت سوچ کر فیصلہ کیا ہے کہ اغوا شدہ بچہ جس کی عمر چھ سال ہے، کو شیش محل پہنچا دیا جائے تاکہ وہ بغیر زر تاوان دیئے اسے برآمد نہ کر سکیں۔ ویسے اس پر بات ہو چکی ہے۔ دو کروڑ ڈالرز زر تاوان طے ہو گیا ہے اور اس کی ادائیگی کے لئے دو تین روز کا وقفہ مانگا گیا ہے''...... سردار اعظم نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

''آپ بھجوا دیں وہ بچہ۔ وہ یہاں ہر طرح سے محفوظ رہے گا''...... دوسری طرف سے ماسٹر شوکت نے کہا۔

''او کے۔ کالا شیر تم سے خود ہی رابطہ کر لے گا۔ گڈ بائی''۔ سردار اعظم نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے رسیور رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر اب اطمینان کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

ایک ہی کار میں سوار فور سٹارز خاصی تیز رفتاری سے کالا شیر کے علاقے کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر صدیقی تھا جبکہ چوہان فرنٹ سائیڈ سیٹ پر اور نعمانی اور خاور دونوں عقبی سیٹ پر موجود تھے۔

''صدیقی۔ تم نے عمران صاحب سے زیادتی نہیں کی''۔ سائیڈ سیٹ پر بیٹھے ہوئے چوہان نے کہا تو ایسے لگا جیسے کار کے اندر کسی نے بم مار دیا ہو۔

''کیا مطلب۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو''...... صدیقی نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''عمران صاحب کو اس طرح برملا کہنا کہ وہ خاموش ہو کر بیٹھ جائیں۔ یہ زیادتی ہے۔ عمران صاحب بہت بڑے دل کے مالک ہیں جو اس طرح تمہاری بات مان کر وہ راستے میں ہی مڑ کر واپس چلے گئے۔ ان کی جگہ میرے ساتھ اگر یہ بات ہوتی تو میں تو اڑ جاتا''...... چوہان نے کہا۔

''یہ بات میں نے اس لئے کی ہے کہ خال خال ہی ہمارے پاس کوئی کیس آتا ہے ورنہ ہم بے کار بیٹھے رہتے ہیں۔ اگر اس کیس کو بھی عمران صاحب نے ٹائیگر کی مدد سے حل کرنا ہے تو پھر فور سٹارز کو ختم کر دیں''...... صدیقی نے کہا۔

''تمہاری بات درست ہے لیکن یہ بین الاقوامی مسئلہ بن گیا ہے۔ ہماری اور اطالوی حکومتیں دونوں اس میں ملوث ہو چکی ہیں اور شاید اقوام متحدہ نے بھی اس پر کوئی کمنٹ کیا ہو۔ اس سے ملک کی بے عزتی ہوئی ہے۔ اس لئے اس مغوی بچے کو صحیح سلامت برآمد کرنا ضروری ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ سیکرٹ سروس کا کیس بن جاتا ہے اور دوسری بات یہ کہ ہمیں ابھی تک یہ معلوم نہیں ہے کہ مغوی بچہ کہاں ہے اور تم نے رات تک مغوی بچے کو برآمد کرنے کا وعدہ بھی کرلیا ہے''...... چوہان نے کہا۔

''مشن حاصل کرنے کے لئے یہ بات ماننا ضروری تھی۔ اول تو مجھے یقین ہے کہ ہم خالی ہاتھ واپس نہیں جائیں گے اور اگر گئے بھی تو پھر کل پھر یہاں ہوں گے''...... صدیقی نے گول مول سے لہجے میں کہا اور اس بار چوہان نے بھی زبان سے کوئی جواب دینے کی بجائے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تقریباً ایک گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد وہ کالا شیر نامی علاقے میں داخل ہوگئے۔ یہ شہر کا مضافاتی علاقہ ضرور تھا لیکن یہاں کا کلچر اب دیہاتی اور شہری ملا جلا سا تھا۔

صدیقی نے کار ایک ہوٹل کے سامنے روک دی۔ ایک عمارت کے فرنٹ رخ پر ہوٹل بنایا گیا تھا۔ اوپر فرنٹ پر اس کا نام کالا ہوٹل لکھا ہوا تھا۔ ایک وسیع برآمدے نما جگہ پر کرسیاں میزیں رکھی ہوئی تھیں اور اس جگہ پر بہت سے مقامی آدمی بیٹھے چائے پی رہے تھے اور آپس میں باتیں کرنے میں مصروف تھے۔

”آؤ“...... صدیقی نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور پھر وہ سب ان سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے جن کے ذریعے ہوٹل میں پہنچا جا سکتا تھا لیکن انہیں دیکھ کر وہاں موجود لوگوں میں اضطراب اور بے چینی سی پھیل گئی۔ چند لوگوں نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اٹھ کر عقبی دروازے کی طرف دوڑ گئے لیکن صدیقی اور اس کے ساتھی اوپر چڑھ کر دائیں ہاتھ پر موجود کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئے۔ صدیقی اور ان کے ساتھیوں کے ڈیل ڈول لباس اور ان کی جسمانی چستی اور پھرتی نے سب پر ایک خوف سا طاری کر دیا تھا۔ کاؤنٹر کے پیچھے کرسی پر گینڈے جیسے جسم کا ایک آدمی بیٹھا حیرت بھری نظروں سے صدیقی اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کاؤنٹر کے ساتھ ہی ایک بدمعاش ٹائپ آدمی موجود تھا جس کی بڑی بڑی مونچھیں باقاعدہ سائیڈوں سے نیچے لٹک رہی تھیں اور وہ بار بار لٹکی ہوئی مونچھوں کو مروڑتا رہتا تھا۔

”رفیق عرف فیقا تم ہو“...... صدیقی نے کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے اس گینڈے نما آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”میرا نام کالا ہے اور باہر اوپر لکھا ہوا ہے پڑھ لو۔ باہر لکھا ہوا ہے کالا ہوٹل۔ ہم کسی فیقے کو نہیں جانتے“...... اس آدمی نے بڑے نخوت بھرے انداز میں کہا۔

”فیقے کے بارے میں کس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اس کا ایک لاکھ ڈالرز کا انعام نکلا ہے۔ وہ آج رات تک نہ ملا تو انعام ضبط ہو جائے گا“...... صدیقی نے کہا۔

”انعام۔ ایک لاکھ ڈالرز۔ یہ کیا کہہ رہے ہو۔ فیقے نے زندگی بھر تاشوں سے جوا کھیلا ہے۔ انعام کہاں سے آ گیا“...... کالا نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”ہمارے برانڈ کی سگریٹ کی ہر ڈبیا کے اندر ایک نمبر چھاپا گیا تھا جو بھی پیکٹ خریدتا تھا وہ ڈبیا کے اندر لکھا ہوا یہ نمبر فون پر لکھوا دیتا تھا اور نام وغیرہ بتا دیتا تھا۔ ایک نمبر فیقے نے بھی لکھوایا اور اپنا پتہ بھی لکھوایا تھا۔ اس کا انعام ایک لاکھ ڈالرز کا ہے۔ ہم یہاں پہلے بھی آئے تھے۔ یہاں تمہاری جگہ کوئی اور بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے بھی انکار کر دیا تھا تو ہم واپس چلے گئے۔ اب اگر آپ واقعی اس کے بارے میں نہیں جانتے تو ٹھیک ہے ہم واپس چلے جاتے ہیں اور کمپنی کو لکھ دیتے ہیں کہ اس نام کا کوئی آدمی یہاں موجود نہیں ہیں۔ وہ انعام ضبط کر لیں“...... صدیقی نے کہا اور واپس مڑنے لگا۔

”ایک منٹ۔ اگر آپ کو رفیق عرف فیقے سے ملوا دیا جائے تو

آپ اسے انعام نقد دیں گے“...... کاؤنٹر مین کالا نے کہا۔

”آدھا نقد اور آدھے کا چیک“...... صدیقی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”مطلب ہے کہ پچاس ہزار ڈالرز نقد اور پچاس ہزار ڈالرز کا چیک۔ کیا یہ چیک کیش بھی ہو گا یا نہیں“...... کالا نے کہا۔

”وہ گارنٹیڈ چیک ہے جس نے ہر حالت میں کیش ہونا ہے“...... صدیقی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”تو نکالو کہاں ہے نقد رقم اور چیک۔ میرا نام فیقا ہے“۔ کاؤنٹر مین کالا نے کہا۔

”اگر تم واقعی فیقے ہو تو چلو اٹھو اور کسی علیحدہ کمرے میں چلو ۔ کپنی کو تمہاری تصویر بنا کر بھیجنا ہو گی تا کہ وہ اس تصویر کو ٹی وی پر دکھا کر لوگوں پر ثابت کریں کہ کمپنی واقعی انعام دیتی ہے“۔ صدیقی نے کہا۔

”جانڈر“...... فیقے نے کاؤنٹر کی سائیڈ میں کھڑے مونچھوں والے آدمی سے مخاطب ہو کر کہا۔

”یس باس“...... جانڈر نے چونک کر کہا۔

”سوگر کا مکان خالی ہے نا“...... فیقے نے کہا۔

”ہاں خالی ہے“......جانڈر نے کہا۔

”اوکے۔ میں مہمانوں کے ساتھ وہاں جا رہا ہوں۔ تم کاؤنٹر سنبھالو۔ میں ابھی آ جاؤں گا“...... کالے نے جانڈر کو ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

”یس باس“...... جانڈر نے کہا۔

”پہلے تم یہ ثابت کرو کہ تم واقعی رفیق عرف فیقا ہو۔ کیونکہ پہلے تم نے کہا تھا کہ تم فیقے کو جانتے ہی نہیں“...... صدیقی نے کہا تو فیقا ہنس پڑا۔

”ایسے ڈرامے تو یہاں روز ہوتے ہیں۔ بہرحال وہ سامنے میری جوانی کی تصویر موجود ہے جس کے نیچے میرا نام لکھا ہوا ہے۔ جانڈر تصویر اتار کر لاؤ“...... فیقے نے کہا تو جانڈر سر ہلاتا ہوا گیا اور اس نے تصویر دیوار سے اتاری اور پھر کپڑے سے اسے اچھی طرح صاف کر کے صدیقی اور اس کے ساتھیوں کے سامنے کاؤنٹر پر رکھ دی۔ یہ واقعی اس کاؤنٹر مین کی تصویر تھی اور اس دور کی تھی جب وہ نیا نیا پہلوان بنا تھا۔ نیچے رفیق عرف فیقا پہلوان لکھا ہوا تھا۔

”ٹھیک ہے۔ یہ تصویر ہم رکھیں گے کمپنی کی تسلی کے لئے“۔ صدیقی نے کہا۔

”ضرور رکھیں۔ مجھے تو میرے پیسے دیں۔ یہیں دے دیں۔ پھر بے شک سارے ہوٹل کی فلم بنا لیں“...... فیقے نے کہا۔

”نہیں۔ تمہاری فلم بنانی ہے۔ چلو کہاں جانا ہے“...... صدیقی نے کہا۔

”آؤ میرے ساتھ“...... فیقے نے کہا اور کاؤنٹر کی سائیڈ سے باہر آ کر وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا۔

’’تمہارے پاس گاڑی ہے‘‘...... صدیقی نے پوچھا۔

’’جناب۔ سو قدم پر تو مکان ہے‘‘...... فیقے نے کہا۔

’’تو پھر کار یہیں کھڑی رہے‘‘...... صدیقی نے کہا۔

’’بے فکر ہو کر چھوڑ دیں‘‘...... فیقے نے کہا تو صدیقی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ ایک سائیڈ پر بنے ہوئے مکان میں داخل ہو رہے تھے۔ اس کا آخری کمرہ اس انداز میں سجایا گیا تھا کہ جیسے یہ میٹنگ روم ہو۔ درمیان میں گول میز اور اس کے چاروں طرف کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

’’اب رقم دیں اور فوٹو گرافی بھی کر لیں لیکن جلدی کیونکہ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ میں نے ایک ضروری کام کے لئے جانا ہے‘‘۔ فیقے نے بے چین سے لہجے میں کہا۔

’’یہ بتاؤ کہ کالا شیر اس وقت کہاں موجود ہے‘‘...... صدیقی کا لہجہ بدل گیا تھا۔

’’تو تم وہ نہیں جو تم اپنے آپ کو بتا رہے ہو۔ سنو۔ آخر بار کہہ رہا ہوں کہ فوری طور پر یہاں سے نکل جاؤ ورنہ تم چاروں کی لاشیں بھی کسی کو نہیں ملیں گی‘‘...... فیقے نے ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے کہا لیکن دوسرے لمحے چٹاخ کی ایک زور دار آواز کے ساتھ ہی کمرہ چیخ کی آواز سے گونج اٹھا صدیقی نے پوری قوت سے فیقے کے گال پر تھپڑ مارا تھا۔ تھپڑ اس قدر زور دار تھا کہ فیقا کئی قدم آگے بڑھتا چلا گیا۔ ابھی اس کی چیخ کی آواز ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ چوہان کا

بازو گھوما اور سینے پر زوز دار ضرب کھا کر فیقا نیچے گرا ہی ٹھا کہ اس کے ساتھ ہی وہ تیزی سے گھوم کر اٹھ کھڑا ہوا۔

’’تمہاری یہ جرأت‘‘...... فیقے نے بجلی کی سی تیزی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر مشین پسٹل نکالا ہی تھا کہ نعمانی حرکت میں آیا اور اس کے ساتھ ہی مشین پسٹل ہوا میں اچھلا جسے نعمانی نے جھپٹ لیا۔

’’جلدی کرو۔ کوئی رسی ڈھونڈھ لاؤ۔ ہم نے بہت سے کام کرنے ہیں‘‘...... صدیقی نے چیخ کر کہا اور پھر اس بار اس نے فیقے کی گردن پر ہاتھ ڈال دیا اور جیسے ہی اس نے اپنا کھڑا ہوا یازو اوپر کی طرف اٹھایا تو گینڈے جیسا جسم اور بھاری وزن کا حامل فیقا کسی بچے کی طرح اوپر اٹھتا چلا گیا۔ اس کے بازو موٹی گردن پر دباؤ کی وجہ سے ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ صدیقی نے بازو کو دو مخصوص انداز کے جھٹکے دیئے اور پھر فیقا کے جسم کو کرسیوں پر پٹخ دیا۔ فیقے کے منہ سے مسلسل کراہیں نکل رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد نعمانی رسی کا ایک بڑا بنڈل اٹھائے اندر داخل ہوا اور پھر صدیقی کے کہنے پر باقی ساتھیوں نے فیقے کو ایک کرسی پر بٹھا کر رسی سے اچھی طرح جکڑ دیا۔ فیقا گردن پر بازو کا دباؤ پڑنے کی وجہ سے ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ کیونکہ صدیقی نے اس کی شہہ رگ پر انگوٹھے کا دباؤ رکھا ہوا تھا کہ اگر وہ زیادہ اسی حالت میں رہتا تو اس کی موت واقع ہو جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ کرسی پر بیٹھا وہ مسلسل زور زور سے سانس لے رہا

تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو اس نے صدیقی اور نعمانی کو سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے دیکھا جبکہ صدیقی کے باقی ساتھی باہر چلے گئے تھے تاکہ کسی اچانک معاملے کو کنٹرول میں کیا جا سکے۔

''تم نے یہ کیا کر دیا''...... فیقے کے منہ سے ایسے نکلا جیسے وہ کہنا نہ چاہتا ہو اور الفاظ اس کے منہ سے خود بخود نکلے ہوں۔

''تم اپنے آپ کو بہت بڑا پہلوان سمجھتے ہو اور اس پر اکڑتے ہو۔ اس لئے تمہیں معمولی سا سبق دینا ضروری تھا۔ تو اب اصل بات بتاؤ کہ کالا شیر کہاں ہے''...... صدیقی نے کہا۔

''اگر میں بتا بھی دوں تو تم وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ الٹا مارے جاؤ گے پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو۔ عام کمپنی والے تو نہیں ہو۔ کون ہو تم۔ کیا کسی سرکاری ایجنسی کے آدمی ہو''...... فیقے نے کہا۔

''ہمارا تعلق ایک سرکاری ایجنسی فورسٹارز سے ہے''...... صدیقی نے کہا تو فیقا بے اختیار اچھل پڑا۔

''اوہ۔ اوہ۔ یہ نام تو میں نے سنا ہوا ہے''...... فیقے نے کہا۔

''سنو۔ میں تمہیں اصل بات بتاتا ہوں۔ ایک اطالوی جوڑا پاکیشیا کی سیاحت کے لئے آیا ہوا تھا۔ ان کا چھ سالہ بچہ بھی ساتھ تھا جسے ایک بس ٹرمینل سے اغوا کر لیا گیا۔ وہ اطالوی جوڑا اپنے سفارت خانے گیا۔ وہاں سے حکومت کو اطلاع دی گئی اور دونوں ملکوں کے اعلیٰ حکام کی اس معاملے پر بحث ہوئی اور پھر فیصلہ ہوا کہ اس مغوی بچے کو زندہ سلامت برآمد کرانا ہے۔ پھر ہمیں اطلاع ملی ہے کہ مغوی بچہ کالا شیر کی تحویل میں ہے۔ اس لئے ہم نے ہر صورت میں اور ہر قیمت پر اس بچے کو واپس لانا ہے''...... صدیقی نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

''حکومت کے پاس پیسے بہت ہوتے ہیں۔ کالے شیر کو تاوان دے دیں اور بچے کو چھڑا لیں''...... فیقے نے کہا۔

''حکومت عوام کے خون پسینے کی کمائی تم اور کالا شیر جیسے مجرموں کو دے دے یہ کیسے ممکن ہے''...... صدیقی نے کہا۔

''تو پھر تم جو مرضی آئے کر لو۔ میں کسی کالا شیر کو نہیں جانتا''۔ فیقے کا دماغ پھر الٹ گیا۔ وہ عام بدمعاش تھا اور ایسے لوگوں کی حالت واقعی گھڑی میں ماشہ گھڑی میں تولہ کی نسبت سے بدلتی رہتی ہے۔

''سوچ لو۔ آخری بار کہہ رہا ہوں''...... صدیقی نے جیب سے ایک تیز دھار خنجر نکالتے ہوئے کہا۔

''میں نے جو کہا ہے وہی حتمی ہے''...... فیقے کا موٹا دماغ واقعی اکڑ گیا تھا تو صدیقی نے ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر ساتھ بیٹھے نعمانی کی طرف بڑھا دیا۔

''ناک کاٹنی ہے''...... نعمانی نے خنجر لیتے ہوئے کہا۔

''ناک نہیں۔ پہلے ایک آنکھ نکال دو۔ پھر نہ مانے تو دوسری

آنکھ نکال دینا۔ باقی کام ہم خود کر لیں گے۔ یہ موٹے دماغ کا آدمی ہے۔ اس لئے اس پر کوئی بات اثر نہیں کرتی''...... صدیقی نے کہا۔

''تم میری دونوں آنکھیں نکال دو۔ میں اُف بھی نہیں کروں گا''...... فیقے نے کہا۔

''ناک کا آپریشن کر دو۔ یہ واقعی موٹے دماغ کا آدمی ہے''...... صدیقی نے کہا تو خنجر پکڑ کر نعمانی، فیقے کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اس کے بال پکڑ کر اس کے سر کو ایک جھٹکے سے اوپر کیا اور پھر دوسرے ہاتھ میں موجود خنجر حرکت میں آیا اور کمرہ فیقے کے منہ سے نکلنے والی چیخ سے گونج اٹھا۔ ابھی گونج ختم نہ ہوئی تھی کہ نعمانی کا بازو ایک بار پھر حرکت میں آیا اور ایک اور چیخ سے کمرہ گونج اٹھا۔ نعمانی نے خنجر اس فیقے کے لباس سے صاف کیا اور واپس صدیقی کو دے دیا اور پھر وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا جبکہ فیقا مسلسل دائیں بائیں اس طرح سر مار رہا تھا جیسے پنڈولم دائیں بائیں جھولتا ہے۔ صدیقی اٹھا اور اس نے کرسی اٹھا کر فیقے کے سامنے رکھی اور اس پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے ایک ہاتھ سے فیقے کا سر پکڑا اور خنجر کا دستہ اس کی پیشانی پر ابھر آنے والی نیلے رنگ کی رگ پر مار دیا۔ فیقے کا بھاری جسم بری طرح تھرتھرانے لگا۔ اس کی آنکھیں آدھی سے زیادہ باہر ابھر آئیں۔

''بولو۔ کہاں ہے کالا شیر۔ بولو''...... صدیقی نے سخت لہجے میں

کہا۔

''میں نہیں بتاؤں گا۔ نہیں بتاؤں گا''...... فیقے نے چیخ چیخ کر ایک ہی فقرہ دوہراتے ہوئے کہا۔ صدیقی نے اس بار زیادہ زور سے دستہ فیقے کی پیشانی پر مارا تو فیقے کے پورے جسم سے پسینہ بہنے لگا۔ اس کا چہرہ بری طرح بگڑ گیا تھا۔

''بولو۔ کالا شیر کہاں ہے۔ بولو''...... صدیقی نے کہا۔

''کالا شیر، سانگا شیر کے علاقے کالی بستی میں موجود ہے۔ وہاں اصل حکومت سانگا شیر کی ہے لیکن کالا شیر بھی وہیں رہتا ہے اور سانگا شیر اس کا اسسٹنٹ ہے اور سانگا شیر کا اسسٹنٹ کالو ہے۔ کالو بے حد مشتعل مزاج آدمی ہے''...... فیقے کے منہ سے نکلا اور پھر صدیقی نے مزید سوالات کر کے پوری تفصیل سے معلومات حاصل کر لیں۔ فیقے نے جو تفصیلات بتائی تھیں وہ بے حد خوفناک تھیں۔ اس کالی بستی میں داخلے کے لئے صرف ایک ہی راستہ تھا اور اس راستے کے سامنے ایک بلڈنگ بنی ہوئی ہے جس میں سامنے کے رخ دکانیں ہیں جہاں منشیات کھلے عام فروخت کی جا رہی ہے۔ آگے جا کر ایک چھوٹی سی بستی ہے جہاں زیادہ سے زیادہ پچاس ساٹھ مکانات ہیں جہاں اسمگلر آ کر رہائش پذیر ہوتے ہیں کیونکہ اسے دنیا کا سب سے محفوظ علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ اطالوی مغوی بچہ بھی اسی بستی میں موجود ہے اور وہاں وہ اکیلا نہیں ہے۔ وہاں تین چار مزید مغوی بچے بھی ہیں اور ایک مکان میں دو عورتیں

بھی موجود ہیں جنہیں جبراً اغوا کیا گیا ہے اور انہیں کسی بھی وقت کافرستان لے جا کر فروخت کر دیا جائے گا۔ کالا شیر کے تحت یہ سب کاروبار چلتا رہتا ہے۔ پھر جب صدیقی نے محسوس کیا کہ فیقا جس حد تک بتا سکتا تھا بتا چکا ہے اور ویسے بھی اب اس کا لاشعور مکمل طور پر ختم ہونے کے آثار تک پہنچ گیا ہے تو صدیقی نے جیب سے مشین پسٹل نکالا اور فیقے کے سینے پر پسٹل کی نال رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ فیقے کا بھاری جسم ہونے کے باوجود بری طرح تڑپا اور ساکت ہو گیا۔

’’یہ معاملات تو بڑے وسیع پیمانے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اب ہمیں کالی بستی جانا پڑے گا تاکہ وہاں سے مغوی اطالوی بچے کے ساتھ ساتھ دوسرے اغوا شدہ بچوں اور دو اغوا شدہ عورتوں کو بھی رہائی دلائی جائے لیکن سوچ لو صدیقی۔ پوری بستی کے مقابل ہم چار افراد کیسے کھڑے رہ سکتے ہیں۔ یہ عام لوگوں کی بستی نہیں ہے بلکہ جرائم پیشہ اور بدمعاشوں کی بستی ہے‘‘...... نعمانی نے کہا۔

’’تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن ہم نے رات ہونے سے پہلے مغوی بچے کو عمران صاحب تک پہنچانا ہے۔ اس لئے ہمیں فوری وہاں جانا ہو گا۔ جو بھی حالات ہوں گے دیکھا جائے گا‘‘...... صدیقی نے حتمی لہجے میں کہا تو نعمانی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس مکان سے نکلے جہاں فیقا انہیں لے گیا تھا۔ صدیقی نے کار کالا ہوٹل کے سامنے روکی تھی۔ چنانچہ وہ مکان سے نکل کر پیدل چلتے

ہوئے واپس کار کی طرف بڑھ گئے۔ ہوٹل میں ویسی ہی چہل پہل تھی جیسی کہ وہ چھوڑ گئے تھے۔ صدیقی نے پہلے کار کا اچھی طرح معائنہ کیا۔ اسے خطرہ تھا کہ ان گھٹیا بدمعاشوں نے کہیں اس کی کار میں کوئی بم نہ نصب کر دیا ہو لیکن جب اسے اطمینان ہو گیا تو اس نے کار کی ڈرائیونگ سیٹ والا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا۔ باقی ساتھی بھی پہلے کی طرح کار میں بیٹھ گئے۔ صدیقی نے کار آگے بڑھا دی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بادامی چوک پر پہنچ گئے جہاں سے راستہ اس کالی بستی کی طرف جاتا تھا۔ اس بستی کی طرف جو ایک لحاظ سے جرائم پیشہ افراد اور بدمعاشوں کا گڑھ بنی ہوئی تھی۔ فیقے نے اسے بتایا تھا کہ بستی میں کسی اجنبی کا داخلہ ممنوع ہے اور راستے میں باقاعدہ ایک چیک پوسٹ بنی ہوئی ہے جہاں سے کار لے کر بستی میں داخل ہوا جا سکتا تھا اس چیک پوسٹ پر مشین گنوں سے مسلح افراد ہر وقت موجود رہتے تھے اور ان کے ساتھ ساتھ سانگا شیر کے چار پانچ لڑاکے افراد بھی وہاں موجود رہتے تھے۔

’’ہمیں پوری تیاری کر کے آگے بڑھنا چاہئے‘‘...... نعمانی نے کہا۔

’’تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن مسئلہ ہے کہ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ ہم نے جو کچھ بھی کرنا ہے آج رات سے پہلے پہلے کرنا ہے‘‘...... صدیقی نے کہا۔

’’تمہارے پاس ایسی بے ہوش کر دینے والی گیس ہے جو کھلے

ماحول میں وسیع ایریا میں کام کرتی ہو‘‘...... نعمانی نے کہا۔

’’نہیں۔ البتہ تمہاری بات سے ایک اور بات میرے ذہن میں آئی ہے کہ ہم اس علاقے میں براہ راست چیک پوسٹ کی طرف سے اندر جانے کی بجائے کسی اور راستے سے اندر گھس جائیں لیکن اس سے وقت بہت ضائع ہوگا‘‘...... صدیقی نے کہا۔

’’صدیقی۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے پاس مشین پسٹلز ہیں۔ یہی کافی ہیں‘‘...... خاور نے کہا۔

’’اوکے۔ اسلحہ کار کے سپیشل باکس سے نکال لو۔ پھر اللہ کا نام لے کر چل پڑتے ہیں‘‘...... صدیقی نے کہا تو سب نے کار کی سیٹ کے نیچے بنے ہوئے باکس میں سے لانگ رینج مشین پسٹلز نکال کر جیبوں میں ڈالے اور ایک بار پھر کار میں سوار آگے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ سب کے چہروں پر خاصا جوش نظر آ رہا تھا۔

کار خاصی تیز رفتاری سے آگے بڑھی چلی جا رہی تھی۔ یہ دارالحکومت کا پوش علاقہ ہے۔ کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر جی ایف جی کا ممبر اعظم اور اس کی گرل فرینڈ فرخ سائیڈ سیٹ پر موجود تھی جبکہ عقبی سیٹ پر اعظم کا ساتھی ندیم اپنی گرل فرینڈ سمیت موجود تھا۔

’’سردار نے بغیر کچھ بتائے کال کیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے‘‘...... اچانک عقبی سیٹ پر موجود ندیم نے کہا۔

’’سردار سب کچھ بتانے کا پابند نہیں ہے۔ وہاں پہنچ کر خود ہی معلوم ہو جائے گا‘‘...... اعظم نے جواب دیا۔

’’مجھے مسلسل محسوس ہو رہا ہے کہ ہم خطرے میں ہیں۔ کسی بھی لمحے کچھ بھی ہوسکتا ہے‘‘...... سائیڈ سیٹ پر بیٹھی فرخ نے کہا تو سب چونک پڑے۔

’’کیا کہہ رہی ہو۔ تمہیں کس بات کا خطرہ محسوس ہونے لگا

ہے‘‘...... اعظم نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

’’مجھے مسلسل احساس ہو رہا ہے کہ اس اطالوی مغوی بچے کے کیس کی وجہ سے ہم ذلیل ہو کر رہ جائیں گے بلکہ ہوسکتا ہے کہ ہمیں جیل کی ہوا کھانی پڑے‘‘...... فرخ نے کھل کر بات کرتے ہوئے کہا۔

’’تم ٹھیک کہہ رہی ہے۔ مجھے بھی کچھ ایسا ہی احساس ہو رہا ہے‘‘...... عقبی سیٹ پر موجود شہلا نے کہا۔

’’ارے نہیں۔ اس کا ایک فیصد چانس بھی نہیں ہے۔ ہم نے اغوا کرنے والوں کا ساتھ نہیں دینا۔ ہم تو مظلوموں کے ساتھ کھڑے ہیں۔ زرتاوان میں پچاس لاکھ ڈالرز ہم اپنی طرف سے دے رہے ہیں اور ہمارا تعلق صرف ضمانت تک ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے لئے کیا خطرہ ہوسکتا ہے‘‘...... اعظم نے کہا۔

’’یہ سب ٹھیک ہے لیکن جب سے یہ سرکاری ایجنٹس اس چکر میں داخل ہوئے ہیں مجھے ڈر محسوس ہونے لگ گیا ہے‘‘...... فرخ نے کہا۔

’’یہ سب تمہارا وہم ہے۔ اسے دل سے نکال دو‘‘...... اعظم نے کہا تو فرخ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

’’میری سمجھ میں ایک بات آئی کہ سرکاری ایجنٹس کیوں اس معاملے میں کود پڑے ہیں کہ زرتاوان ادا کر دیا جائے تاکہ مغوی اطالوی بچے کو واپس لایا جا سکے۔ اس کے بعد اغوا کنندگان کو گرفتار

کر کے ان سے تاوان وصول کر لیا جائے‘‘...... عقبی سیٹ پر موجود ندیم نے کہا۔

’’پوری دنیا کے سرکاری ملازمین کا یہی رویہ ہوتا ہے کہ یہ بوجھ اٹھانے کی بجائے اسے دور پھینک دینا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ ابھی تو حکومت ان سے روزانہ پوچھ گچھ کر رہی ہو گی لیکن جیسے ہی مغوی بچہ اطالیہ پہنچ جائے گا تو پھر وہ اسے بھول جائیں گے کیونکہ پھر ان کے سامنے کئی اور مشنز آ جائیں گے‘‘۔ اعظم نے جواب دیتے ہوئے کہا اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ سردار اعظم کے پرائیویٹ آفس میں داخل ہو رہے تھے تھے۔ سردار اعظم نے ان سے باقاعدہ مصافحہ کرتے ہوئے ان کا استقبال کیا۔

’’بیٹھو‘‘...... سردار اعظم نے کہا۔

’’شکریہ باس‘‘...... اعظم نے کہا اور ندیم اور دونوں لڑکیوں نے بھی شکریہ ادا کیا اور پھر چاروں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

’’تم رفیق عرف فیقا کو جانتے ہو‘‘...... سردار نے کہا۔

’’فیقا پہلوان۔ ہاں کئی بار اس سے مل چکے ہیں۔ سانگا شیر کا خاص اسسٹنٹ ہے۔ کیا ہوا ہے اسے‘‘...... اعظم نے کہا۔

’’اسے ہلاک کر دیا گیا ہے‘‘...... سردار اعظم نے کہا۔

’’ہلاک کر دیا ہے فیقے کو۔ اوہ۔ یہ کیسے ممکن ہوا ہے۔ وہ تو دس آدمیوں سے اکیلا لڑ سکتا تھا‘‘...... اعظم نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”کب ہوا ہے یہ واقعہ اور کہاں ہوا ہے“...... ندیم نے کہا۔

”مجھے جو رپورٹ ملی ہے اس کے مطابق چار افراد جو اپنے قدوقامت اور اپنے انداز سے سرکاری ایجنٹس دکھائی دیتے تھے کار پر کالا ہوٹل کے سامنے پہنچے اور پھر اوپر چڑھ کر کاؤنٹر پر گئے۔ کاؤنٹر پر اس وقت فیقا بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے اس فیقے سے ہی پوچھا کہ فیقا کہاں ہے۔ پہلے تو فیقے نے اپنے فیقا ہونے سے انکار کر دیا لیکن جب اسے بتایا گیا کہ اسے ایک لاکھ ڈالرز مل سکتے ہیں جس کا آدھا حصہ ابھی کیش دیا جائے گا اور آدھے کا گارنٹیڈ چیک ہو گا تو فیقے نے فوراً ہی اپنے فیقا ہونے کا اعلان کر دیا“...... سردار اعظم نے تفصیل بتائی۔

”کس بات پر اتنی بڑی رقم دی جا رہی تھی“...... عقبی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ندیم نے کہا۔

”فیقے کے نام لاٹری نکلی تھی جس کا اسے ذرا بھی علم نہ تھا۔ بہرحال فیقا اتنی بڑی دولت کا سن کر انہیں ہوٹل کی سائیڈ پر موجود اکیلے مکان میں لے گیا پھر کافی دیر بعد وہ چاروں آدمی پیدل آتے ہوئے دکھائی دیئے اور پھر وہ اپنی کار میں بیٹھ کر واپس چلے گئے۔ فیقا ان کے ساتھ نہ تھا۔

سب نے یہی سمجھا کہ وہ شاید رقم کو ٹھکانے لگانے کے لئے رک گیا ہو گا لیکن جب ایک گھنٹہ مزید گزر گیا تو ایک آدمی کو اس مکان میں بھیجا گیا تو پتہ چلا کہ فیقے کو کرسی پر رسی کی مدد سے جکڑ

کر اس کے سینے پر گولیاں مار کر ہلاک کر دیا گیا ہے اور ایک عجیب بات کہ فیقے کی ناک کے دونوں نتھنے باقاعدہ کٹے ہوئے تھے“...... سردار اعظم نے کہا۔

”ویری بیڈ چیف۔ فیقا آسانی سے مار کھانے والوں میں سے نہ تھا لیکن یہ چار آدمی کون تھے جن کا آپ ذکر کر رہے ہیں“...... اعظم نے کہا۔

”وہی سرکاری ایجنٹس۔ جن کا تم نے ذکر کیا تھا“...... سردار اعظم نے کہا۔

”اوہ۔ اوہ۔ سردار۔ میں آپ سے بات بھی کرنا چاہتا تھا لیکن بات میری ذہن سے نکل گئی۔ اب آپ کی بات سن کر مجھے یاد آ گیا ہے۔ اس گروپ جسے فورسٹارز کہا جاتا ہے یہ باقاعدہ سرکاری ایجنٹس ہے۔ ان کا سربراہ ایک مسخرہ سا آدمی ہے جو ایک فلیٹ میں ایک باورچی کے ساتھ اکیلا رہتا ہے۔ ان کا نام علی عمران بتایا گیا ہے۔ مین کہنا یہ چاہتا تھا کہ ان کا اچانک زرتاوان دینے کے اعلان کے پیچھے مجھے کچھ شر کا دھواں سا نظر آ رہا ہے“...... اعظم نے کہا۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میری سمجھ میں بھی اب آ رہا ہے کہ انہوں نے بھاری رقم دینے کا پتا اس لئے کھیلا ہے کہ ہم سب حرکت میں آ جائیں گے اور وہ ہمیں ٹریس کر کے جیلوں میں ڈال دیں گے“...... سردار اعظم نے کہا۔

’’لیکن باس۔ ہم تو ان کی نظروں میں مجرم نہیں ہیں بلکہ ہماری این۔جی او کی وجہ سے انہیں پچاس لاکھ ڈالرز جیسی خطیر رقم بھی مل جائے گی۔ الٹا وہ ہمارے حق میں ہوں گے‘‘...... اعظم نے کہا۔

’’میرا یہ مطلب نہ تھا کہ وہ آپ دونوں کو مجرم سمجھیں گے۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ اب تمہیں بھی محتاط رہنا ہو گا کیونکہ سرکاری ایجنسی کے لوگ ہر شخص کو مشکوک سمجھتے ہیں۔ اس لئے ایسا نہ ہو کہ تم کسی چکر میں پھنس جاؤ‘‘...... سردار اعظم نے کہا۔

’’ہمارا تو اب ان سے رابطہ دو روز بعد ہوگا تاکہ تاوان کی ادائیگی کی جا سکے۔ ہاں آپ نے مغوی اطالوی بچے کی واپسی کا کوئی ایسا طریقہ سوچنا ہے کہ مغوی بچہ بھی گھر پہنچ جائے اور کسی کو ہم پر اور آپ پر شک بھی نہ پڑ سکے‘‘...... اعظم نے کہا۔

’’تم بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ لاشیں تو ویرانوں میں پھینک دی جاتی ہیں لیکن بچے کو کیسے زندہ پہنچایا جائے گا‘‘...... سردار اعظم نے کہا۔

’’باس۔ اس کا فول پروف طریقہ یہ ہے کہ بچے کو کسی تھانے میں پہنچا دیا جائے اور کہا جائے کہ یہ بچہ بغیر کسی بڑے کے سڑک پر چل رہا تھا اور اگر اسے چیک نہ کیا جاتا تو یہ مر سکتا تھا۔ تھانے والے لامحالہ اس کو غیر ملکی دیکھ کر سفارت خانے میں اطلاع دیں گے اور وہاں سے یہ اپنے والدین کے پاس پہنچ جائے گا‘‘...... اعظم نے کہا۔

’’اتنا لمبا بکھیڑا ڈالنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ اسے ہمارے حوالے کر دیں اور ہم اس کا بازو پکڑ کر واپس رہائش گاہ پر لے جائیں گے اور وہ اپنے والدین کے پاس پہنچ جائے گا‘‘...... ندیم نے کہا اور پھر اس سے پہلے کہ مزید کوئی بات ہوتی فون کی گھنٹی بج اٹھی تو سردار اعظم نے رسیور اٹھا لیا۔

’’یس‘‘...... سردار اعظم نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

’’کالا شیر کی کال ہے چیف‘‘...... دوسری طرف سے کہا گیا۔

’’کراؤ بات‘‘...... چیف نے کہا اور ساتھ ہی لاؤڈر کا بٹن بھی پریس کر دیا۔

’’ہیلو۔ کالا شیر بول رہا ہوں‘‘...... چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کالا شیر کی کرخت اور کھردری آواز سنائی دی۔

’’کیوں کال کی ہے۔ کوئی خاص بات‘‘...... سردار اعظم نے کہا۔

’’سرکاری ایجنٹوں کا ایک گروپ آجکل ہمارے خلاف کام کر رہا ہے۔ پہلے انہوں نے فیقے کو گولیاں ماریں اور اب وہ سانگا شیر اور کالی بستی کے خلاف کام کرنا چاہتے ہیں‘‘...... کالا شیر نے کہا۔

’’تمہیں کیسے معلوم ہوا ہے‘‘...... چیف نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

’’وہ ایک کار میں سوار چیک پوسٹ پر پہنچے اور انہوں نے وہاں میرا نام لے کر کہا ہے کہ انہیں مجھ سے ملنا ہے اور انتہائی ضروری

پیغام پہنچانا ہے۔ میں اس وقت تو وہاں موجود نہ تھا۔ میں سرحد پر وشنو کے ڈیرے پر تھا اور اب بھی وہیں سے کال کر رہا ہوں۔ لیکن ان چاروں کے انداز بتا رہے تھے کہ وہ باز نہیں آئیں گے۔ اس لئے میں نے فون کیا ہے کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں انڈرگراؤنڈ ہو جاؤں اور اگر آپ حکم دیں تو میں اپنے ساتھیوں کی مدد سے ان چاروں کا خاتمہ کر دوں‘‘...... کالا شیر نے کہا۔

‘‘اگر تم ان کا خاتمہ کرسکتے ہو تو یہ سب سے خوش آئند بات ہے لیکن اگر نہیں کر سکتے تو پھر انڈرگراؤنڈ ہو جاؤ۔ ویسے فیقے کی موت بھی فیصلہ کرتے وقت اپنے ذہن میں رکھنا‘‘...... سردار اعظم نے کہا۔

‘‘پھر کالا شیر کا فیصلہ سن لیں۔ میں ان سب کا خاتمہ کر دوں گا اور پہلے وہ مجھے ٹریس کرتے پھر رہے تھے۔ اب مجھے ان کو ٹریس کرنا ہوگا‘‘...... کالا شیر نے کہا۔

‘‘کالا شیر بہتر ہے کہ تم کالی بستی کے اندر رہو کیونکہ اس بستی کا نظام ایسا ہے کہ وہ زندہ سلامت تم تک پہنچ ہی نہ سکیں گے‘‘۔ ندیم نے کہا۔

‘‘تم مجھے بزدلی کا سبق نہ دو۔ ورنہ تمہاری باریک سی گردن ایک لمحے میں توڑ دوں گا‘‘...... کالا شیر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

‘‘ٹھیک ہے۔ تم درست کہتے ہو لیکن جب تک اونٹ پہاڑ کے نیچے نہ آئے وہ اپنے آپ کو نجانے کتنا بڑا اور اونچا سمجھتا رہتا

ہے‘‘...... ندیم نے منہ بناتے ہوئے کہا تو سردار اعظم بے اختیار ہنس پڑا اور اس نے رسیور رکھ دیا۔

‘‘کالا شیر اگر تعلیم حاصل کر لیتا تو زیادہ کامیاب مجرم ہوتا‘‘۔ سردار اعظم نے کہا اور اعظم سمیت سب نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔

شہرہ آفاق مصنف جناب مظہر کلیم ایم اے
کی عمران سیریز کے ان قارئین کے لئے جو
نیا ناول فوری حاصل کرنا چاہتے ہیں ایک نئی سکیم
‘‘گولڈن پیکیج’’
تفصیلات کے لئے ابھی کال کیجئے
0333-6106573 & 0336-3644440

ارسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان

صدیقی کار چلاتا ہوا کالی بستی کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا کہ اچانک ایک بوڑھا آدمی کسی بڑی جھاڑی سے نکل کر بھاگ پڑا۔ اس اچانک برآمد ہونے والے بوڑھے کی جان بچانے کے لئے صدیقی نے سٹیئرنگ اس حد تک موڑ دیا کہ تیزی سے چلتی ہوئی گاڑی چار پہیوں کی بجائے دو پہیوں پر چلنے لگ گئی البتہ وہ بوڑھا کار سے ٹکرانے سے بچ گیا۔ چند لمحوں بعد کار سیدھی ہوئی تو صدیقی سمیت اس کے سب ساتھیوں نے اس طرح سانس لیا جیسے صدیوں سے وہ سانس لینا بھول چکے ہوں۔ صدیقی کا چہرہ پسینے میں ڈوب گیا تھا۔ ایسی ہی حالت سب کی ہو رہی تھی۔

”یا اللہ۔ تیرا شکر ہے“...... سب نے کہا اور پھر صدیقی نے کچھ آگے جا کر کار روک دی۔ وہ بوڑھا دوبارہ کسی بڑی اور گھنی جھاڑی کی اوٹ ہو گیا کیونکہ دور دور تک جھاڑیوں سے بھرا میدان ہی نظر آ رہا تھا۔

”بزرگوار سامنے آئیں۔ ہم آپ کو کچھ نہیں کہیں گے۔ صرف آپ کو زندہ بچ جانے کی مبارکباد دینی ہے“۔ صدیقی نے اونچی آواز میں کہا تو وہی بوڑھا واقعی ایک گھنی جھاڑی سے باہر آ گیا۔

”مم۔ مم۔ مجھے مت مارو۔ مجھے مت مارو۔ پہلے بھی تم نے میری جوان بیٹی کو مار دیا تھا۔ میری بے گناہ بیٹی کو مار دیا تھا تم نے“...... بوڑھے نے یکلخت دونوں ہاتھ جوڑ کر انتہائی دردناک لہجے میں کہا تو صدیقی سمیت اس کے سب ساتھیوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

”بے فکر رہو بابا جی۔ آپ کو بچانے کے لئے تو ہم سب نے اپنی جانوں کا رسک لیا ہے“...... صدیقی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھی بھی بوڑھے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ بوڑھا مسلسل ہاتھ جوڑے کھڑا رو رہا تھا اور دردناک آواز میں مسلسل کہہ رہا تھا کہ مجھے مت مارو۔ تم نے پہلے ہی میری جوان بے گناہ بیٹی کو مار دیا تھا۔ صدیقی نے اس کے کاندھے پر محبت بھرے انداز میں ہاتھ رکھا تو بوڑھا یکلخت اس طرح خاموش ہو گیا جیسے اس کا مسئلہ حل ہو گیا ہو۔

”کیا ہوا تھا بزرگوار۔ آپ کی بیٹی کو کس نے مارا ہے“۔ صدیقی نے انتہائی نرم لہجے میں کہا۔

”میری بیٹی کو بچاؤ۔ خدا کے لئے میری جوان بیٹی کو بچاؤ“۔ بوڑھے نے ایک بار پھر روتے ہوئے کہا۔

‘‘آپ ہمیں تفصیل سے بتائیں۔ ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ آپ کی بیٹی کو ان ظالموں نے مار دیا ہے اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ ہم اسے بچالیں۔ بولیں کہاں ہے آپ کی بیٹی۔ ہم پہلے یہی کام کریں گے۔ اپنا کام بعد میں کریں گے’’...... صدیقی نے بوڑھے کے کاندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

‘‘ایک ہی بات ہے۔ اب میری بیٹی کبھی مجھے نہیں ملے گی۔ اس لئے میری طرف سے وہ مرگئی’’...... بوڑھے نے کہا۔

‘‘آپ بتائیں تو سہی۔ آپ کی بیٹی کہاں ہے اس وقت اور کس کے قبضے میں ہے’’...... صدیقی نے کہا۔

‘‘میرا نام جبار ہے اور میں پہلے منشیات فروشی کا کام کرتا تھا۔ بڑے طویل عرصے تک میری کوئی اولاد نہ ہوئی تو میں مایوس ہو گیا لیکن میں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر لیا کہ آئندہ میں منشیات فروخت نہ کروں گا۔ محنت مزدوری کروں گا اور اللہ تعالیٰ نے مجھ جیسے گناہ گار کی سن لی اور میری بیٹی کلثوم پیدا ہوئی۔ وہ بے حد خوبصورت تھی۔ میری بیوی اس کی پیدائش کے دو ہفتوں بعد ہی وفات پا گئی تو میں نے دن رات محنت کر کے اس کی پرورش کی۔ اسے پڑھایا لکھایا وہ ہائی سکول میں پڑھتی تھی ایک دن وہ سکول سے پڑھ کر واپس آ رہی تھی کہ کالا شیر وہاں سے گزرا۔ اس نے میری بیٹی کو دیکھ لیا اور پھر اس کے کارندے دن دیہاڑے اسے سڑک سے اٹھا لے گئے۔ مجھے جب اطلاع ملی تو میں دوڑتا ہوا کالا شیر کے پاس پہنچا اور فریاد کی لیکن اس نے نہ صرف مجھے دھتکار دیا بلکہ دھکے مار کر وہاں سے باہر نکال دیا۔ تب سے میں روتا پیٹتا رہتا ہوں۔ آج آپ کی کار دیکھ کر اچانک میرے ذہن پر اس بات نے غلبہ حاصل کر لیا کہ میں خودکشی کر لوں میں نے آپ کی کار کے سامنے آ کر مرنے کی کوشش کی لیکن آپ لوگوں نے مجھے بچانے کی کوشش کی اور میں بچ گیا لیکن اب میں کسی کے پاس جاؤں کس سے فریاد کروں’’...... بوڑھے جبار نے رو رو کر باتیں کرتے ہوئے کہا۔

‘‘آپ کو معلوم ہے کہ کالا شیر اس وقت کہاں ہو گا’’...... صدیقی نے کہا۔

‘‘ہاں۔ وہ دو روز پہلے میری بیٹی کو ساتھ لے کر پاکیشیا اور کافرستان کی سرحد پر واقع ایک بستی میں گیا تھا اور اب بھی وہیں موجود ہے۔ وشنو سنگھ کا ڈیرہ مشہور ہے۔ وشنو ہے تو اسمگلر لیکن وہ ہر قسم کی اسمگلنگ کرتا ہے۔ ان میں بچوں کی اور عورتوں اسمگلنگ بھی شامل ہے۔ دنیا کا ہر جرم وہ لوگ کھلے عام کرتے ہیں۔ یہ عورتیں فروخت کرتے ہیں۔ ہر ماہ کے پہلے سنیچر کو وشنو کے ڈیرے پر ایک منڈی لگائی جاتی ہے اور کافرستان کی اغوا شدہ عورتیں یہاں لائی جاتی ہیں اور اسی طرح پاکیشیا سے اغوا کی گئیں عورتیں بھی یہاں لائی جاتی ہیں۔ پھر ان کے سودے ہوتے ہیں اور خرید و فروخت مکمل ہونے کے بعد منڈی ختم ہو جاتی ہے اور عورتیں ایک

دوسرے کے حوالے کر دیتے ہیں اور یہ منڈی آج سے پانچ روز بعد پھر لگے گی‘‘...... بوڑھے جبار نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

‘‘آپ کو یہ سب تفصیل کیسے معلوم ہوئی’’...... صدیقی نے کہا تو بوڑھے جبار نے بے اختیار رونا شروع کر دیا۔

‘‘کیا ہوا ہے۔ خاموش ہو جائیں۔ ہمیں بتائیں پلیز’’۔ صدیقی نے نرم لہجے میں کہا۔

‘‘میں کیا بتاؤں۔ میں کتنا بدبخت ہوں کہ کالا شیر کے ملازم کے طور پر میں اس کی ہر برائی میں ساتھ دیتا رہا۔ یہ سزا بھی اسی لئے مجھے مل رہی ہے۔ آج میری بیٹی بازار میں بکنے چلی گئی ہے’’۔ بوڑھے جبار نے روتے ہوئے کہا۔ اس نے اونچی آواز میں گڑگڑاتے ہوئے اپنی بیٹی کے لئے دعائیں کرنا شروع کر دیں۔

‘‘بابا آپ کالا شیر کو پہچانتے ہیں’’...... صدیقی نے اسے کاندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

‘‘ہاں۔ میں دس سال تک اس کے ساتھ رہا ہوں’’...... بوڑھے جبار نے کہا۔

‘‘آپ نے بھی تو وشنو سنگھ کا ڈیرہ دیکھا ہو گا۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں ہم آپ کی بیٹی کلثوم بی بی کو چھڑوا لائیں گے’’۔ صدیقی نے کہا۔

‘‘کالا شیر کی گرفت سے آج تک کوئی نہیں نکل سکا۔ آپ کیسے کریں گے۔ وہ تو انتہائی طاقتور، ظالم اور سفاک لوگ ہیں اور اب

منڈی کی تاریخ نزدیک ہے۔ اس لئے وہاں مسلح افراد بھی زیادہ ہوں گے’’...... بوڑھے جبار نے کہا۔

‘‘اس بات کو چھوڑیں۔ قدرت ظالم کو کھلا نہیں چھوڑ دیتی۔ ایک وقت مقررہ تک وہ سمجھتا ہے کہ وہ سپریم ہے لیکن پھر مکافات عمل کا وقت آ جاتا ہے اور بڑے بڑے فرعون منہ کے بل گرے پڑے ہوتے ہیں اور ان کو جوتے مارنا بھی وقت ضائع کرنے کے مترادف ہو جاتا ہے’’...... صدیقی نے باقاعدہ تقریر شروع کرتے ہوئے کہا۔

‘‘یا اللہ۔ مجھ گنہگار پر تو نے رحم کر دیا ہے۔ میں اس قابل نہ تھا لیکن تو اکبر ہے۔ تو مظلوموں کا ساتھ دیتا ہے’’۔ بوڑھے جبار نے جھولی اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنا شروع کر دیں۔

‘‘آؤ چلیں۔ دیر ہو رہی ہے’’...... صدیقی نے کہا اور پھر بوڑھے جبار کو عقبی سیٹ پر بیٹھا کر سائیڈوں میں نعمانی اور چوہان بیٹھ گئے جبکہ ڈرائیونگ صدیقی کر رہا تھا اور سائیڈ سیٹ پر خاور بیٹھ گیا تھا۔

‘‘یہ سڑک کہاں تک جاتی ہے’’...... صدیقی نے پوچھا۔

‘‘یہ من موہنی روڈ ہے۔ پاکیشیا اور کافرستان جب ایک ہی ملک تھا تو یہ سڑک یہاں سے گزر کر کافرستان کے ایک بڑے شہر لوہاتھ تک جاتی تھی۔ اب بھی جاتی ہے لیکن چیک پوسٹ پر شدید چیکنگ کے بعد دوسری طرف بھیجا جاتا ہے’’...... بوڑھے جبار نے تفصیل

بتاتے ہوئے کہا۔

”وشنو کا ڈیرہ پاکیشیائی سرحد پر ہے یا کافرستانی“۔ صدیقی نے پوچھا۔

”کافرستانی سرحد کے اندر تقریباً دو میل کے فاصلے پر“۔ بوڑھے جبار نے کہا۔

”تو یہ سب سرحد کیسے کراس کرتے ہوں گے بغیر پاسپورٹ اور ویزے کے“...... چوہان نے کہا۔

”جہاں کالے شیر اور وشنو سنگھ کا نام چلے۔ وہاں کسی کو روکا نہیں جا سکتا“...... بوڑھے جبار نے جواب دیا۔

”تو ہمیں چیک پوسٹ پر یہ نام لینے پڑیں گے“...... صدیقی نے کہا۔

”آپ بے فکر رہیں۔ اگر آپ میری بیٹی کی مدد کے لئے اپنے کام چھوڑ کر جا رہے ہیں تو کیا میں اس کام میں مدد نہ کروں گا۔ مجھے وہاں کے سارے راز معلوم ہیں آپ بے فکر ہو کر چلیں“۔ بوڑھے جبار نے کہا اور صدیقی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”کیا آپ کنفرم ہیں بابا کہ کالا شیر وہاں ہو گا وشنو کے ڈیرے پر“...... اس بار چوہان نے پوچھا۔

”چونکہ منڈی لگنے کی تاریخ قریب ہے۔ اس لئے اب وہ اپنی عورتیں فروخت کر کے ہی واپس آئے گا“...... بوڑھے جبار نے کہا۔

”کیا کافرستان کی عورتیں یہاں نہیں بک سکتیں کہ کالا شیر پاکیشیائی عورتیں بھی وہاں فروخت کرتا ہے“...... اس بار خاور نے کہا۔

”مجھے نہیں معلوم۔ ہو سکتا ہے کہ پاکیشیائی قانون کافرستان کی نسبت زیادہ سخت ہو“...... بوڑھے جبار نے کہا۔

”اب آپ اپنی بیٹی کے ساتھ کہاں رہیں گے“...... خاور نے پوچھا۔

”مجھے سو فیصد یقین ہے کہ جیسے ہی انہیں معلوم ہو گا کہ آپ سب کلثوم بی بی کو چھڑانے آئے ہیں تو وہ مخصوص اشارہ کریں گے اور اس اشارے پر فوری عمل ہو گا اور کلثوم کو گولی مار کر اس کی لاش کو برقی بھٹی میں ڈال کر راکھ کر دیا جائے گا اور جب بات چیت ہو گی تو انہوں نے پوری عمارت کا معائنہ کرنے کے لئے کہنا ہے تاکہ کوئی شک نہ پڑے“۔ بوڑھے جبار نے کہا۔

”ایسا کیوں ہوتا ہے“...... صدیقی نے پوچھا۔

”اس لئے ہوتا ہے کہ گو ہمارے ملک میں بھی یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے لیکن یہاں کی عوام اس جرم کو دنیا کا بھیانک، ترین جرم قرار دیتی ہے اور ایسے مجرموں کو مجرم کی بجائے پاگل کتے کہا اور سمجھا جاتا ہے“...... بوڑھے جبار نے جواب دیا۔

”بابا جبار۔ آپ یہ بتائیں کہ جس بستی میں وشنو کا ڈیرہ ہے۔ وہاں کتنے اور گھر ہیں“...... صدیقی نے پوچھا۔

''جناب عالی۔ وشنو کا ڈیرہ ہے گھر نہیں ہے اور دیہاتوں میں ڈیرے آپ نے دیکھے ہوں گے۔ یہ بھی اسی طرح کا ڈیرہ ہے۔ یہاں بے شمار رہائشی کمرے، باتھ، کچن اور برآمدے وغیرہ ہیں''۔ بابا جبار نے کہا۔

''یہ کیسے پتہ چلے گا کہ کالا شیر کہاں موجود ہے اور تمہاری بیٹی کہاں ہے''...... صدیقی نے کہا۔

''یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ وہاں کے لوگ ہی بتائیں گے''...... بابا جبار نے کہا۔

''یہاں ہمیں تنویر ایکشن کرنا پڑے گا''...... صدیقی نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ ویسے بھی یہ بدمعاش لوگ موٹے دماغ کے لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے لئے تنویر ایکشن زیادہ درست رہے گا''۔ خاور نے کہا اور سب نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔

''بابا جبار۔ ڈیرے کا گیٹ کھلا رہتا ہے یا اسے کھلوانا پڑے گا''...... صدیقی نے بابا جبار سے پوچھا۔

''ڈیرے کے دروازے ہی نہیں ہوتے۔ اندر کمروں میں چابی تالے کا مسئلہ ہوتا ہے لیکن ڈیرے کا بڑا گیٹ رکھنا دیہاتی کلچر میں عجیب سمجھا جاتا ہے''...... بابا جبار نے جواب دیتے ہوئے کہا اور اس بار سب نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔ پھر ایک موڑ مڑتے ہی وہ ایک کچی سڑک پر پہنچ گئے۔

''آ گئی سرحد۔ آپ کار کو دائیں طرف موڑ کر لے چلیں''۔ بابا جبار نے کہا تو صدیقی نے اس کے کہنے پر کار کو اس طرف موڑ دیا۔

''سرحد کہاں ہے''...... صدیقی نے کہا۔

''وہ سامنے دور درختوں کا ایک جھنڈ نظر آ رہا ہے۔ یہ درخت کافرستان کی سرحد میں ہیں لیکن ان کا پھل سب کھاتے ہیں''۔ بابا جبار نے کہا اور سب نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔ پھر درختوں کے اس جھنڈ کے قریب پہنچ کر بابا جبار کے کہنے پر کار روک دی گئی۔

''میں ان سے بات کر کے آ رہا ہوں''...... بابا جبار نے کہا اور کار سے اتر کر چیک پوسٹ کی سائیڈ میں موجود کمرے میں داخل ہو گیا۔ دس منٹ بعد وہ واپس آیا تو ایک سپاہی نے راڈ اٹھا دیا اور صدیقی نے کار آگے بڑھا دی۔

''کیا ہوا تھا''...... صدیقی نے تجسس بھرے لہجے میں پوچھا۔

''میں نے اسے کہا کہ کالا شیر ان دنوں ڈیرے پر ہیں اور انہوں نے ان لوگوں کو بلوایا ہے۔ میں بطور محافظ ان کے ساتھ ہوں تو اس نے ایک کاغذ پر مہر لگائی اور راہداری کا کاغذ مجھے دے دیا''...... جبار نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

''کہاں ہے وہ کاغذ''...... صدیقی نے کہا تو بابا جبار نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر اسے دے دیا۔ صدیقی نے اسے دیکھا تو اس پر کاؤسن کی چیک پوسٹ کی مہر لگائی گئی تھی۔

”اس کا مطلب ہے کہ ہم کافرستان میں جہاں چاہیں چلے جائیں۔ یہ راہداری ہی دکھانا پڑے گی“...... چوہان نے کہا۔

”نہیں جناب۔ یہ راہداری حکومت کی طرف سے دی جاتی ہے۔ ہم صرف نزدیکی کافرستانی شہررام پور تک جا سکتے ہیں“...... بابا جبار نے تفصیل سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”اب اس وشنو کے ڈیرے تک مزید کتنی دیر لگے گی“۔ صدیقی نے پوچھا۔

”بس اب نزدیک آ گیا ہے ڈیرہ......“ بابا جبار نے کہا۔ اگلے چوک سے دائیں ہاتھ پر مڑ کر کچھ آگے جا کر گاؤں کی آبادی کے آثار نظر آنے شروع ہو گئے۔ اکا دکا ریڑھیاں بھی آ جا رہی تھیں۔ پھر کچھ آگے جانے کے بعد بابا جبار کی رہنمائی میں وہ ایک کافی پرانے فارم ہاؤس طرز کے ڈیرے کے قریب پہنچ گئے اس کا واقعی کوئی گیٹ نہ تھا۔ اندر چارپائیوں پر دو دو افراد بیٹھے ہوئے تھے جبکہ سامنے موجود لمبے سے برآمدے میں بھی تین چار مسلح افراد موجود تھے۔ اسی لمحے ایک مشین گن سے مسلح آدمی نے آواز دے کر انہیں روکا اور پھر وہ دوڑتا ہوا سائیڈ کے برآمدے سے باہر آیا اور صدیقی اور اس کے ساتھیوں کی طرف بڑھنے لگا۔

”کیا بات ہے۔ کون ہو تم اور یہاں کیوں آئے ہو“...... اس آدمی نے قریب آ کر انہیں غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”وشنو کا ڈیرہ یہی ہے“...... صدیقی نے کہا۔

”ہاں۔ یہی ہے“...... مشین گن سے مسلح آدمی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”اور کالا شیر بھی یہیں ہے“...... صدیقی نے کہا۔

”ہاں ہے پھر“...... اس آدمی نے اس بار غصیلے لہجے میں کہا۔

”ہم نے وشنو اور کالا شیر سے بات کرنی ہے عورتوں کی منڈی کے سلسلے میں“...... صدیقی نے کہا تو اس کی بات سن کر وہ آدمی بے اختیار اچھل پڑا۔

”تمہیں کس نے بتایا ہے کہ یہاں منڈی ہوتی ہے“...... مسلح آدمی نے کہا۔

”کیا ہو رہا ہے پھجو۔ کیوں چیخ رہے ہو“...... اسی لمحے دور سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔

”سردار۔ چار آدمی جنہوں نے سوٹ پہنے ہوئے ہیں۔ آئے ہیں اور آپ سے اور کالا شیر سے ملنا چاہتے ہیں۔ ان سے بات ہو رہی تھی“...... پھجو نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

”تو انہیں بڑے کمرے میں بٹھاؤ۔ ہم آ رہے ہیں“...... وہی آواز سنائی دی۔

آیئے جناب۔ اب تو وشنو نے آپ کو بیٹھنے کی اجازت دے دی ہے ورنہ وہ تو بڑے سے بڑے افسر سے ملنے سے انکار کر دیتے ہیں“...... پھجو نے اس بار ایسے نرم لہجے میں کہا جیسے پھجو کی جنس ہی تبدیل ہو گئی ہو۔ کچھ دیر بعد وہ ایک بڑے سے کمرے

میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جہاں آٹھ دس کرسیاں اور دو میزیں بھی موجود تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ تین بڑے بڑے تخت پوش پڑے ہوئے تھے کیونکہ کافرستانی میں کچھ لوگ کرسیوں پر بیٹھنے کی بجائے زمین پر بیٹھنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اس لئے تخت پوش رکھے ہوئے تھے۔ صدیقی اور اس کے ساتھی ایک طرف کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔ پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد پردہ ہٹا اور ایک درمیانے قد لیکن بھاری جسم کا آدمی جس کی بڑی بڑی مونچھیں تھیں اندر داخل ہوا۔ صدیقی نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا تو صدیقی کے سارے ساتھی بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

”میرا نام رضا ہے اور یہ میرے ساتھی ہیں۔ آپ وشنو ہیں یا کوئی اور“...... صدیقی نے کہا۔

”میں وشنو ہوں اور یہ ڈیرہ میرا ہے۔ بولیں۔ آپ کھل کر بولیں۔ جو لوگ باوجود کوشش کے کوئی کام نہ کر سکیں وہ میں کر دیتا ہوں“۔ وشنو نے اعتماد بھرے لہجے میں کہا۔

”ہم نے یہاں ہر ماہ کے پہلے سنیچر کو لگنے والی عورتوں کی منڈی کے سلسلے میں کالا شیر سے بات کرنی تھی“...... صدیقی نے کہا۔

”کیا بات کرنی ہے۔ مجھے بتائیں۔ منڈی میں لگاتا ہوں“۔ وشنو نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

”ایک عورت کو کالا شیر منڈی میں بیچنے کے لئے لایا ہے اس کا نام کلثوم ہے۔ وہ ہمیں چاہئے۔ دوسرے لفظوں میں ہم اسے خریدنا

چاہتے ہیں۔ کالا شیر اس عورت کی جو چاہے رقم لے لے“۔ صدیقی نے کہا۔

”آپ تین روز تک رک جائیں کھلے عام نیلامی میں خرید لیں“...... وشنو نے کہا۔

”ہم کھلے عام یہ کام نہیں کرسکتے“...... صدیقی نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ آپ بیٹھیں۔ میں خود جا کر کالا شیر کو لے آتا ہوں“...... وشنو نے کہا اور واپس دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ صدیقی نے جیب سے مشین پسٹل نکالا تو وہ بے اختیار چونک پڑا۔ پسٹل پر تیز نیلے رنگ کی شعاعیں ناچ رہی تھیں۔

”اوہ۔ اوہ۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ خالی غنڈے نہیں ہیں۔ یہاں اسلحے کو ناکارہ کرنے والی ریز کا سیٹ اپ کیا گیا ہے۔ اب ہمارے پسٹلز کم از کم اس کمرے میں تو کام نہیں کریں گے اس لئے جو کرنا ہاتھوں سے کرنا ہے لیکن پہلے ہم اس بابا کی بیٹی تک پہنچ جائیں“...... صدیقی نے کہا اور پھر چند لمحوں بعد ایک بھاری لیکن ورزشی جسم کا مالک جس نے بڑی بڑی مونچھیں رکھی ہوئی تھیں اور سر سے گنجا تھا اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ وشنو بھی تھا۔

”کالا شیر۔ یہ لوگ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ تم ان سے بات کرو۔ میں پانچ منٹ تک آتا ہوں“...... وشنو نے کہا اور وشنو کے مڑ جانے کے بعد کالا شیر، صدیقی اور اس کے ساتھیوں کی طرف مڑا۔

‘‘تو فیقے کو تم لوگوں نے ہلاک کیا ہے لیکن یہاں کا پتہ تمہیں کس نے دیا ہے۔ تم کس کے ساتھ آئے ہو’’...... کالا شیر نے دبنگ لہجے میں کہا۔

‘‘ہم کسی فیقے ویکے کو نہیں جانتے۔ ہم تو تم سے سودا کرنے آئے ہیں’’......صدیقی نے کہا۔

‘‘سودا۔ کیسا سودا’’...... کالا شیر نے چونک کر اور حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

‘‘تم یہاں منڈی میں بیچنے کے لئے جو عورت پاکیشیا سے لے آئے ہو۔ ہم وہ تم سے خریدنا چاہتے ہیں۔ بولو کتنی رقم دوں’’۔ صدیقی نے کہا تو کالا شیر بڑی عجیب سی نظروں سے صدیقی اور اس کے ساتھیوں کو دیکھنے لگا۔

‘‘دو تین روز بعد منڈی لگے گی۔ خرید لینا۔ مجھے کیا اعتراض ہے لیکن تمہیں کس نے بتایا ہے کہ وہ لڑکی میرے پاس ہے اور میں اسے منڈی میں لایا ہوں’’...... کالا شیر نے کہا۔

‘‘عورت کی قیمت بولو۔ تم نے تو فروخت ہی کرنا ہے اسے’’...... صدیقی نے کہا۔

‘‘دس لاکھ روپے سے بولی کا آغاز ہوتا ہے۔ اب تم بول دو’’۔ کالا شیر نے کہا۔

‘‘بیس لاکھ روپے فائنل بولی’’......صدیقی نے کہا۔

‘‘ٹھیک ہے۔ مجھے منظور ہے۔ لاؤ رقم اور لے جاؤ اس عورت

کو’’......کالا شیر نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔ اسی لمحے پردہ ہٹا اور وشنو اندر داخل ہوا۔

‘‘کچھ پتہ چلا کہ یہ دراصل کون ہیں’’...... وشنو نے کالا شیر سے مخاطب ہو کر کہا۔

‘‘یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ صرف ایک عورت خریدنے آئے ہیں اور تمہیں معلوم ہے کہ کتنی رقم پر بولی طے ہوئی ہے۔ بیس لاکھ روپے اور میں نے لیس کر دیا ہے’’...... کالا شیر نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

‘‘اچھا۔ کون سی عورت’’...... وشنو نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

‘‘وہ جو میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔ کلثوم’’......کالا شیر نے جواب دیا۔

‘‘ہمیں اس عورت سے ملاؤ۔ اس کے بعد رقم لو تاکہ ہم اسے ساتھ لے کر واپس چلے جائیں’’...... صدیقی نے کہا۔

‘‘تم اکیلے دیکھو گے یا یہ تمہارے ساتھی بھی’’...... کالا شیر نے پوچھا۔

‘‘تم اسے یہاں لے آؤ۔ مجھ سے چیک لو اور ہم یہیں سے واپس چلے جائیں گے’’......صدیقی نے کہا۔

‘‘چیک۔ اوہ چیک میں نہیں لیتا’’...... کالا شیر نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

‘‘یہ گارنٹیڈ چیک ہے’’......صدیقی نے کہا۔

”اوہ۔ پھر ٹھیک ہے“...... کالا شیر نے ایک بار پھر خوش ہوتے ہوئے کہا تو صدیقی نے جیب سے چیک بک نکال کر اپنے سامنے میز پر رکھ لی۔ پھر تھوڑی دیر بعد پردہ ہٹا اور ایک نوجوان لڑکی جس نے عام سے کپڑے پہنے ہوئے تھے، کمرے میں آئی۔ اس کے چہرے پر شدید پریشانی اور غم کے تاثرات نمایاں تھے۔

”تمہارا نام کلثوم ہے“...... صدیقی نے اس لڑکی سے پوچھا۔

”ہاں“...... لڑکی نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد جواب دیا۔

”تمہارے باپ کا کیا نام ہے بتاؤ تاکہ تمہاری پہچان ہو سکے“۔ صدیقی نے کہا۔

”ان کا نام جبار ہے“...... لڑکی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”اوکے۔ ٹھیک ہے۔ یہ لیں چیک اور اسے ہمارے ساتھ بھجوا دیں“...... صدیقی نے کہا اور ساتھ ہی ایک چیک پر دستخط کر کے اسے چیک بک سے الگ کیا اور کالا شیر کو دے دیا۔ کالا شیر نے چیک کو غور سے دیکھا اور پھر مطمئن ہو کر اس نے چیک تہہ کر کے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

”لڑکی تم ہماری طرف سے آزاد ہو۔ اب تم نے ان کے ساتھ جانا ہے۔ تمہارے سامنے انہوں نے ہماری منہ مانگی قیمت دے دی ہے“...... کالا شیر نے کہا۔ کلثوم خاموش کھڑی رہی۔

”آؤ ہمارے ساتھ۔ تم واقعی آزاد ہو۔ ہم تمہارے والد کے دوست ہیں“...... صدیقی نے آہستہ سے کہا تو لڑکی چونک پڑی۔

ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر خوشی کے تاثرات ابھرے لیکن پھر کچھ سوچ کر وہ دوبارہ حسرت و یاس میں ڈوب گئی۔

”رستم۔ تم اس لڑکی کو باہر لے جا کر وہاں موجود کار میں بٹھا دو اور جب تک ہم واپس نہ آئیں تم نے اس لڑکی کا خیال رکھنا ہے۔ ہم نے چار لڑکیوں جتنی رقم ایک لڑکی کی ادا کی ہے۔ کہیں یہ بھاگ نہ جائے“...... صدیقی نے ساتھ کھڑے نعمانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”لیس باس۔ آؤ لڑکی“...... نعمانی نے کہا اور پھر وہ لڑکی کو ساتھ لے کر برآمدے کو کراس کرتا ہوا بیرونی گیٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

”یہ معاملہ تو مکمل ہو گیا۔ اب دوسرا معاملہ۔ اس میں بھی تمہیں رقم مل سکتی ہے“...... صدیقی نے کالا شیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”وہ کیا“...... کالا شیر نے چونک کر کہا۔

”تم نے ایک بچے کو اغوا کیا ہے اور تم اس کے عوض بھاری تاوان حاصل کرنا چاہتے ہو۔ گو تمہاری بات طے ہو چکی ہے لیکن تمہیں دھوکہ دیا جا سکتا ہے“...... صدیقی نے کہا تو کالا شیر بے اختیار اچھل پڑا۔

”تم اس معاملے کو کس حد تک جانتے ہو۔ کیا تم سرکاری ایجنٹ ہو“...... کالا شیر نے بے چین سے لہجے میں کہا۔

”سرکاری ایجنٹ ایسے بھاری رقمیں دے کر اغوا شدہ افراد کو

”اوہ۔ پھر ٹھیک ہے“...... کالا شیر نے ایک بار پھر خوش ہوتے ہوئے کہا تو صدیقی نے جیب سے چیک بک نکال کر اپنے سامنے میز پر رکھ لی۔ پھر تھوڑی دیر بعد پردہ ہٹا اور ایک نوجوان لڑکی جس نے عام سے کپڑے پہنے ہوئے تھے، کمرے میں آئی۔ اس کے چہرے پر شدید پریشانی اور غم کے تاثرات نمایاں تھے۔

”تمہارا نام کلثوم ہے“...... صدیقی نے اس لڑکی سے پوچھا۔

”ہاں“...... لڑکی نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد جواب دیا۔

”تمہارے باپ کا کیا نام ہے بتاؤ تاکہ تمہاری پہچان ہو سکے“۔ صدیقی نے کہا۔

”ان کا نام جبار ہے“...... لڑکی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”اوکے۔ ٹھیک ہے۔ یہ لیں چیک اور اسے ہمارے ساتھ بھجوا دیں“...... صدیقی نے کہا اور ساتھ ہی ایک چیک پر دستخط کر کے اسے چیک بک سے الگ کیا اور کالا شیر کو دے دیا۔ کالا شیر نے چیک کو غور سے دیکھا اور پھر مطمئن ہو کر اس نے چیک تہہ کر کے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

”لڑکی تم ہماری طرف سے آزاد ہو۔ اب تم نے ان کے ساتھ جانا ہے۔ تمہارے سامنے انہوں نے ہماری منہ مانگی قیمت دے دی ہے“...... کالا شیر نے کہا۔ کلثوم خاموش کھڑی رہی۔

”آؤ ہمارے ساتھ۔ تم واقعی آزاد ہو۔ ہم تمہارے والد کے دوست ہیں“...... صدیقی نے آہستہ سے کہا تو لڑکی چونک پڑی۔

ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر خوشی کے تاثرات ابھرے لیکن پھر کچھ سوچ کر وہ دوبارہ حسرت و یاس میں ڈوب گئی۔

”رستم۔ تم اس لڑکی کو باہر لے جا کر وہاں موجود کار میں بٹھا دو اور جب تک ہم واپس نہ آئیں تم نے اس لڑکی کا خیال رکھنا ہے۔ ہم نے چار لڑکیوں جتنی رقم ایک لڑکی کی ادا کی ہے۔ کہیں یہ بھاگ نہ جائے“...... صدیقی نے ساتھ کھڑے نعمانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”یس باس۔ آؤ لڑکی“...... نعمانی نے کہا اور پھر وہ لڑکی کو ساتھ لے کر برآمدے کو کراس کرتا ہوا بیرونی گیٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

”یہ معاملہ تو مکمل ہو گیا۔ اب دوسرا معاملہ۔ اس میں بھی تمہیں رقم مل سکتی ہے“...... صدیقی نے کالا شیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”وہ کیا“...... کالا شیر نے چونک کر کہا۔

”تم نے ایک بچے کو اغوا کیا ہے اور تم اس کے عوض بھاری تاوان حاصل کرنا چاہتے ہو۔ گو تمہاری بات طے ہو چکی ہے لیکن تمہیں دھوکہ دیا جا سکتا ہے“...... صدیقی نے کہا تو کالا شیر بے اختیار اچھل پڑا۔

”تم اس معاملے کو کس حد تک جانتے ہو۔ کیا تم سرکاری ایجنٹ ہو“...... کالا شیر نے بے چین سے لہجے میں کہا۔

”سرکاری ایجنٹ ایسے بھاری رقمیں دے کر اغوا شدہ افراد کو

نہیں چھڑاتے۔ ہم مڈل ڈیل کرنے والے لوگ ہیں۔ اگر تمہیں تمہاری مطلوبہ رقم مل جائے اور اگر ہم بھی کچھ کما لیں گے تو تمہیں کیا فرق پڑتا ہے''...... صدیقی نے کہا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ یہ سودا کتنے میں طے ہوا ہے''...... کالا شیر نے کہا۔

''ہاں مجھے معلوم ہے۔ دو کروڑ ڈالرز میں''...... صدیقی نے کہا۔

''اتنی رقم تم دے سکتے ہو''...... کالا شیر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''سنو۔ مجھے معلوم ہے کہ سودا دو کروڑ ڈالرز میں ہوا ہے لیکن یہ بات تم نے کیسے کہہ دی کہ ہم دو کروڑ ڈالرز ادا نہیں کر سکتے۔ میری بات سنو۔ ہم مڈل ڈیل گروپ اس طالوی بچے کے عوض تمہیں تین کروڑ ڈالرز دیں گے۔ بچہ ہمارے حوالے کرو اور تین کروڑ ڈالرز کا گارنٹیڈ چیک لے لو۔ یہاں لڑکا ہے تو ابھی سودا ہو سکتا ہے ورنہ جہاں بھی ہو، وہاں پہنچ کر معاملہ طے ہو سکتا ہے''۔ صدیقی نے کہا تو کالا شیر کے چہرے پر چند لمحوں کے لئے انتہائی حیرت کے تاثرات ابھرے اور پھر سوچ کے تاثرات ابھر آئے۔

''اس وقت ہم کافرستان میں ہیں اور لڑکا تو پاکیشیا میں ہے اور وہ ایسی جگہ پر ہے جہاں ہم کسی کو بھی اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے البتہ تم رقم ابھی دے دو اور لڑکے کی واپسی کے لئے دو روز کا وقت دے دو تو ہم دو روز بعد لڑکا تمہارے حوالے کر دیں گے بشرطیکہ چیک کلیئر ہو گیا''...... کالا شیر نے ایسے لہجے میں کہا جس سے معلوم

ہوتا تھا کہ بہت بڑی رقم ملنے کے سلسلے میں شک و شبہ کا شکار تھا۔

''سوری کالا شیر۔ سودا وہ اچھا ہوتا ہے جو فوراً ہو۔ اگر تم دو روز بعد لڑکے کو ہمارے حوالے کرو گے تو اس دوران یہ بیس لاکھ کا چیک کیش ہو جائے گا تو تمہیں اطمینان بھی ہو جائے گا۔ ہم بے ایمانی نہیں کرتے۔ اس لئے کوئی مڈل ڈیل کے خلاف انگلی بھی نہیں اٹھاتا اور ہاں۔ اگر تم بتا دو کہ لڑکا کہاں ہے تو ہم سودا ابھی کر لیتے ہیں۔ تم چیک لے لو۔ ہم خود جا کر لڑکا لے آئیں گے''...... صدیقی نے کہا۔

''تم کیسے لے سکتے ہو۔ وہاں تک تمہارا کیا۔ کسی اجنبی کا پہنچنا ہی محال ہے''...... کالا شیر نے کہا۔

''اوکے۔ ٹھیک ہے۔ پھر ہمیں اجازت دو۔ دور روز بعد کہاں ملاقات ہو گی۔ یہ تم بتا دو۔ ہم وہاں پہنچ جائیں گے''...... صدیقی نے کہا۔

''دارالحکومت کے مضافاتی علاقے سورج نگر میں ایک کلب ہے سورج کلب۔ وہاں تم دو روز بعد پہنچ جانا۔ کاؤنٹر پر میرا نام لو گے تو تمہیں مجھ تک پہنچا دیا جائے گا''...... کالا شیر نے کہا جبکہ وشنو شروع سے آخر تک مسلسل خاموش بیٹھا رہا تھا۔

او کے۔ گڈ بائی''...... صدیقی نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر واپس مڑ گیا۔ اس کے مڑتے ہی اس کے ساتھی خاور اور چوہان بھی اس کے ساتھ چل پڑے۔ نعمانی پہلے ہی لڑکی کلثوم کے ساتھ باہر جا چکا

تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تینوں ڈیرے سے باہر نکلے تو وہاں کار میں لڑکی اور اس کا والد بیٹھے ہوئے تھے جبکہ نعمانی کار سے باہر کھڑا تھا۔

''یہ تم نے کیا کیا صدیقی۔ ہم جس کام کے لئے آئے تھے وہ تو نہ ہوا''...... نعمانی نے کہا تو صدیقی ہنس پڑا۔

''تم لوگ رحمت کے فرشتے ہو۔ اللہ تمہیں اجر دے گا''...... اچانک بوڑھے جبار نے دونوں ہاتھ جوڑ کر صدیقی کی طرف دیکھ کر کہا۔ لڑکی کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

''کلثوم تم یہاں فرنٹ سیٹ پر آ جاؤ اور اپنے والد کو بھی ساتھ ہی ایڈجسٹ کر لو۔ اب مجبوری ہے کہ کار ایک ہے اور تمہارا اور ہم سب کا جانا ضروری ہے''...... صدیقی نے کہا تو چند لمحوں بعد اس کی ہدایت کے مطابق ایڈجسمنٹ ہو گئی۔

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا صدیقی''...... عقبی سیٹ پر بیٹھے ہوئے نعمانی نے کہا۔

''یہ ہماری بڑی کامیابی ہے کہ ہم نے ایک بے گناہ اور معصوم لڑکی کو وہاں سے نکال لیا ہے باقی رہا ہمارا مشن۔ تو وہ بہرحال پورا ہوگا گھبراؤ مت''...... صدیقی نے کہا۔

''کیسے پورا ہوگا''...... نعمانی اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

''بابا جبار اور کلثوم کی رہائش گاہ جس بستی میں ہے وہ وہیں ہے جہاں بابا ہمیں ملا تھا۔ ان دونوں کو وہاں پہنچا کر ہم واپس جائیں گے۔ اب پورا منظر نامہ ہمارے آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس لئے ہم اطمینان سے شکار کھیلیں گے''...... صدیقی نے گریٹ لینڈ کی زبان میں کہا۔

''اوہ اچھا۔ یہ بات ہے۔ میں سمجھ گیا''...... نعمانی نے بھی گریٹ لینڈ کی زبان میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

''صدیقی۔ یہ بابا گھر کا بھیدی ہے۔ اسے اگر ساتھ رکھا جائے تو بہت آسانیاں ہو جائیں گی''...... چوہان نے کہا۔

''نہیں۔ یہ بوڑھا آدمی ہے اور ہم نے مسلسل کارروائی کرنی ہے اور کارروائی بھی ایسی کہ ایک لحاظ سے قتل عام کرنا ہے۔ یہ ذہنی طور پر خوفزدہ ہو جائے گا''...... صدیقی نے کہا تو چوہان نے بھی اس بار اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر تقریباً ایک گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد وہ اس مقام پر پہنچ گئے جہاں انہیں بابا جبار ملا تھا۔ انہیں کار سے اتار دیا گیا۔ بابا جبار نے ان کو مہمان بنا کر لے جانے کی بہت کوشش کی لیکن صدیقی نے کلثوم کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے دعا دی اور ساتھ ہی بابا جبار کو بڑے نوٹوں کی ایک گڈی بھی دی۔ گو بابا جبار نے بہت انکار کیا لیکن صدیقی نے اسے کلثوم کی شادی پر رقم خرچ کا اصرار کر کے آخر کار گڈی اسے دے دی تو بابا جبار اور کلثوم انہیں دعائیں دیتے ہوئے بستی کی طرف بڑھ گئے۔

''آؤ اب آپریشن کریں۔ میں نے اس لڑکی کلثوم کی وجہ سے آپریشن ملتوی کر دیا تھا''...... صدیقی نے کہا۔

”لیکن تم نے تو اس کالا شیر سے پوچھ گچھ کرنی ہے۔ یہ بھی موٹے دماغ کا آدمی ہو گا۔ اس لئے وہی نتھنے کاٹنے والا عمل دوہراؤ گے“...... چوہان نے کہا۔

”اس کا فیصلہ بعد میں ہو گا۔ ہم نے اندر داخل ہوتے ہی فائر کھول دینا ہے۔ کوئی باہر رہ کر انہیں نشانہ بنائے اور کوئی سائیڈ پر ہو کر۔ ہم نے وہاں سب کا صفایا کر دینا ہے۔ اس دوران کالا شیر نظر آئے تو اسے بے ہوش کر کے کرسی سے باندھنا ہے۔ پھر اس سے اطالوی بچے کے بارے میں معلوم کر لیں گے“...... صدیقی نے باقاعدہ سپہ سالاروں کی طرح ہدایت دیتے ہوئے کہا لیکن پھر اس سے پہلے کہ وہ واپس کار میں بیٹھتے انہیں کسی بڑی کار کی آواز سنائی دی۔ چونکہ راستہ کچھ دور جا کر گھوم جاتا تھا۔ اس لئے جب تک اس جگہ سے کار موڑ کاٹ کر آگے نہ آ جائے وہ دکھائی نہ دے سکتی تھی لیکن آواز سنائی دے رہی تھی۔ پھر ایک پرانے ماڈل لیکن مضبوط انجن والی کار موڑ کاٹ کر ان کی طرف آنے لگی اور پھر قریب آ کر کار رکی تو صدیقی اور اس کے ساتھی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر کالا شیر بیٹھا ہوا تھا۔

”تم لوگ یہاں کیوں رکے ہو“...... کالا شیر نے کار کی کھڑکی سے سر باہر نکالتے ہوئے کہا۔

”لڑکی کو مخصوص ماحول میں تربیت دینے کے لئے۔ کیونکہ ہم ایسی لڑکیوں کو یورپ اور ایکریمیا میں فروخت کرتے ہیں۔ وہاں

اس کی یہاں سے دو تین گنا زیادہ قیمت مل جاتی ہے“...... صدیقی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

”یہاں ٹریننگ۔ کس قسم کی ٹریننگ۔ میں سمجھا نہیں“...... کالا شیر نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ صدیقی نے کار کے دروازے کے ہینڈل کو پریس کر کے دروازہ کھولا اور دوسرے لمحے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا کالا شیر کار سے باہر فضا میں قلابازی کھا کر ایک دھماکے سے جھاڑیوں پر جا گرا۔ صدیقی تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے جھک کر ایک ہاتھ کالا شیر کے سر پر اور دوسرا ہاتھ اس کے کاندھے پر رکھ کر بازوؤں کو مخصوص انداز میں جھٹکا دیا تو تیزی سے سیاہ پڑتا ہوا کالا شیر کا چہرہ دوبارہ نارمل حالت میں آنا شروع ہو گیا۔

”تمہیں اس کام میں بڑی مہارت ہو گئی ہے“...... نعمانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں نے اس پر باقاعدہ محنت کی ہے۔ یہ ایسا حربہ ہے کہ دوسرا اس کی توقع نہیں کر رہا ہوتا اور پھر پلک جھپکنے میں وہ بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کو ختم کرنا ہو تو اس کی گردن میں آ جانے والا بل نہ نکالا جائے تو وہ ختم ہو جاتا ہے اور یہ ایسا حربہ ہے کہ ایک بار تو ہاتھی کو بھی سونڈ سے پکڑ کر ہوا میں قلابازی دی جا سکتی ہے“...... صدیقی نے کہا تو نعمانی بے اختیار مسکرا دیا۔ اس کے ساتھ ہی کالا شیر کو اٹھا کر انہوں نے اپنی کار کی فرنٹ سیٹ اور عقبی

سیٹ کے درمیان ڈال کر اوپر کپڑا ڈال دیا۔

’’اس کی کار کا کیا ہو گا‘‘...... خاور نے کہا۔

’’ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھی کار کو پہچانتے ہوں۔ اسے ایک طرف کر کے کھڑی کر دو‘‘...... صدیقی نے کہا۔

’’اوہ۔ ٹھیک ہے لیکن تم اسے کہاں لے جانا چاہتے ہو‘‘۔ خاور نے کہا۔

’’اپنے ہیڈکوارٹر لے چلتے ہیں تاکہ اطمینان سے اس سے پوچھ گچھ کی جا سکے‘‘...... صدیقی نے کہا اور خاور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

’’اس کو درمیان میں لازماً ہوش میں آ جانا ہے۔ اس لئے اس کا خیال رکھنا۔ جیسے ہی یہ ہوش میں آنے لگے اس کی کنپٹی پر ضرب لگا کر اسے دوبارہ بے ہوش کر دینا‘‘...... صدیقی نے کہا۔

’’وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر کسی چیکنگ میں پھنس گئے تو برا ہو گا‘‘...... چوہان نے کہا تو صدیقی بے اختیار ہنس پڑا۔

’’تم ہنس رہے ہو۔ کیوں‘‘...... نعمانی نے کہا۔ شاید اس کے خیال کے مطابق ہنسنے والی کوئی بات نہ ہوئی تھی۔

’’میں ہنس اس لئے رہا ہوں کہ سب بچوں جیسی باتیں کر رہے ہیں۔ اب چوہان اناڑی تو نہیں ہے۔ حالانکہ اسے بھی معلوم ہے کہ ایسی چیکنگ کے لئے سپیشل فیڈرل پولیس ایجنسی کے اوریجنل کارڈ ہماری جیبوں میں ہر وقت موجود رہتے ہیں اور اس کارڈ کو

دیکھ کر کس کی جرأت ہے کہ وہ چیکنگ کرے۔ تم لوگ کئی بار اس کا مظاہرہ دیکھ بھی چکے ہو۔ اس کے باوجود تم چیکنگ سے ڈر رہے ہو‘‘...... صدیقی نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

’’سوری۔ میرے ذہن میں نہ رہا تھا‘‘...... چوہان نے مسکراتے ہوئے کہا اور صدیقی ایک بار پھر ہنس پڑا۔

عمران اپنے فلیٹ میں بیٹھا کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا کہ پاس پڑے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ پہلے تو عمران نے کتاب سے سر نہ اٹھایا لیکن جب مسلسل گھنٹی بجتی چلی گئی تو عمران نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔

”علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) بذبان خود بول رہا ہوں“...... عمران نے اپنے مخصوص انداز میں تعارف کراتے ہوئے کہا۔

”سلطان بول رہا ہوں۔ تم نے اس مغوی بچے کے بارے میں اب تک کیا کیا ہے۔ سفارت خانے سے بار بار فون آ رہے ہیں“...... سر سلطان نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

”بچے کے ماں باپ کو تو جلدی ہو گی کیونکہ ان کا بیٹا مشکل میں ہے لیکن سفارتخانے والوں کو کیا جلدی ہے۔ کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں زندہ اور صحیح سلامت بچے کی بجائے اس کی لاش ملے۔

اغوا کنندگان کی نفسیات خاصی مختلف ہوتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو بچانے کے لئے مغوی کو بے دردی سے ہلاک کر دیتے ہیں۔ اس لئے انہیں کہہ دیں کہ کوشش جاری ہے کہ بچہ صحیح سلامت اور زندہ واپس آ جائے“...... عمران نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن ان کی تسلی کے لئے اتنا کافی نہیں ہے جتنا تم کہہ رہے ہو۔ مجھے رپورٹ ملی ہے کہ فورسٹارز نے تاوان کی رقم اغوا کنندگان سے طے کر کے مغوی بچے کے والہ ونسٹن سے بات کی ہے۔ دو کروڑ ڈالرز تاوان طلب کیا گیا ہے۔ اس میں سے ایک کروڑ تاوان مغوی کا والد دے گا جبکہ پچاس لاکھ ڈالرز ایک این جی او جس کا نام ایف جی ایف ہے۔ دے رہی ہے اور بقیہ پچاس لاکھ ڈالرز فورسٹارز والے دیں گے“...... سر سلطان نے کہا۔

”آپ نے پہلے بھی بات کی تھی کہ تاوان مانگا گیا ہے جس سے حکومت پاکیشیا کا امیج دنیا بھر میں خراب ہو رہا ہے۔ کس نے آپ کو یہ رپورٹ دی ہے“...... عمران نے کہا۔

”اس این جی او کا ایک لڑکا ہے جس کا نام ندیم ہے۔ وہ تمہاری آنٹی کا دور کا رشتہ دار ہے۔ پچھلے دنوں وہ تمہاری آنٹی سے ملنے آیا تو اس نے باتوں باتوں میں یہ تفصیل بتائی ہے۔ عجیب بات ہے کہ غیر ملکی این جی او پچاس لاکھ ڈالرز تاوان دے رہی ہے“۔ سر سلطان نے کہا۔

”واقعی یہ عجیب بات ہے لیکن آپ کے اطمینان کے لئے بتا دیتا ہوں کہ ہم لمحہ بہ لمحہ مغوی بچے کے قریب ہو رہے ہیں۔ ہم دراصل نہیں چاہتے کہ ہماری جلد بازی کی وجہ سے وہ لوگ مغوی بچے کو ہلاک کر دیں کیونکہ یہ اغوا کنندگان کی نفسیات ہوتی ہیں۔ جب تک مغوی ان کے پاس رہتا ہے وہ اس طرح بے چین رہتے ہیں جیسے ننگے پاؤں بھڑکتے ہوئے انگاروں پر چل رہے ہوں“۔ عمران نے کہا۔

”تمہاری بات ٹھیک ہے لیکن پھر بھی اس معاملے کو جلد نمٹاؤ۔ جس قدر جلد ممکن ہو سکے“...... سرسلطان نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ اللہ تعالیٰ مہربانی کرے گا“...... عمران نے کہا تو دوسری طرف سے اللہ حافظ کہہ کر رسیور رکھ دیا گیا۔ عمران نے بھی رسیور رکھا ہی تھا کہ چند لمحوں بعد ہی گھنٹی دوبارہ بج اٹھی تو عمران نے منہ سکیڑا لیکن ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔

”علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) بذبان خود بول رہا ہوں“...... عمران نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

”صدیقی بول رہا ہوں عمران صاحب“...... دوسری طرف سے صدیقی کی آواز سنائی دی۔

”صرف بول ہی رہے ہو یا کچھ نتائج بھی نکلے ہیں یا نہیں“۔ عمران نے کہا۔

”مجرموں کے اس گروپ کا سرغنہ کالا شیر اس وقت ہمارے

قبضہ میں ہے اور میں اپنے ہیڈ کوارٹر سے بات کر رہا ہوں“۔ صدیقی نے کہا۔

”میں تاوان کے لئے اغوا کئے جانے والے بچے کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔ تم مجرموں کے کس گروپ کے سرغنہ کی بات کر رہے ہو“...... عمران نے کہا۔

”عمران صاحب۔ اسی سلسلے کی بات ہو رہی ہے۔ ہم اسے کافرستان سے نکال کر لے آئے ہیں“...... صدیقی نے کہا تو عمران بے اختیار اچھل پڑا۔

”کافرستان سے۔ کیا مطلب ہوا اس بات کا“۔ عمران نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”ہم اس کا سراغ لگاتے ہوئے پاکیشیا اور کافرستان کی سرحد پر واقع ایک ڈیرے پر پہنچ گئے۔ وہاں سے ہمیں علم ہوا کہ کالا شیر کافرستان کے اندر ایک ڈیرے پر موجود ہے جہاں عورتوں کی خرید و فروخت کے لئے منڈی لگنے والی ہے“...... صدیقی نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے بابا جبار سے ملاقات سے لے کر اس کی بیٹی کلثوم کی برآمدگی کے ساتھ ساتھ کالا شیر کی اکیلے آمد اور اسے بے ہوش کر کے ہیڈ کوارٹر لے آنے کی تفصیل بتا دی۔

”گڈ۔ ویری گڈ۔ تم نے نیک کام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً اس کا بدل تمہیں عطا کر دیا ورنہ ایسے لوگ بغیر لڑائی، دنگا فساد، جھگڑے اور ایک دوسرے کا خون بہائے ہاتھ نہیں آتے۔ میں آ رہا ہوں“۔

عمران نے کہا اور رسیور رکھ کر وہ اٹھا اور ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی سپورٹس کار تیزی سے اس کالونی کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی جہاں فور سٹارز کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ تقریباً پون گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد اس کی کار فور سٹارز ہیڈ کوارٹر کے بڑے گیٹ کے سامنے پہنچ گئی۔ عمران نے تین بار مخصوص انداز میں ہارن دیئے تو بڑے پھاٹک کے اندر موجود چھوٹی کھڑکی کھلی اور ایک نوجوان باہر آ گیا۔ یہ یہاں کا مستقل ملازم ہاشم تھا۔ اس نے عمران کو دیکھ کر سلام کیا اور پھر تیزی سے مڑ کر کوٹھی کے اندر چلا گیا اور پھر چند لمحوں بعد بڑا پھاٹک میکانکی انداز میں کھلتا چلا گیا اور عمران نے کار سٹارٹ کی اور اسے اندر کی طرف موڑ دیا اور پھر کار روک کر عمران باہر آیا تو سامنے برآمدے سے صدیقی اور اس کے ساتھی اس کے استقبال کے لئے باہر آ رہے تھے۔

"ارے ارے اتنے روشن سیارے کہاں سے آ گئے ہیں۔ یوں لگ رہا ہے کہ اس کوٹھی کا ذرہ ذرہ جگمگا اٹھا ہے"...... عمران نے کہا تو سب بے اختیار ہنس پڑے اور پھر تھوڑی دیر بعد عمران اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں کالا شیر کرسی پر رسیوں سے بندھا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا سر ایک طرف جھکا ہوا تھا۔ وہ بے ہوش تھا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ مغوی بچہ اس کی تحویل میں ہے"۔ عمران نے پوچھا۔

"یہ اس کالی بستی کا سردار ہے جہاں ہر طرف منشیات فروخت

ہوتی ہے۔ نوجوان لڑکیوں کو اغوا کر کے لایا جاتا ہے اور پھر انہیں باقاعدہ فروخت کر دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کے جتنے بھی بڑے بڑے اور سنگین جرم ہیں یہ شخص ان سب جرائم کا سرغنہ ہے لیکن یہ موٹے دماغ کا آدمی ہے۔ پہلے ہم نے اس کے ایک آدمی فیقے کو اٹھایا لیکن جب اس پر کسی حربے کا اثر نہ ہوا تو آخر کار ہم نے اس کے نتھنے کاٹ کر اور پیشانی پر ضربیں لگا کر لاشعوری طور پر اس سے سب کچھ اگلوا لیا۔ اس نے ہمیں کالا شیر اور وشنو کے ڈیرے کے بارے میں بتا دیا تھا"...... صدیقی نے کہا۔

"تو پھر اس سے پوچھو کہ کہاں ہے وہ مغوی لڑکا۔ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تم ذات ہونے سے پہلے پہلے مغوی بچے کو چھڑا لاؤ گے اور ابھی رات ہونے میں تین گھنٹے بہرحال موجود ہیں"۔ عمران نے کہا۔

"تو آپ اس سے پوچھ گچھ نہیں کریں گے"...... صدیقی نے کہا تو عمران بے اختیار ہنس پڑا۔

"اوکے۔ اسے ہوش میں لے آؤ"...... عمران نے کہا تو صدیقی نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں سے کالا شیر کی ناک اور منہ بند کر دیا۔ چند لمحوں بعد ہی جب کالا شیر کے جسم میں حرکت کے آثار نمودار ہونے لگے تو صدیقی نے ہاتھ ہٹائے اور مڑ کر سامنے بیٹھے ہوئے عمران کے ساتھ موجود کرسی پر بیٹھ گیا جبکہ اس کے باقی ساتھی باہر چلے گئے تھے تاکہ ہر طرف سے تحفظ کیا جا سکے۔ تھوڑی

دیر بعد کالا شیر نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ پہلے پہل تو اس کی آنکھوں میں دھند سی چھائی رہی۔ پھر وہ بے اختیار چونک پڑا۔

"تم۔ تم۔ یہ۔ یہ کیا مطلب۔ تم نے کالا شیر کو باندھنے کی جرأت کی ہے۔ کھولو مجھے۔ ورنہ تم کیا، تمہارے پورے خاندان کو روحوں میں تبدیل کر دوں گا"...... کالا شیر نے یکلخت غصے کی شدت سے چیختے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ارے ارے دھیرج۔ شانتی۔ تمہارا کیا خیال تھا کہ تم اطالوی نژاد بچے کو اغوا کر کے اتنا بڑا تاوان حاصل کر لو گے اور تمہیں کچھ نہ کہا جائے گا"...... عمران نے کہا۔

"تم کون ہو۔ میں تو اس سے بات کر رہا ہوں"...... کالا شیر نے منہ بناتے ہوئے سر کے جھٹکے سے صدیقی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس سے بعد میں بات کرتے رہنا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ مغوی بچہ کہاں ہے۔ اس کالی بستی میں ہے یا کسی اور جگہ"...... عمران نے کہا۔

"تم کالی بستی کے بارے میں جانتے ہو"...... کالا شیر نے کہا۔

"ہاں کیوں"...... عمران نے کہا۔

"تم نے یہ بستی نہیں دیکھی کیونکہ اجنبی آدمی وہاں پہنچ تو سکتا ہے لیکن اس کی واپسی لاش کی صورت میں ہی ہو سکتی ہے اور تم

ابھی زندہ ہو اس لئے تم اس بستی میں نہیں گئے"...... کالا شیر نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ تم بتاؤ کہ وہ مغوی اطالوی بچہ کہاں موجود ہے"...... عمران نے کہا۔

"مجھے اس کے بارے میں علم نہیں ہے اور نہ ہی میں نے کسی کو اغوا کیا ہے اور نہ میں ایسے کام کرتا ہوں۔ مجھے آزاد کر دو۔ ورنہ تم دونوں کا وہ حشر ہو گا جس کا تم تصور نہیں کر سکتے"...... کالا شیر نے بندھا ہونے کے باوجود باقاعدہ دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

"یہ واقعی موٹے دماغ کا آدمی ہے بلکہ بہت زیادہ موٹے دماغ کا۔ اس کا باقاعدہ علاج کرنا پڑے گا"...... عمران نے کہا۔

"تو پھر کریں اس کا علاج۔ اسی لئے تو میں نے آپ کو فون کیا تھا"...... صدیقی نے کہا تو عمران بے اختیار ہنس پڑا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اٹھا اور سامنے کرسی پر بندھے بیٹھے کالا شیر کے قریب پہنچ کر اس نے اپنا ایک ہاتھ کھول کر اس کے چہرے پر رکھ دیا۔ اس نے ہاتھ اس انداز میں رکھا تھا کہ اس کی ایک انگلی کالا شیر کی ایک کنپٹی پر اور انگوٹھا دوسرے کنپٹی پر موجود تھا جبکہ ہتھیلی اس کے پورے چہرے پر پھیلی ہوئی تھی۔ صدیقی حیرت بھری نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ پھر چند لمحوں کے بعد عمران نے ہاتھ ایک جھٹکے سے علیحدہ کر دیا جبکہ کالا شیر کی دونوں آنکھیں بند تھیں لیکن چہرے کا رنگ تبدیل ہو چکا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ پورے جسم کا خون

اس کے چہرے میں سمٹ آیا ہو۔ پھر اچانک کالا شیر کے منہ سے کراہ نکلی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں تیز سرخی موجود تھی لیکن چہرے پر ایسے تاثرات نمایاں تھے جیسے وہ کسی بدمعاش کی بجائے کسی معصوم بچے کا چہرہ ہو۔ صدیقی یہ سب کچھ ہوتا بیٹھا دیکھ رہا تھا۔

’’تمہارا نام کیا ہے‘‘...... عمران نے سخت لہجے میں کہا۔

’’مم۔ مم۔ میرا نام کالا شیر ہے۔ ہاں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ یقین کرو‘‘...... کالا شیر نے معصومانہ انداز میں کہا۔

’’وہ مغوی لڑکا اس وقت کہاں ہے‘‘...... عمران نے کہا۔

’’وہ شیش محل میں ہے۔ ماسٹر شوکت کی تحویل میں ہے اور اسے وہاں ابھی دو روز پہلے بھجوایا گیا ہے‘‘...... کالا شیر نے بولتے ہوئے کہا لیکن اس کا لہجہ لمحہ بہ لمحہ نحیف سے نحیف ہوتا چلا گیا اور آخر میں تو وہ صرف ہونٹ ہلاتا رہ گیا تو صدیقی کے ساتھ ساتھ عمران بھی چونک پڑا۔ کالا شیر کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ عمران نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھا لیکن دوسرے لمحے اس نے ہاتھ اٹھا لیا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ابھر آئے تھے جبکہ کالا شیر کے چہرے کا رنگ تیزی سے سیاہ پڑتا جا رہا تھا۔

’’کیا ہوا عمران صاحب‘‘...... صدیقی نے کہا۔

’’یہ کالا شیر تو ختم ہو گیا ہے‘‘...... عمران نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

’’اسے کیا ہوا ہے۔ اچھا بھلا تو بول رہا تھا اور ویسے بھی جسمانی طور پر بے حد طاقتور آدمی تھا‘‘...... صدیقی نے کہا۔

’’جیسے میں نے پہلے کہا تھا کہ یہ بہت موٹے دماغ کا آدمی ہے اسی لئے تو میں نے اس کے نتھنے کاٹنے کی بجائے کنپٹیوں پر دباؤ ڈال کر اس کے لاشعور کو حرکت دی تا کہ یہ سب کچھ بتا دے اور خود بھی ختم نہ ہو، کیونکہ یہ گینگ کا مرکزی آدمی ہے لیکن دونوں کنپٹیوں پر انگلیوں کا دباؤ یہ زیادہ دیر برداشت نہ کر سکا اور اس کا دماغ مردہ ہوتا چلا گیا اور آخر کار یہ ختم ہو گیا‘‘۔ عمران نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

’’شیش محل کہاں ہے۔ یہ کون بتائے گا‘‘...... صدیقی نے کہا۔

’’ہم اچھے مقصد کے لئے کام کر رہے ہیں۔ اس لئے آگے بڑھتے رہو۔ اللہ تعالیٰ خود بخود تمہاری مدد کرتا رہے گا‘‘...... عمران نے کہا تو صدیقی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

’’اس کی تلاشی لی ہے تو ٹھیک۔ ورنہ اس کی مکمل تلاشی لے لو۔ شاید کوئی کام کی چیز ہاتھ لگ جائے۔ پھر اس کی لاش کسی ویرانے میں پھینک دو‘‘...... عمران نے کہا۔

’’ہم نے یہاں پہنچ کر سب سے پہلے اس کی تلاشی لی تھی کیونکہ ہمارا اس سے سودا ہوا تھا اور میں نے اسے گارنٹیڈ چیک دیا تھا جو اس کی جیب سے برآمد ہو گیا۔ ویسے اس کے پاس چند ہزار روپے نقد تھے اور کچھ نہیں تھا‘‘...... صدیقی نے جواب دیتے ہوئے

کہا۔ باتیں کرتے ہوئے وہ کمرے سے باہر آئے تو پھاٹک کے پاس کھڑے باقی ساتھی چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔

’’کیا ہوا عمران صاحب۔ آپ صدیقی سمیت باہر آ گئے ہیں‘‘۔ چوہان نے کہا۔

’’صدیقی کا رعب ہی اتنا ہے کہ مخالف خوف سے ہی مر جاتے ہیں‘‘...... عمران نے جواب دیا تو سب ساتھی بے اختیار ہنس پڑے۔

’’صدیقی تم بتاؤ کیا ہوا ہے‘‘...... چوہان نے صدیقی سے مخاطب ہو کر کہا۔

’’عمران صاحب کی انگلیوں میں اتنی طاقت ہے کہ کالا شیر کی دونوں کنپٹیوں پر انگلیوں کی مدد سے ایسا دباؤ ڈالا گیا کہ اس کا شعور ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کی جگہ لاشعور نے کام شروع کر دیا اور عمران صاحب کی یہ تھیوری واقعی کامیاب رہی لیکن شاید اس بدمعاش کا دماغ اتنا طاقتور نہ تھا جتنا اس کا جسم تھا۔ اس لئے وہ مسلسل دباؤ کو برداشت نہ کر سکا تو دماغ کی ڈیتھ ہو گئی‘‘۔ صدیقی نے کہا تو اس کی بات سن کر سب بے اختیار چونک پڑے۔

’’یہ حربہ تو انتہائی پیچیدہ اور مشکل ہے‘‘......خاور نے کہا۔

’’تمہیں یہ حربہ آتا ہے‘‘......عمران نے کہا۔

’’ہاں۔ میں نے ایک غیر ملکی کتاب میں پڑھا تھا اور ٹریننگ کیمپ لگنے پر میں نے اس کا تجربہ خود اپنے آپ پر کیا لیکن میں اس

میں مکمل کامیابی حاصل نہ کر سکا تو میں نے چھوڑ دیا‘‘...... خاور نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

’’لیکن اب شیش محل کہاں ہے۔ اس بارے میں کس سے پوچھیں‘‘۔ صدیقی نے کہا۔

’’معلوم ہو جائے گا اگر اس شہر میں ہے تو‘‘......عمران نے کہا۔

’’کس سے معلوم کریں گے۔ کیا ٹائیگر سے‘‘......صدیقی نے کہا تو عمران چونک پڑا۔

’’ارے ہاں۔ اچھا ہوا تم نے نام لے دیا۔ اگر اس شیش محل کا تعلق انڈر ورلڈ سے ہو گا تو اسے لازماً معلوم ہو گا‘‘......عمران نے کہا اور پھر وہ اس کمرے کی طرف بڑھ گیا جہاں فون پڑا ہوا تھا جبکہ صدیقی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کمرے کی طرف بڑھ گیا جہاں کالا شیر کی رسیوں سے بندھی لاش موجود تھی۔ عمران نے کرسی پر بیٹھ کر رسیور اٹھایا اور نمبر پریس کرنے شروع کر دیئے۔ اس نے ٹائیگر کے وہ نمبر پریس کئے تھے جو اس کے سیل فون کے تھے۔ تھوڑی دیر بعد دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔

’’یس باس۔ ٹائیگر بول رہا ہوں‘‘...... کال رسیو ہوتے ہی ٹائیگر کی مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

’’ٹائیگر۔ اس تاوان والے کیس میں ایک عمارت کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس عمارت کا نام شیش محل بتایا گیا ہے‘‘۔ عمران نے کہا۔

''یہ نام تو پہلی بار سننے میں آ رہا ہے۔ بہرحال میں جلد از جلد اس کو ٹریس کر لوں گا''...... ٹائیگر نے بڑے اعتماد بھرے لہجے میں کہا۔

''میں فلیٹ پر جا رہا ہوں۔ وہیں مجھے فون کرنا اور جتنی جلد ممکن ہو سکے اس بارے میں معلومات حاصل کرو ورنہ مجھے خطرہ ہے کہ مغوی بچے کو ہلاک نہ کر دیا جائے''...... عمران نے کہا۔

''یس باس۔ حکم کی تعمیل ہو گی''...... ٹائیگر نے جواب دیا تو عمران نے رسیور رکھ دیا اور اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ اس وقت تک برآمدے کے سامنے کھڑی کار کی عقبی سیٹ کے سامنے کالا شیر کی لاش کو رکھا جا چکا تھا۔

''اس کے سینے میں چار پانچ گولیاں مار دو تاکہ لوگ یہی سمجھیں کہ گولیوں سے مرا ہے ورنہ اس کی موت کی کوئی وجہ سامنے نہیں آئے گی اور پورے ملک میں سنسنی پھیل جائے گی کہ ایک آدمی جسمانی طور پر ہر طرح سے تندرست ہے اور اس کا پورا جسم صحیح حالت میں ہے۔ کھوپڑی پر بھی کوئی ضرب نہیں اور معدے سے بھی کوئی ایسا مواد نہ ملے گا تو عام آدمی تو عام آدمی، ڈاکٹروں کو بھی اس کی موت کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکے گی''...... عمران نے کہا۔

''ٹھیک ہے عمران صاحب''...... صدیقی نے کہا۔

''میری ٹائیگر سے بات ہوئی ہے میں نے اسے شیش محل کو تلاش کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ وہ ویسے ہی ٹریسنگ کا ماہر ہے۔

جلدی معلوم ہو جائے گا کہ مغوی بچے کو کہاں رکھا گیا ہے''۔ عمران نے کہا۔

''ہم خود بھی تلاش کرتے ہیں۔ اس لاش کو کسی ویران جگہ پر پھینک کر ہم فارغ ہو جائیں گے۔ اس لئے ہم بھی اس پر کام شروع کر دیں گے''...... صدیقی نے کہا۔

''تم نے خیال رکھنا ہے۔ کھلے عام بات نہیں ہونی چاہئے ورنہ اس مغوی بچے کو کہیں اور نہ بھجوا دیا جائے''...... عمران نے کہا۔

''عمران صاحب۔ کل انہیں تاوان کی رقم دینی ہے۔ آپ کے مطابق اس مغوی بچے کے والدین سے تاوان مانگا گیا تو اس سے حکومت بدنام ہوتی ہے۔ اس لئے کل کے لئے کیا کیا جائے''۔ صدیقی نے کہا۔

''ابھی چند روز کے لئے ٹال دو۔ کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا انشاء اللہ''...... عمران نے کہا تو صدیقی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ عمران کار لے کر ہیڈکوارٹر سے نکلا لیکن اچانک اسے خیال آ گیا کہ ابھی تک اس کیس کے بارے میں بلیک زیرو کو کوئی بات نہیں بتائی گئی تھی جبکہ صدیقی اور اس کے ساتھی کسی بھی وقت چیف سے بات کر سکتے ہیں اور چیف کو معلوم ہی نہ تھا کہ آجکل سیکرٹ سروس کے ارکان کیا کرتے پھر رہے ہیں۔ ضروری تھا کہ بلیک زیرو کو بتایا جائے۔ اس لئے اس نے اپنی کار کا رخ فلیٹ کی بجائے دانش منزل کی طرف موڑ دیا۔

روشن کالونی کی ایک نوتعمیر کوٹھی کے ایک کمرے میں جسے سٹنگ روم کے انداز میں سجایا گیا تھا، اعظم اور فرخ ، ندیم اور شہلا چاروں بیٹھے شراب سپ کر رہے تھے۔ فرخ اور شہلا دونوں شراب پیتی تھیں لیکن یہ شراب انتہائی لائٹ شراب ہوتی تھی جبکہ اعظم اور ندیم بھی شراب پیتے تھے لیکن وہ قدرے تیز شراب پینے کے عادی تھے۔ چاروں کا آپس میں ہنسی مذاق بھی ہو رہا تھا اور شراب بھی سپ کی جا رہی تھی۔

“کل تاوان ادا کر دیا جائے گا یا نہیں”...... اچانک ندیم نے اعظم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

“ارے ہاں۔ کل تو اس اطالوی نے بھی زرتاوان دینا ہے اور صدیقی اور اس کے ساتھیوں نے ابھی تک کوئی بات نہیں کی”۔ اعظم نے جواب دیتے ہوئے کہا لیکن پھر اس سے پہلے کہ مزید کوئی بات ہوتی۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی تو سب چونک پڑے۔ اعظم نے ہاتھ بڑا کر رسیور اٹھالیا۔

“یس۔ اعظم بول رہا ہوں”...... اعظم نے کہا۔

“غلام دین بول رہا ہوں جناب”...... دوسری طرف سے مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

“اعظم اور ندیم دونوں نے ایک کالونی کے اندر ایک کوٹھی لے کر وہاں اپنے غیر ملکی اخبارات کا دفتر بنایا ہوا تھا اور غلام دین اس دفتر کا انچارج تھا۔ اس کے ساتھ اور عملہ بھی تھا کیونکہ انہیں بار بار اخبارات اور رسائل کے سلسلے میں دفتر سے رابطہ کرنا پڑتا تھا۔

“کیا بات ہے”...... اعظم نے پوچھا۔

“ابھی ابھی رابرٹ کا فون آیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ کالا شیر کی لاش ایک ویران علاقے سے پولیس کو ملی ہے اس کے سینے میں گولیاں مار کر اسے ہلاک کیا گیا ہے”...... دوسری طرف سے غلام دین نے کہا تو اعظم کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا ہو۔

“کالا شیر کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ کالا شیر کیسے مر سکتا ہے۔ نہیں۔ یہ غلط ہے۔ رابرٹ کیوں ایسا کہہ رہا ہے”...... اعظم نے چیختے ہوئے لہجے میں کہا۔

“جبکہ اعظم کے ساتھ بیٹھا ندیم بھی لاؤڈر آن ہونے کی وجہ سے ہر بات سن رہا تھا۔ اس لئے کالا شیر کی موت کی خبر سن کر وہ بھی سکتے میں آ گیا۔ شاید کالا شیر کی موت کے بارے میں کسی نے

سوچا بھی نہ تھا۔

’’میں نے رابرٹ سے کہا تھا کہ وہ آپ کی رہائش گاہ پر فون کرے تا کہ آپ اس سے پوری تفصیل معلوم کر سکیں‘‘...... غلام دین نے کہا تو اعظم نے بغیر کوئی جواب دیئے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

’’یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے‘‘...... اعظم نے اونچی آواز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

’’کوئی ایسا آدمی ہے جو یہ کام کر رہا ہے۔ پہلے فیقے کی لاش سامنے آئی اور اب کالا شیر کی۔ ہم نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ یہ لوگ مارے جا سکتے ہیں‘‘...... اعظم نے کہا۔

’’میرا خیال ہے کہ یہ کام سرکاری ایجنٹ کر رہے ہیں۔ وہ بظاہر ہم سے ملے ہوئے ہیں لیکن اندر ہی اندر یہ کام شروع ہے‘‘۔ ندیم نے کہا۔

’’لیکن انہیں اس کا کیا فائدہ ہو گا۔ جو تاوان وہ دیں گے وہ بچے کے والدین یا حکومت اطالیہ سے انہیں واپس مل جائے گا‘‘۔ اعظم نے کہا اور پھر اس سے پہلے کہ مزید کوئی بات ہوتی، فون کی گھنٹی بج اٹھی تو اعظم نے ہاتھ بڑھا کر نہ صرف رسیور اٹھا لیا بلکہ لاؤڈر کا بٹن بھی اس نے خاص طور پر آن کر دیا۔

’’یس‘‘...... اعظم نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

’’رابرٹ بول رہا ہوں باس‘‘...... دوسری طرف سے ان کے تحت کام کرنے والے رابرٹ کی آواز سنائی دی۔ رابرٹ ان کے

آفس سے متعلق تھا۔ اس کی پوسٹ ریسرچ کی تھی۔ وہ شہر میں ہونے والے بڑے بڑے جرائم کے بارے میں رپورٹیں تیار کرتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ کرائم رپورٹر تھا اور اس کا کام بھی فیلڈ سے متعلق تھا۔ وہ سنسنی خیز قسم کے جرائم کو زیادہ ہائی لائٹ کرتا تھا۔ خصوصاً بڑے بڑے اغوا برائے تاوان کے کیس پر وہ کام کرتا تھا۔

’’رابرٹ۔ کیا تفصیل ہے‘‘...... اعظم نے پوچھا۔

’’باس۔ آج پولیس کو اطلاع دی گئی کہ ایک ویران علاقے میں ایک لاش پڑی ہے تو پولیس نے لاش اٹھا کر قریبی پولیس اسٹیشن میں رکھ دی تا کہ اسے پہچانا جا سکے اور پھر اسے شناخت کر لیا گیا۔ یہ کالا شیر کی لاش تھی۔ اس کے سینے میں گولیاں ماری گئی تھیں۔ اس کے علاوہ اس کی دونوں کنپٹیوں پر سیاہ دھبے موجود تھے بہرحال بہت سے لوگوں نے کالا شیر کو پہچان لیا تو اس کی لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوا دی گئی مجھے اطلاع ملی تو میں خود پولیس اسٹیشن گیا اور میں نے خود کالا شیر کی لاش دیکھی۔ میں کالا شیر کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں اس لئے میں نے کالا شیر کو پہچان لیا اور اب آپ کو اس لئے فون کر رہا ہوں کہ آپ اگر حکم دیں تو میں اس کے قاتلوں کا سراغ لگاؤں‘‘...... رابرٹ نے کہا۔

’’تم کیسے سراغ لگاؤ گے۔ کیا تم سیکرٹ ایجنٹ ہو......‘‘ اعظم نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

’’جناب۔ میں نے ملٹری انٹیلی جنس میں ایک سال کام کیا۔ پھر

وہاں سے استعفیٰ دے کر صحافت میں آ گیا کیونکہ صحافت مجھے شروع سے ہی پسند تھی۔ اس لئے کچھ نہ کچھ کارکردگی تو میں دکھا سکتا ہوں''...... رابرٹ نے جواب دیا۔

''اگر ایسا ہے تو ٹھیک ہے۔ تم اس کیس پر کام کرو لیکن ایک بات بتا دوں کہ اپنی جان کی حفاظت کرنا۔ ہمارا کوئی براہ راست تعلق مغوی لڑکے یا اس کے وارثان سے نہیں تھا۔ ہم ان کی جو مدد کر رہے ہیں وہ انسانی ہمدردی کے لئے ہے''...... اعظم نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''یس سر۔ آپ فکر مت کریں''...... رابرٹ نے جواب دیا۔

''او کے۔ کوشش کرو کہ اصل حقائق تک پہنچ جاؤ''...... اعظم نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

''سردار اعظم کو اطلاع نہیں دینی۔ ان کے اور بھی ذرائع ہیں۔ کہیں نہ کہیں سے اطلاع مل جائے گی اور وہ ہم پر ناراض ہوں گے''...... ندیم نے اعظم سے مخاطب ہو کر کہا۔

''رابرٹ بے حد ذہین آدمی ہے۔ میں اس کی رپورٹ کا انتظار کروں گا البتہ صدیقی سے بات کرتا ہوں کہ وہ تاوان کی رقم کب دے رہے ہیں''...... اعظم نے کہا اور رسیور اٹھا کر اس نے تیزی سے نمبر پریس کرنے شروع کر دیئے۔

''یس۔ صدیقی بول رہا ہوں''...... دوسری طرف سے صدیقی کی آواز سنائی دی۔

''کیا آپ اپنے فلیٹ پر ہیں۔ میں اعظم بول رہا ہوں جی ایف جی سے''...... اعظم نے اپنی این جی او کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔

''یہ نمبر ہمارے ہیڈکوارٹر کا ہے۔ ہم اپنے ذاتی نمبر کسی کو نہیں دیا کرتے۔ آپ نے کیسے فون کیا ہے۔ کوئی خاص بات''۔ صدیقی نے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ تک یہ اطلاع نہیں پہنچی''۔ اعظم نے کہا۔

''کون سی اطلاع۔ کھل کر بات کریں''...... اس بار صدیقی کا لہجہ قدرے سخت تھا۔

''کالا شیر کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ پہلے اس کے اسسٹنٹ فیقے کی لاش سامنے آئی تھی اور اب کالا شیر کی لاش کسی ویران علاقے سے ملی ہے۔ اس کے سینے میں تین چار گولیاں ماری گئی ہیں''۔ اعظم نے کہا۔

''جو لوگ غلط، غیر قانونی اور عوام الناس کو کسی بھی طریقے سے تکلیف پہنچانے کا کام کرتے ہیں۔ ان کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے اور اسی کو مکافات عمل کہتے ہیں''...... صدیقی نے جواب دیتے ہوئے کہا تو اعظم کا چہرہ یکلخت سرخ پڑ گیا۔

''آپ درست کہہ رہے ہیں لیکن یہ وہ لوگ ہیں جن کے قبضے میں اطالوی بچہ ہے۔ اس طرح تو غصے اور انتقام میں وہ مغوی بچے

کو ہلاک نہ کر دیں''...... اعظم نے کہا۔

''ہاں سوری۔ مجھے اس بات کا خیال نہ آیا تھا۔ ویسے آپ اس وقت کہاں سے فون کر رہے ہیں''...... صدیقی نے کہا۔

''میں اپنے ایک دوست کے گھر سے فون کر رہا ہوں۔ پولیس میں میرے دوست ہیں۔ ان میں سے ایک دوست سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔ اس نے بتایا کہ کالا شیر کی لاش ایک ویران علاقے سے ملی ہے۔ اسے سینے پر گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا ہے''...... اعظم نے تفصیل سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''آپ کی مہربانی کہ آپ ساتھ ساتھ ہمیں حالات سے مطلع کر دیتے ہیں''...... صدیقی نے کہا۔

''جناب۔ ایک بات اور کہ کل آپ نے زرتاوان ادا کرنا ہے۔ اس کا بندوبست تو ہو گیا ہو گا''...... اعظم نے کہا۔

''ہاں۔ ہم اس سودے پر قائم ہیں جو ہمارے درمیان ہوا ہے لیکن مغوی بچے کے والدین جنہوں نے ایک کروڑ ڈالرز دینے ہیں انہوں نے کسی مجبوری کے تحت ایک ہفتہ مزید طلب کیا ہے جبکہ میں نے اپنے طور پر پچاس لاکھ ڈالرز کا بندوبست کر لیا ہے اور باقی پچاس لاکھ تو آپ کی این جی او نے دینے ہیں۔ اب مجبوری ہے کہ ہم سے ڈیڑھ کروڑ ڈالرز کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ایک ہفتہ مزید انتظار کرنا پڑے گا''...... صدیقی نے کہا۔

''اور اگر اغوا کنندگان نے مہلت دینے سے انکار کر دیا تو

پھر''...... اعظم نے کہا۔

''مجبوری ہے۔ اب جو بھی ہو۔ ہم کیا کر سکتے ہیں''...... صدیقی نے مجبوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''او کے۔ میں خود کوشش کروں گا کہ اپنی این جی او کے چیئرمین کو آمادہ کر سکوں کہ وہ اغوا کنندگان سے مزید ہفتے کی مہلت لے لیں''...... اعظم نے کہا۔

''اگر ایسا ہو جائے تو ہم سب آپ کے مشکور رہیں گے''۔ صدیقی نے کہا۔

''اوہ نہیں۔ یہ تو ہمارا فرض ہے''...... اعظم نے کہا اور پھر ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ کر رسیور رکھ دیا۔

''ایک ہفتہ مزید۔ مجھے تو معاملات بے حد مشکوک نظر آ رہے ہیں''...... ندیم نے کہا۔

''تمہاری بات درست ہے لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں''...... اعظم نے کہا۔

''مجھے یقین ہے کہ مغوی بچے کو بغیر تاوان دیئے یہ لوگ لے اڑیں گے اور ہم منہ دیکھتے رہ جائیں گے''...... ندیم نے کہا۔

''تو پھر ہم کیا کریں''...... اعظم نے بے بسی کے انداز میں کہا۔

پھر اس سے پہلے کہ مزید کوئی بات ہوتی، فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''یس''...... اعظم نے رسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

''رابرٹ بول رہا ہوں باس''...... دوسری طرف سے ان کے

ساتھی کرائم رپورٹر رابرٹ کی آواز سنائی دی۔

''کچھ پتہ چلا کہ کالا شیر کے قاتل کون ہیں''...... اعظم نے کہا اور ندیم کے اشارے پر اس نے لاؤڈر کا بٹن بھی پریس کر دیا۔ اس طرح ندیم آسانی سے گفتگو سن سکتا تھا اور دونوں لڑکیاں فرخ اور شہلا ایسے مواقع پر خود ہی دوسرے کمرے میں چلی جاتی تھیں تاکہ وہ آپس میں کھل کر بات چیت کر سکیں۔

''باس۔ میں نے تقریباً اصل کہانی معلوم کر لی ہے''...... دوسری طرف سے رابرٹ نے کہا۔

''کیا معلوم کیا ہے۔ تفصیل بتاؤ''...... اعظم نے کہا۔

''باس۔ کالا شیر پاکیشیا کی سرحد پار کر کے کافرستان میں واقع ایک ڈیرے پر گیا ہوا تھا جسے وشنو کا ڈیرہ کہا جاتا ہے۔ وہاں سے کالا شیر کے ڈیرے پر اور یہاں سے وشنو کے ڈیرے تک لوگ عام طور پر پیدل آتے جاتے رہتے ہیں۔ پھر ایک کار سرحد کراس کر کے وشنو کے ڈیرے پر پہنچ گئی۔ کار میں پانچ افراد سوار تھے۔ ان میں سے دو آدمی کار سے اتر کر ڈیرے پر گئے اور انہوں نے کالا شیر سے ملاقات کرنے کو کہا جو وشنو نے تسلیم کر لی اور ان کی ملاقات کرا دی گئی اور ان آنے والوں نے کہا کہ ایک عورت کلثوم کو فروخت کرنے کے لئے وشنو کے ڈیرے پر لایا گیا ہے کیونکہ یہاں دو تین روز بعد اغوا شدہ عورتوں کی منڈی لگنے والی تھی جہاں ان خوبصورت عورتوں کی باقاعدہ بولی دی جاتی ہے۔ انہوں نے کالا شیر سے باقاعدہ اس عورت کلثوم کا سودا کیا اور اتنی بڑی رقم کی بولی دی کہ اتنی رقم سے کلثوم جیسی چار عورتیں آ سکتی تھیں۔ اس لئے کالا شیر نے خوش ہو کر سودا کیا جبکہ ان لوگوں نے نقد رقم کی بجائے گارنٹیڈ چیک دیا جو کالا شیر کے بقول درست تھا۔ اس کے بعد کالا شیر اپنی کار میں بیٹھ کر وشنو کے ڈیرے سے واپس چلے گئے لیکن پاکیشیا کی حدود میں ایک بستی کے سامنے ان کی خالی کار کھڑی پائی گئی لیکن کالا شیر کار کے اندر یا باہر اور آس پاس کہیں موجود نہ تھے اور پھر ان کی لاش ایک ویران علاقے میں پڑی پائی گئی ہے''۔ رابرٹ نے پوری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''لیکن وہ افراد کون تھے اور وہ عورت کلثوم کہاں ہے اور اس کا سرکاری آدمیوں سے کیا تعلق ہے''...... اعظم نے کہا۔

''میں نے انہیں ایک بار آپ کے ساتھ ایک کلب میں دیکھا تھا۔ میں نے وشنو کے ڈیرے پر موجود افراد کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو وہی حلیئے بتائے گئے جو سرکاری ایجنٹوں کے ہیں''...... رابرٹ نے کہا۔

''لیکن انہیں کیا ضرورت تھی کسی عورت کو بھاری رقم کے عوض خریدنے کی اور پھر وہ تو تمہارے بقول پہلے ہی چلے گئے تھے۔ کالا شیر تو بہت بعد میں گیا''...... اعظم نے کہا۔

''آپ کی بات درست ہے لیکن میرا خیال ہے کہ سرکاری ایجنٹوں نے کالا شیر کو اغوا کیا اور اٹھا کر لے گئے۔ پھر وہ گارنٹیڈ

چیک بھی انہوں نے اس سے لے لیا اور پھر انہوں نے اس سے مغوی بچے کے بارے میں بھی معلومات حاصل کی ہوں گی کیونکہ وہ مغوی بچہ کالا شیر کے پاس ہی تھا''...... رابرٹ نے کہا۔

''نہیں۔ وہ اب کالا شیر کے پاس نہیں تھا اسے خود کالا شیر نے چیف کو کہہ کر شیش محل بھجوا دیا تھا۔ وہ اب مکمل طور پر محفوظ ہے''۔ اعظم نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے رسیور رکھ دیا۔

''رابرٹ کا تجزیہ درست ہے۔ یہ ساری کارروائی کالا شیر کے خلاف کی گئی ہے۔ کالا شیر کو رام کرنے کے لئے عورت کو بھاری قیمت پر خریدا گیا تو کالا شیر خوش ہو گیا تو پھر اسے بھی کسی نہ کسی طرح رضامند کر کے واپس لایا گیا اور پھر اس سے پوچھ گچھ کر کے اسے ختم کر دیا گیا۔ کالا شیر کو تو علم تھا کو مغوی بچہ شیش محل میں ماسٹر شوکت کی تحویل میں ہے۔ اس لئے اب سرکاری طور پر شیش محل پر اٹیک ہو گا''...... ندیم نے کہا۔

''لیکن شیش محل تو ہمارا دیا ہوا نام ہے۔ اس بلڈنگ کا پرانا نام تو بھگت بلڈنگ تھا اور پوری دنیا میں اسے بھگت بلڈنگ ہی کہا جاتا ہے''...... اعظم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس کالا شیر کو اس کے اصل نام کا علم تھا یا نہیں''...... ندیم نے کہا۔

''نہیں۔ کیونکہ اس نے آج تک جب بھی اس کا نام لیا ہے اسے شیش محل ہی کہا ہے''...... اعظم نے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ ہم ان سرکاری ایجنٹوں کے ہیڈکوارٹر کا چکر لگا آئیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ کیا کر رہے ہیں''...... اعظم نے کہا۔

''ہم بھی مارے جائیں گے۔ ابھی تک انہیں ہم پر شک نہیں پڑا۔ ورنہ اب تک ہماری لاشیں بھی ویران علاقوں سے پولیس کو مل چکی ہوتیں البتہ تم یہ ساری تفصیل سردار اعظم کو بتا دو۔ پھر وہ جیسا حکم دیں گے ویسے کر لیا جائے گا''...... ندیم نے کہا تو اعظم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ٹائیگر نے کار ریمزے کلب کی پارکنگ میں روکی اور پھر کار لاک کر کے وہ کلب کے مین گیٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ریمزے کلب اس کا بہت آنا جانا تھا کیونکہ ریمزے کلب کا مالک اور جنرل مینیجر تھامسن اس کا دوست تھا اور تھامسن چونکہ صرف بہت چھوٹے پیمانے پر انڈرورلڈ میں اسلحے کا کام کرتا تھا۔ اس لئے ٹائیگر کے نقطہ نظر سے اس کا وجود انڈرورلڈ کے لئے نہ ہونے کے برابر تھا۔ تھامسن بھی اس کی دل سے قدر کرتا تھا کیونکہ بہت سے معاملات میں ٹائیگر نے اس کا اس انداز میں ساتھ دیا تھا کہ ٹائیگر ساتھ نہ دیتا تو شاید تھامسن کلب چلا بھی نہ سکتا۔ اس لئے ٹائیگر وہاں کے ملازمین کے سلام وصول کرتا ہوا تھامسن کے دفتر پہنچ گیا۔

''تمہارے صاحب ہیں اندر''...... ٹائیگر نے تھامسن کے آفس کے باہر کھڑے سیکورٹی گارڈ سے پوچھا۔

''یس سر''...... سیکورٹی گارڈ نے کہا تو ٹائیگر دروازہ کھول کر اندر

داخل ہو گیا۔

''آؤ آؤ۔ مجھے کچھ دیر پہلے احساس ہونے لگا تھا کہ زلزلہ آ رہا ہے''...... ادھیڑ عمر تھامسن نے اس کے استقبال کے لئے اٹھ کر کھڑے ہوئے کہا۔

''زلزلہ آ نہیں رہا بلکہ زلزلہ کرسی پر بیٹھا ہوا ہے''...... ٹائیگر نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا تو تھامسن بھی ہنس پڑا۔

''آج بغیر اطلاع تمہاری آمد بتا رہی ہے کہ تم کسی خاص مشن پر کام کر رہے ہو''...... تھامسن نے مڑ کر ریفریجریٹر کھول کر اس سے دو ٹن ایپل جوس کے اٹھائے اور ایک ٹائیگر کی طرف بڑھا کر اس نے دوسرا اپنے سامنے رکھا اور پھر اطمینان سے اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''تمہاری بات درست ہے۔ مجھے ایک عمارت کی تلاش ہے۔ تم مجھ سے بھی بہت پہلے کے انڈرورلڈ میں موجود ہو۔ اس لئے میں یہاں آیا ہوں تاکہ اس عمارت کے بارے میں درست معلومات مجھے مل سکیں''...... ٹائیگر نے ایپل جوس سپ کرتے ہوئے کہا۔

''ارے ایسی کون سی بلڈنگ ہے جس کے بارے میں تم نہیں جانتے۔ میرا تو خیال ہے کہ تم ہر بلڈنگ کی ایک ایک اینٹ کی علیحدہ علیحدہ ہسٹری جانتے ہو گے''...... تھامسن نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اس کا نام شیش محل ہے''...... ٹائیگر نے کہا تو تھامسن نے بے اختیار آنکھیں بند کر لیں جیسے سوچ رہا ہو۔

''ہاں۔ مجھے یاد آ گیا''...... اچانک تھامسن نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔

''کہاں ہے یہ بلڈنگ اور کس قسم کی بلڈنگ ہے''...... ٹائیگر نے قدرے مسرت بھرے لہجے میں کہا کیونکہ اس کا اندازہ درست نکلا تھا۔

''میں نے ایک بار کالا شیر سے اس بارے میں سنا تھا کہ کالی بستی میں ایک دو منزلہ بلڈنگ ہے جسے شیش محل اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں کھڑکیاں اس قدر ہیں کہ جتنی شاید کسی بلڈنگ میں نہ ہوں گی اور ہر کھڑکی پر چمکدار شیشہ لگا ہوا ہے۔ اس لئے اس پر جب روشنی ڈالی جائے تو وہ تمام شیشے مل کر اسے واقعی شیش محل بنا دیتے ہیں''...... تھامسن نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''کالا شیر تو ہلاک ہو چکا ہے۔ وہی کالا شیر تھا یا کوئی اور بھی کالا شیر ہے''...... ٹائیگر نے کہا۔

''کالا شیر ایک ہی آدمی تھا جس کی لاش ویران علاقے سے ملی ہے۔ پاکیشیا اور کافرستان کے درمیان اسلحے کی اسمگلنگ کا بہت بڑا نام تھا۔ نجانے اسے کس نے ہلاک کیا اور کیوں''...... تھامسن نے کہا۔

''غلط کام کرنے والے ہر آدمی کا یہی انجام ہوتا ہے۔ جتنا جو کرتا ہے اتنا ہی اسے بھگتنا پڑتا ہے لیکن یہ کالی بستی کہاں ہے''۔ ٹائیگر نے کہا۔

''تم نے اس بارے میں واقعی نہ سنا ہو گا کیونکہ تم انڈر ورلڈ کی اعلیٰ سطح پر کام کرتے ہو جبکہ یہ کالی بستی بہت نچلی سطح پر کام کرنے والوں کی بستی ہے''...... تھامسن نے کہا۔

''تم میرے بارے میں ریمارکس کم دو اور میری معلومات میں اضافہ زیادہ کرو کیونکہ میرے پاس وقت بہت کم ہے''...... ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا تو تھامسن بھی ہنس پڑا۔

''کالا شیر نامی علاقہ تو تم نے سنا ہو گا''...... تھامسن نے کہا۔

''نہ صرف سنا ہے بلکہ دیکھا بھی ہے''...... ٹائیگر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''اس علاقے میں ایک چوک ہے۔ اس چوک سے ایک راستہ کالا بستی کو بھی جاتا ہے وہاں کسی آدمی سے بھی پوچھ لو۔ بتا دے گا لیکن یہ بات میں تمہیں بتا دوں کہ اسے انتہائی خطرناک علاقہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہاں ایک اور شیر کا قبضہ ہے جسے سانگا شیر کہا جاتا ہے''۔ تھامسن نے کہا تو ٹائیگر بے اختیار ہنس پڑا۔

''یہ بستی کالی کیوں کہلاتی ہے۔ تفصیل سے بتاؤ''...... ٹائیگر نے کہا۔

''یہ عام آدمی کے لئے کالی ہے یعنی جہاں کالا دھندہ ہوتا ہے۔ بچے اغوا کر کے یہاں لائے جاتے ہیں تاکہ تاوان لے کر ان کو واپس کیا جائے۔ نوجوان عورتیں دور دراز علاقوں سے اغوا کر کے یہاں رکھی جاتی ہیں تاکہ انہیں خفیہ منڈیوں میں فروخت کیا جا

سکے۔ ہر قسم کی منشیات کا یہاں کھلا لین دین کیا جاتا ہے۔ قاتلوں کے گروہوں کی بکنگ یہاں ہوتی ہے اور بہت سے ایسے کام ہوتے ہیں جنہیں عام طور پر کالا دھندہ کہا جاتا ہے''...... تھامسن نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''کتنا بڑا علاقہ ہے یہ اور یہاں کا حکمران سانگا شیر ہے یا علیحدہ علیحدہ حکمران ہیں''...... ٹائیگر نے کہا۔

''حکومت تو سانگا شیر کی ہے۔ باقی اس کے آدمی ہیں جو وہاں کنٹرول کرتے ہیں لیکن میری درخواست ہے کہ تم خود مت جانا وہاں''...... تھامسن نے کہا۔

''اسے چھوڑو۔ مجھے ہر سطح کے لوگوں سے نمٹنا آتا ہے۔ تم کسی طرح یہ معلوم کر کے مجھے بتاؤ کہ کیا واقعی شیش محل اس بستی میں واقع عمارت کو کہا جاتا ہے''...... ٹائیگر نے کہا تو تھامسن نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر سائیڈ پر رکھے ہوئے فون کا رسیور اٹھا کر اس نے یکے بعد دیگرے دو بٹن پریس کر دیئے۔

''یس باس''...... دوسری طرف سے اس کی فون سیکرٹری کی مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

''کالی بستی میں سانگا شیر یا اس کا کوئی آدمی موجود ہو تو اس سے میری بات کراؤ''...... تھامسن نے کہا۔

''یس باس''...... دوسری طرف سے کہا گیا اور تھامسن نے رسیور رکھ دیا۔

''تمہیں شیش محل کی کیوں تلاش ہے''...... تھامسن نے رسیور رکھ کر سامنے بیٹھے ہوئے ٹائیگر سے کہا۔

''ہم ایک اطالوی بچے کو تلاش کر رہے ہیں۔ کالا شیر اس میں ملوث تھا اور کالا شیر نے بتایا تھا کہ اسے شیش محل میں رکھا گیا ہے''...... ٹائیگر نے کہا۔

''ان مغوی بچوں کا انچارج تو سانگا شیر کا اسسٹنٹ کالو ہے۔ اس سے معلوم کرنا پڑے گا لیکن وہ انتہائی گرم دماغ کا آدمی ہے۔ ایک لمحے میں آگ کا گولہ بن جاتا ہے''...... تھامسن نے کہا۔ پھر اس سے پہلے کہ ٹائیگر کوئی جواب دیتا۔ فون کی گھنٹی بج اٹھی تو تھامسن نے رسیور اٹھا لیا۔

''یس''...... تھامسن نے کہا۔

''سانگا شیر کے اسسٹنٹ کالو سے بات کریں باس''...... دوسری طرف سے مؤدبانہ لہجے میں کہا گیا۔

''ہیلو۔ تھامسن بول رہا ہوں ریمزے کلب سے''...... تھامسن نے کہا۔

''بولو۔ کیا بولتے ہو۔ میں کالو بول رہا ہوں''...... دوسری طرف سے ایسے لہجے میں کہا گیا جیسے کوئی کسی کو چڑا رہا ہو۔

''جناب کالو صاحب۔ کالی بستی میں ایک عمارت ہے شیش محل۔ اس کا انچارج کون ہے''...... تھامسن نے سامنے بیٹھے ہوئے ٹائیگر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

’’میں ہوں انچارج کیوں‘‘...... دوسری طرف سے جھٹکے دار لہجے میں کہا گیا۔

’’کہا جا رہا ہے کہ شیش محل میں مغوی بچے رکھے جا رہے ہیں۔ ملکی بھی اور غیر ملکی بھی۔ کیا یہ سچ ہے‘‘...... تھامسن نے کہا۔

’’بکواس مت کیا کرو تم ہم پر الزام لگا رہے ہو۔ مجھے تمہارے باپ کا خیال نہ ہوتا تو تم اب تک قبر میں اتر چکے ہوتے‘‘۔ دوسری طرف سے چیختے ہوئے لہجے میں کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا تو تھامسن نے بھی رسیور رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر واقعی پسینہ آ گیا تھا۔

’’تم نے غلط بات کر دی۔ کیا وہ اپنے منہ سے خود تسلیم کر لیتا اور وہ بھی اوپن فون پر کہ اس کی زیر نگرانی مغوی بچے ہیں‘‘۔ ٹائیگر نے کہا۔

’’تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ بہرحال جو میں تمہارے لئے کر سکتا تھا وہ میں نے کر دیا‘‘...... تھامسن نے کہا تو ٹائیگر اس کے بات کرنے کے انداز سے ہی سمجھ گیا کہ اب وہ چاہتا ہے کہ ٹائیگر چلا جائے۔ چنانچہ ٹائیگر نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کیا اور چند منٹوں بعد اس کی کار تیزی سے کالا شیر کے علاقے کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی۔ اب وہ موقع پر جا کر اس کالو سے دو دو ہاتھ کر کے اس بات کو کنفرم کرنا چاہتا تھا کہ کیا واقعی اطالوی مغوی بچہ اس عمارت میں موجود بھی ہے یا نہیں لیکن پھر اچانک اسے خیال آیا کہ وہ اس سے

پہلے عمران کو رپورٹ دے کر اس سے تازہ ترین ہدایات لے لے۔ چنانچہ اس نے کار کی رفتار آہستہ کی اور پھر اسے ایک محفوظ جگہ پر پارک کر کے اس نے جیب سے سیل فون نکالا اور اسے آن کر کے نمبر پریس کرنے شروع کر دیئے۔ اس نے عمران کے فلیٹ کے نمبر پریس کئے تھے کیونکہ عمران نے اسے خود کہا تھا کہ اسے فلیٹ کے نمبروں پر کال کرے۔

’’یس‘‘...... گھنٹی بجنے کے کچھ دیر بعد رسیور اٹھا لیا گیا تو سلیمان کی آواز سنائی دی۔

’’ٹائیگر بول رہا ہوں۔ عمران صاحب نے کہا تھا کہ فلیٹ پر فون کروں‘‘...... ٹائیگر نے کہا۔

’’نہیں۔ وہ ابھی واپس نہیں آئے۔ آپ سیل فون پر ان سے رابطہ کر لیں‘‘...... سلیمان نے کہا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا تو ٹائیگر نے کال ڈسکنکٹ کی اور اس بار اس نے عمران کے سیل فون نمبر پر کال کیا۔

’’یس علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) بول رہا ہوں‘‘...... عمران نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

’’ٹائیگر بول رہا ہوں باس‘‘...... ٹائیگر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

’’کچھ معلوم ہوا ہے‘‘...... عمران نے چونک کر پوچھا۔

’’یس باس‘‘...... ٹائیگر نے کہا اور پھر تھامسن سے ملاقات اور

کالی بستی کے سلسلے میں ہونے والی تمام باتیں بتا دیں۔

”تمہارا مطلب ہے کہ وہ اطالوی بچہ کالی بستی میں ہے اور اسے وہاں سے برآمد کیا جا سکتا ہے“...... عمران نے کہا۔

”یس باس۔ آپ مجھے اجازت دیں تو یہ کام میں کر سکتا ہوں“...... ٹائیگر نے کہا۔

”نہیں۔ تم اکیلے وہاں نہیں جاؤ گے۔ تم اس وقت کہاں ہو“۔ عمران نے کہا۔

”میں کراس ورلڈ چوک کے قریب ایک پبلک پارکنگ میں موجود ہوں“...... ٹائیگر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”تم وہیں رہو۔ میں فورسٹارز کے چیف صدیقی کو فون کرتا ہوں۔ وہ تم سے خود ہی بات کرے گا۔ یہ کیس ان کا ہے اور اس سلسلے میں تمام فیصلے اس نے ہی کرنے ہیں“...... عمران نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”او کے“...... ٹائیگر نے کہا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا۔

”باس کی اصول پسندی ہر جگہ آڑے آ جاتی ہے“...... ٹائیگر نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ پھر تقریباً پندرہ بیس منٹ بعد اس کے سیل فون کی گھنٹی بج اٹھی تو ٹائیگر نے فون آن کیا تو سکرین پر صدیقی کا نام ڈسپلے ہو رہا تھا۔

”یس صدیقی صاحب۔ میں ٹائیگر بول رہا ہوں“...... ٹائیگر نے

مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

”ٹائیگر تم اس وقت کہاں موجود ہو۔ ہمیں عمران صاحب نے بتایا ہے کہ تم نے شیش محل نامی عمارت کے بارے میں کنفرم کر لیا ہے کہ وہ کالا شیر کے علاقے میں واقع کالی بستی میں موجود ہے اور مغوی بچے بھی جس میں اطالوی بچہ بھی شامل ہے وہاں موجود ہیں“...... صدیقی نے کہا۔

”یس سر“...... ٹائیگر نے کہا اور پھر ریمزے کلب کے تھامسن سے ہونے والی بات چیت سمیت یہاں پہنچ کر عمران کو فون کرنے تک کی پوری تفصیل بتا دی۔

”لیکن اس بستی میں وہ سانگا شیر اکیلا تو نہ رہتا ہو گا۔ کتنے آدمی وہاں رہتے ہیں“...... صدیقی نے کہا۔

”وہاں بدمعاش لوگ رہتے ہیں اور اس بستی میں اجنبی کو جانے بھی نہیں دیا جاتا لیکن اگر وہاں جانے والا ان بدمعاشوں پر اپنا رعب ڈال سکے تو پھر وہ بدمعاش لوگ رعب ڈالنے والے کی ہر طرح سے خدمت کرتے ہیں“...... ٹائیگر نے کہا۔

”یہ شیش محل نامی عمارت کا انچارج کون ہے“...... صدیقی نے پوچھا۔

”بڑا لیڈر سانگا شیر ہے اور اس کا اسسٹنٹ کالو ہے جو بے حد گرم مزاج اور لڑنے بھڑنے والا آدمی ہے“...... ٹائیگر نے کہا۔

”تم وہیں رکو۔ ہم وہیں آ رہے ہیں۔ اس کے بعد اس مغوی

بچے کو رہا کرانے کے لئے کوئی اقدام سوچیں گے“...... صدیقی نے کہا۔

”صدیقی صاحب۔ آپ اجازت دیں تو میں خود اس کالو سے مل کر اسے رام کرلوں۔ مجھے وہ طریقے آتے ہیں جن سے یہ بدمعاش ٹائپ لوگ قابو میں آ جاتے ہیں“...... ٹائیگر نے کہا۔

”اگر ایسا ہوتا ٹائیگر۔ تو عمران صاحب تمہیں اجازت دے دیتے۔ ہم آ رہے ہیں“...... صدیقی نے کہا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا تو ٹائیگر نے فون آف کر کے اسے واپس جیب میں ڈال لیا۔

کالی بستی میں تقریباً دس کے قریب چھوٹی بڑی عمارتیں تھیں جن میں سے پانچ دو منزلہ تھیں باقی سنگل سٹوری تھیں۔ ان میں ایک دو منزلہ عمارت کو شیش محل کہا جاتا تھا۔ وہاں مغوی بچوں اور عورتوں کو رکھا جاتا تھا۔ اس طرح مرد مغویوں کے لئے علیحدہ عمارت تھی۔ ایک بڑی بلڈنگ میں اسلحہ خانہ تھا۔ ہر قسم کا جدید اسلحہ اور پرانا اسلحہ وہاں ڈھیروں کی صورت میں رکھا جاتا تھا اور ایک عمارت میں مسلح افراد رہتے تھے جو اس بستی کی حفاظت کرتے تھے۔ بستی کے گرد باقاعدہ چار دیواری بنائی گئی تھی۔ یہاں دن کے وقت باقاعدہ بڑی رقم کا کھل کر جوا کھیلا جاتا تھا کیونکہ جیتنے والے کو مکمل اعتماد تھا کہ وہ چاہے کروڑوں روپے کا جوا کیوں نہ جیت جائے۔ کسی میں جرأت نہیں کہ وہ اس پر حملہ کر سکے یا کسی طرح کی بے انصافی کر سکے۔ کالی بستی کے بدمعاشوں کو سب سے زیادہ آمدنی اس جوا خانے سے ہوتی تھی۔ دوسرے نمبر پر اغوا برائے تاوان اور تیسرے نمبر پر

عورتوں کی خرید و فروخت تھی۔ اس کے بعد بڑی بڑی قیمتی زمینوں پر ناجائز قبضہ اور پھر ان کی فروخت ۔ یہ سارا گندہ اور غیر قانونی کام یہاں کالی بستی میں مسلسل اور منظم طریقے سے ہوتا تھا۔ اس کالی بستی کا اصل انچارج سانگا شیر تھا جس کا نائب کالو تھا جس کے تحت دس کے قریب بدمعاش تھے جو ہر جھگڑے میں سب سے آگے ہوتے تھے۔ یہاں ایک کھلی اور خالی عمارت تھی جسے سانگا شیر کا آفس کہا جاتا تھا۔ سانگا شیر جب کالی بستی میں آتا تو وہ اس آفس میں ہی بیٹھتا تھا ورنہ اس کی جگہ کالو بیٹھتا تھا۔ اس وقت اس آفس کی میز کے گرد آٹھ کرسیاں موجود تھیں جبکہ دو کرسیاں ایک ساتھ موجود تھیں اور وہ دونوں ہی دائیں بائیں گھومنے والی کرسیاں تھیں۔ ان کرسیوں پر سانگا شیر اور کالو بیٹھا کرتے تھے۔ اس وقت ان دونوں کرسیوں پر سانگا شیر اور کالو دونوں بیٹھے شراب پینے میں مصروف تھے۔

”کالا شیر ہلاک ہو گیا ہے“...... اچانک سانگا شیر نے کہا۔

”ہاں۔ میں نے بھی سنا ہے کہ اسے سرکاری ایجنٹوں نے مارا ہے“...... کالو نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ میں نے بھی سنا ہے۔ وہ اسے وشنو کے ڈیرے کے راستے سے اٹھا کر لے گئے تھے اور کالا شیر ان سے پہلے سے واقف تھا کیونکہ کالا شیر نے انہیں بھاری قیمت پر ایک عورت بھی فروخت کی تھی۔ باقاعدہ ڈرامہ کیا گیا ہے“...... سانگا شیر نے تفصیل سے

بات کرتے ہوئے کہا۔

اس کا مطلب ہے کہ کالا شیر کو دھوکے سے مارا گیا ہے۔ پہلے اس سے خرید و فروخت کی گئی تا کہ وہ انہیں اپنا مخالف نہ سمجھے۔ پھر اسے اغوا کر کے ہلاک کر دیا گیا ہے“......کالو نے کہا۔

”ہاں اور اب ہم نے کالا شیر کا انتقام ان سرکاری ایجنٹوں سے لینا ہے“...... سانگا شیر نے کہا تو کالو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”لیکن ان کے بارے میں تفصیل کیسے معلوم ہو گی“...... سانگا شیر نے کہا۔

”یہ تفصیل ہمیں ٹائیگر بتا سکے گا“...... کالو نے کہا تو سانگا شیر بے اختیار اچھل پڑا۔

”ٹائیگر۔ یہ کون ہے۔ یہ نام ہی میں نے پہلی بار سنا ہے تمہارے منہ سے“......سانگا شیر نے کہا۔

”یہ ایک سرکاری ایجنسی کا آدمی ہے۔ بے حد تیز طرار، لڑاکا اور دوسروں کو دھوکہ دے کر ان کا خاتمہ کر دینا اس کا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ بے شمار لوگوں کو اس نے ڈسا ہے اور مجھے سو فیصد یقین ہے کہ اس ٹائیگر نے ہی کالا شیر کا خاتمہ کیا ہو گا“...... کالو نے کہا۔

”اس کا کیا ثبوت ہے تمہارے پاس“...... سانگا شیر نے کہا۔

”میں کوشش کرتا ہوں شاید ثبوت مل جائے“...... کالو نے کہا اور رسیور اٹھا کر اس نے دو تین نمبر پریس کئے تو ایک مردانہ آواز سنائی

دی۔

''جی صاحب''...... بولنے والا مرد تھا لیکن لہجہ بے حد نرم تھا۔

''ریمزے کلب کے مالک تھامسن سے میری بات کراؤ''۔ کالو نے کہا۔

''اچھا جی''...... دوسری طرف سے کہا گیا۔

''تھامسن بول رہا ہوں ریمزے کلب سے''...... کچھ دیر بعد ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

''تھامسن۔ تم نے مجھے فون کر کے شیش محل کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت تمہارے پاس کون موجود تھا اور پہلے یہ سن لو کو مجھے اس بارے میں مکمل معلومات ہیں لیکن میں تمہیں آزمانے کے لئے پوچھ رہا ہوں''...... کالو نے سخت لہجے میں کہا۔

''اس وقت میرے پاس انڈر ورلڈ میں کام کرنے والا آدمی ٹائیگر موجود تھا''...... تھامسن نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''وہ کیوں اس بارے میں معلوم کرنا چاہتا تھا''...... کالو نے پوچھا۔

''اس لئے کہ سرکاری ایجنٹوں کو کسی اطالوی بچے کی تلاش تھی اور ان کا خیال تھا کہ کالی بستی میں ایک عمارت شیش محل ہے جہاں مغوی بچے رکھے جاتے ہیں۔ وہ یہ بات کنفرم کرانا چاہتا تھا''۔ تھامسن نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''میں سانگا شیر بول رہا ہوں۔ کن سرکاری ایجنٹوں سے وہ منسلک ہے۔ ان کے بارے میں تفصیل بتاؤ''...... سانگا شیر نے رسیور کالو کے ہاتھ سے لے کر خود بات کرتے ہوئے کہا۔

''اس کا تعلق سیکرٹ سروس کے لئے کام کرنے والے ایک ایجنٹ علی عمران سے ہے اور یہ علی عمران ایک مسخرہ سا آدمی ہے لیکن انتہائی خطرناک بین الاقوامی ایجنٹ ہے''...... تھامسن نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''کہاں ہے اس ٹائیگر کا اڈہ''...... سانگا شیر نے کہا۔

''کسی ہوٹل میں وہ رات کو سونے جاتا ہے اس ہوٹل کے کمرے میں اس نے اڈہ بنایا ہوا ہے۔ سارا دن ادھر ادھر گھومتا رہتا ہے''...... تھامسن نے کہا۔

''کیا تم اسے فوراً تلاش کر سکتے ہو۔ نہیں میں جواب نہ دینا ورنہ پہلے تمہاری لاش گرے گی''...... سانگا شیر نے کہا۔

''میں اسے فون پر کہیں نہ کہیں تلاش کر لوں گا''...... تھامسن نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے معلوم کرو کہ اس وقت وہ کہاں ہے۔ پھر مجھے یہاں کالی بستی میں فون کر کے اطلاع دو''...... سانگا شیر نے کہا اور رسیوز رکھ دیا۔

''اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا ہے''...... سانگا شیر نے کہا۔

''اس کا شکار میں نہ کروں''...... کالو نے کہا۔

''نہیں۔ یہ ٹائیگر ہے اور لڑائی ہمیشہ شیر اور ٹائیگر میں ہوتی ہے''...... سانگا شیر نے کہا تو۔ پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بج اٹھی تو کالو نے رسیور اٹھا لیا۔

''ہاں۔ کالو بول رہا ہوں''...... کالو نے اونچی آواز میں کہا۔

''تھامسن بول رہا ہوں۔ میری ٹائیگر سے بات ہوئی۔ اس نے جو کچھ بتایا ہے اس کے مطابق میرے اندازہ ہے کہ وہ اپنے سرکاری ساتھیوں کے ساتھ مل کر کسی خصوصی مشن پر کام کرنے جا رہا ہے اور اشارتاً اس نے جو کچھ بتایا ہے اس کے مطابق یہ خصوصی مشن کالی بستی میں مکمل کیا جائے گا''...... تھامسن نے کہا تو سانگا شیر اور کالو بے اختیار چونک پڑے۔

''کیسے اندازہ ہوا تمہیں''...... کالو نے کہا۔

''اس لئے کہ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں کبھی کالی بستی کے اندر گیا ہوں یا نہیں۔ وہ اندر کی تعمیرات کے متعلق خاص طور پر شیش محل کے بارے میں معلوم کرانا چاہتا تھا''...... تھامسن نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''او کے۔ ہم اس سے نمٹ لیں گے''...... کالو نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

''تھامسن درست کہہ رہا ہے۔ اس لئے ہمیں اس سلسلے میں ابتدائی کام کر لینا چاہئے''...... سانگا شیر نے کہا۔

''پہلے تو یہ دیکھو کہ وہ کس راستے سے یہاں آئیں گے۔

دیواریں تو اتنی اونچی ہیں کہ وہ انہیں پھلانگ نہیں سکتے۔ اب ایک ہی راستہ ہے دس دکانوں والا۔ وہاں سے بغیر اجازت بلکہ خصوصی اجازت کے بغیر کوئی اندر داخل نہیں ہو سکتا''...... کالو نے کہا۔

''اونچی ڈھیری والا راستہ بھی تو ہے جہاں سے عام طور پر بستی کے لوگ آتے جاتے ہیں اس طرح انہیں طویل چکر نہیں کاٹنا پڑتا''...... اچانک کالو نے چونک کر کہا۔

''ارے ہاں۔ وہ سرکاری ایجنٹ ہیں۔ وہ عام راستوں کی بجائے ایسے ہی راستے سے اندر داخل ہوں گے''۔ سانگا شیر نے کہا۔

''لیکن وہ راستہ تو گزشتہ ہفتے آپ کے حکم پر بند کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ وہاں سے رات گئے کوئی بھی بغیر اجازت اندر داخل ہو سکتا تھا''۔ کالو نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''کس طرح بند کیا تھا''...... سانگا شیر نے کہا۔

''خالی اینٹوں سے بند کرایا تھا''...... کالو نے کہا۔

''او کے۔ سنو۔ فوراً جا کر یہ راستہ کھول دو۔ یہ سرکاری ایجنٹ نپے تلے انداز میں کام کرتے ہیں۔ وہ عام کی بجائے لازماً اس راستے سے اندر داخل ہوں گے اور ہم انہیں آسانی سے بے ہوش کر سکیں گے''...... سانگا شیر نے کہا تو کالو بے اختیار اچھل پڑا۔

''بے ہوش۔ وہ کیوں باس۔ ہم گولیوں کی بوچھاڑ سے ان سب کے جسموں کے ٹکڑے اڑا دیں گے''...... کالو نے کہا۔

''سنو۔ ہم نے ان سے تمام ضروری باتیں پوچھنی ہیں۔ اگر انہیں ویسے ہی ختم کر دیا تو سب کچھ معلوم نہ ہو سکے گا اور بے ہوش کرنے کے بعد ہم انہیں کرسیوں پر رسیوں سے باندھ دیں گے اور ان پر تشدد کر کے ان سے معلومات حاصل کر کے پھر جی بھر کر گولیوں سے چھلنی کر کے ان کی لاشیں سڑکوں پر پھینک دیں گے تاکہ پورے ملک کو معلوم ہو سکے کہ کالا شیر کے شاگرد کسی سے کم نہیں ہیں''...... سانگا شیر نے کہا۔

''باس۔ آپ بھی سرکاری ایجنٹوں کے انداز میں سوچتے ہیں۔ میرے تو ذہن میں یہ باتیں نہیں آ سکتی تھیں''...... کالو نے کہا۔

''تم فوراً بے ہوش کرنے والی گنیں منگوا لو اور دو آدمیوں کو وہاں تعینات کر دو''...... سانگا شیر نے کہا۔

''میں خود وہیں رہوں گا''...... کالو نے کہا۔

''ساتھ والی بلڈنگ میں ان کو رسیوں سے باندھنے کا بندوبست کر رکھنا''...... سانگا شیر نے کہا۔

''اور اگر باس، وہ عام راستے سے اندر آ گئے تو''...... کالو نے کہا۔

''میں نے کب کہا ہے کہ اور کسی راستے پر کام نہ کرو۔ ہر طرح کا بندوبست ضروری ہے''...... سانگا شیر نے کہا اور شراب کا گلاس اٹھا کر منہ سے اس طرح لگا لیا کہ جیسے مزید بات چیت نہ کرنا چاہتا ہو اور کالو سر ہلاتا ہوا اٹھا اور تمام انتظامات کرانے کے لئے وہاں

سے چلا گیا۔ سانگا شیر کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات نمایاں تھے کیونکہ اسے معلوم تھا کہ کالو چاہے کتنا ہی مشتعل مزاج کیوں نہ ہو، وہ بہرحال اس کے ہر حکم کی مکمل تعمیل کرتا تھا۔ اس لئے اسے اطمینان تھا کہ ان سرکاری ایجنٹوں کو بے ہوش کر کے انہیں باندھنے کے بعد اسے اطلاع دی جائے گی۔ ویسے یہ بے ہوش کرنے والی ترکیب اس لئے اس کے ذہن میں آئی تھی کہ وہ ان کے مرنے سے پہلے ان سے تمام معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

ٹائیگر کار لئے ایک اونچی عمارت کی سائیڈ میں موجود تھا۔ کار اس انداز میں پارک کی گئی تھی کہ جیسے کار کا مالک یہاں کافی دیر تک ٹھہرنا چاہتا ہو۔ اسے صدیقی کی کال آئی تھی کہ وہ فور سٹارز کے ساتھ وہاں پہنچ رہا ہے تاکہ آج کالی بستی پر حملہ کر کے وہاں سے اس اطالوی مغوی بچے کو برآمد کیا جائے۔ اس وقت شام ہونے والی تھی لیکن اس کے ہر طرف اچھی خاصی روشنی موجود تھی۔ کچھ دیر بعد بیک مرر پر دور سے صدیقی کی کار آتی دکھائی دی تو ٹائیگر چونک کر سیدھا ہو گیا کیونکہ وہ صدیقی کی کار کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد صدیقی کی کار اس کی کار کے پیچھے رک گئی تو ٹائیگر کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ اس کے ساتھ ہی صدیقی اور اس کے ساتھی نعمانی، چوہان اور خاور بھی کار سے باہر آ گئے۔

”کیا ہوا ریڈ کا“...... صدیقی نے پوچھا۔

”ایک عام راستہ ہے۔ وہاں مشین گنوں سے مسلح دس سے زیادہ

افراد تعینات ہیں۔ دوسرا راستہ بستی کے عقبی طرف ہے۔ اس راستے کو اینٹوں سے بند کر دیا گیا تھا لیکن اب اس وقت وہ کھلا ہوا ہے“...... ٹائیگر نے جواب دیا تو صدیقی چونک پڑا۔

”اس وقت کیوں“...... صدیقی نے کہا۔

”شاید ان تک ہماری ریڈ کی کسی نہ کسی طرح اطلاع پہنچ گئی ہو اور اس راستے کو انہوں نے ہمارے لئے ٹریپ بنا دیا ہو“...... ٹائیگر نے کہا۔

”ایسے بکھیڑوں میں ہم ایجنٹ اپنی تربیت کی وجہ سے پڑتے ہیں۔ یہ عام سے بدمعاش صرف مارو یا مر جاؤ جانتے ہیں“۔ چوہان نے کہا۔

”تو پھر کیوں نہ دونوں راستوں پر بیک وقت ریڈ کیا جائے“۔ صدیقی نے کہا۔

”لیکن عمران صاحب کا حکم اور ہے“...... ٹائیگر نے کہا۔

”وہ کیا“...... صدیقی سمیت اس کے سب ساتھیوں نے چونک کر پوچھا۔

”ان کا کہنا ہے کہ پہلے سانگا شیر یا کالو کو بے ہوش کر کے اغوا کرو اور انہیں ہیڈکوارٹر لے جا کر وہاں ان سے سارے حالات معلوم کرو۔ پھر اس اطالوی مغوی بچے کو وہاں سے نکالا جائے۔ اس کے بعد اس پوری بستی کو انٹیلی جنس کے حوالے کیا جا سکتا ہے یا دوسری صورت یہ کہ جس طرح بھی ممکن ہو، پہلے اس اطالوی مغوی

بچے کو وہاں سے نکالو اور پھر وہاں جی بھر کر آپریشن کیا جا سکتا ہے اور اسی لئے انہوں نے رات کو وہاں آپریشن کرنے سے منع کیا تھا تاکہ غلط فہمی میں وہ اطالوی مغوی بچہ ہی نہ مارا جائے“...... ٹائیگر نے کہا۔

”سنو ٹائیگر۔ یہ مشن سیکرٹ سروس یا کسی اور سروس کا نہیں ہے۔ یہ فورسٹارز کا مشن ہے اور فورسٹارز کا چیف میں ہوں۔ عمران صاحب نہیں ہیں اور تمہیں بھی اس لئے اپنے ساتھ رکھ رہے ہیں کہ تم جو کام بھی کرتے ہو، انتہائی خلوص کے ساتھ کرتے ہو۔ بہرحال صاف اور کھلی بات یہ ہے کہ اس مشن کے دوران اگر تم میرے ماتحت رہ کر کام کرنا چاہو تو ٹھیک ہے۔ ابھی بتا دو۔ ورنہ تمہارے اور ہمارے راستے الگ ہو جائیں گے“...... صدیقی نے کہا۔

”صدیقی صاحب آپ عمران صاحب کے ساتھی ہیں اور میں ان کا شاگرد ہوں اس لحاظ سے میں آپ کی برابری کیسے کر سکتا ہوں۔ میں اپنی حیثیت میں رہنا جانتا ہوں۔ میں نے تو صرف وہ باتیں آپ تک پہنچائی ہیں جو عمران صاحب نے کہی تھیں ان پر عمل کرنا نہ کرنا آپ کا کام ہے مجھے حکم دیں کہ میں نے کیا کرنا ہے“۔ ٹائیگر نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

”گڈ ٹائیگر۔ تم واقعی بے حد حوصلہ مند ہو۔ ہم تمہیں اپنا دوست سمجھتے ہیں۔ صدیقی نے جو کچھ کہا ہے وہ اصول کی بات ہے کیونکہ

تمہارا رخ اس طرف سے ہو سکتا ہے اور ہمارا دوسری طرف سے۔ اس طرح ہم کامیابی کی بجائے ناکامی کا شکار ہو سکتے ہیں“۔ چوہان نے ٹائیگر کے کاندھے پر تحسین کے انداز میں ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

”شکریہ جناب“...... ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”تو اب سنو۔ ہم نے پوری طرح اندھیرا ہونے سے پہلے اس دوسرے راستے کی باقاعدہ ریکی کرنی ہے تاکہ وہاں کی اصل صورت حال سامنے آ سکے۔ اس کے بعد فائنل آپریشن اور اطالوی مغوی بچے کی برآمدگی اور پھر ہماری واپسی ہے۔ اس کے بعد بے شک عمران صاحب اس بستی کو پولیس کے حوالے کرتے ہیں یا انٹیلی جنس کے۔ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں البتہ سانگا شیر اور کالو کا خاتمہ ضروری ہے تاکہ یہاں افراتفری پھیل جائے اور ہم کامیاب ہو سکیں۔ ہمارا ٹارگٹ بہرحال اس اطالوی مغوی بچے کی برآمدگی اور صحیح سلامت واپسی ہے“...... صدیقی نے کہا۔

”ریکی میں سب شامل ہوں گے“...... ٹائیگر نے پوچھا۔

”ہاں۔ کیونکہ ہم نے ریکی کے فوراً بعد وہاں کے حالات دیکھتے ہوئے آپریشن کرنا ہے“...... صدیقی نے جواب دیتے ہوئے کہا اور سب نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔ پھر فورسٹارز، ٹائیگر کی رہنمائی میں آگے بڑھنے لگے۔ دونوں کاریں ایک دوسرے سے قدرے فاصلے پر تھیں لیکن وہاں کوئی تیسری کار موجود نہ تھی البتہ ٹرک اور

مسافر ویگنیں ضرور چل رہی تھیں۔ پھر ایک موڑ مڑتے ہی ٹائیگر کی کار نے رکنے کا اشارہ کیا اور چند منٹ بعد ایک درختوں کے جھنڈ کے اندر لے جا کر اس نے کار روک دی اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ اس کی جیب میں مشین پسٹل پہلے سے موجود تھا۔ اس کے رکتے ہی صدیقی اور اس کے ساتھیوں کی کار بھی عقب میں آ کر رک گئی۔ یہاں درختوں کا ایک گھنا جھنڈ تھا۔ پھر صدیقی اور اس کے ساتھی بھی کار سے باہر آ گئے۔

”سامنے چار دیواری کے اندر وہ راستہ ہے جسے پہلے بند کر دیا گیا تھا اور اب اینٹیں ہٹا کر اسے کھول دیا گیا ہے“...... ٹائیگر نے دور ایک اونچی چار دیواری جس پر لوہے کی باڑ لگی ہوئی تھی، کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ تم یہیں رکو۔ میں دیکھ کر آتا ہوں“...... صدیقی نے کہا۔

”میں تمہاری مخالف سمت میں ریکی کروں گا“...... چوہان نے کہا۔

ٹھیک ہے۔ باقی ساتھی اور ٹائیگر میرے اشارے پر آگے بڑھیں گے“...... صدیقی نے کہا تو سب نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔ پھر بائیں ہاتھ پر چوہان اور دائیں ہاتھ پر صدیقی باقاعدہ فوجی انداز میں ریکی کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ان کا انداز ایسا تھا جیسے دشمنوں کی سرزمین میں پہلی بار داخل ہو رہے ہوں۔ درختوں کے جھنڈ سے نکل کر اونچی گھاس میں رینگتے ہوئے وہ اس اونچی چار دیواری کی طرف بڑھ رہے تھے جس میں ایک کھلا راستہ موجود تھا۔ چونکہ ابھی پوری طرح اندھیرا نہ چھایا تھا اس لئے روشنی میں ہر چیز واضح نظر آ رہی تھی۔ پھر پہلے صدیقی اور اس کے پیچھے چوہان نے راستہ کراس کیا اور دوسری طرف جا کر ان کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ چند لمحوں بعد چوہان نے واپس راستے کے درمیان پہنچ کر انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا تو صدیقی کے ساتھی نعمانی، خاور اور ٹائیگر تینوں محتاط انداز میں چلتے ہوئے راستے پر پہنچ کر اندار داخل ہوئے تو ایک دو منزلہ عمارت نظر آئی جس کے فرنٹ سائیڈ کے ساتھ ساتھ عقبی سائیڈ پر بھی ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔ صدیقی کے اشارے پر وہ سب اس دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ دروازے کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا جبکہ دوسرا بند تھا۔ پھر ابھی وہ دروازے تک پہنچے ہی تھے کہ فضا سٹک سٹک کی آوازوں سے گونج اٹھی اور پھر اس سے پہلے کہ صدیقی اور اس کے ساتھی اور ٹائیگر کچھ سمجھتے ان سب کے ذہن پلک جھپکنے میں گہرے اندھیروں میں ڈوبتے چلے گئے۔ پھر ٹائیگر کے ذہن میں روشنی کا جھماکا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے پورے جسم میں درد کی تیز لہریں سی دوڑتی چلی گئیں۔ کئی بار ایسے زور دار جھٹکے لگے تو ٹائیگر پوری طرح ہوش میں آ گیا۔ تب اسے معلوم ہوا کہ اس کے گالوں پر مسلسل زور دار تھپڑ مارے جا رہے تھے۔ ان تھپڑوں کی وجہ سے اس کے ذہن میں جھماکا ہوا اور

جسم میں درد کی تیز لہریں دوڑ رہی تھیں۔ آنکھیں کھلتے ہی اس کے گال پر ایک اور زور دار تھپڑ پڑا۔

’’رک جاؤ۔ کیا کر رہے ہو‘‘...... ٹائیگر نے غصے سے چیختے ہوئے لہجے میں کہا تو اس کے سامنے کھڑا ایک ورزشی جسم کا آدمی پیچھے ہٹ گیا۔

’’ابھی تو شکر کرو کہ سانگا شیر نے زندہ پکڑنے کے لئے تمہیں بے ہوش کرنے کا حکم دیا تھا ورنہ اب تک تم پانچوں کی لاشیں چوک پر پڑی ہوتیں‘‘...... اس آدمی نے پیچھے ہٹتے ہوئے انتہائی مضحکہ خیز لہجے میں کہا۔ ٹائیگر نے ادھر ادھر دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ ، صدیقی اور اس کے ساتھی ایک بڑے سے کمرے میں کرسیوں پر رسیوں سے دو قطاروں کی صورت میں بندھے ہوئے تھے۔ آگے کی قطار میں دو افراد تھے۔ ٹائیگر اور چوہان اور عقبی قطار میں تین کرسیاں تھیں جن پر صدیقی، خاور اور نعمانی موجود تھے لیکن ان کے جسم ڈھلکے ہوئے تھے۔ صرف ٹائیگر کو تھپڑ مار کر ہوش میں لایا گیا تھا۔ ٹائیگر نے دیکھا کہ انہیں رسیوں کی مدد سے کرسیوں پر باندھا گیا ہے۔ اب وہ ورزشی جسم کا آدمی ٹائیگر کے ساتھ بیٹھے ہوئے چوہان کی طرف بڑھا اور دوسرے لمحے کمرہ پے درپے چوہان کے گالوں پر پڑنے والے زور دار تھپڑ سے گونج اٹھا۔

’’کیا نام ہے تمہارا‘‘...... ٹائیگر نے کہا۔

’’میرا نام کالو ہے۔ میرا بس چلے تو تمہارے جسموں کے ایک

ایک لاکھ ٹکڑے کر دوں لیکن باس سانگا شیر نے حکم دیا ہے کہ تمہیں یہاں باندھ کر پھر ہوش میں لایا جائے۔ پھر وہ آ کر تم سے پوچھ گچھ کریں گے اور پھر سرکاری ایجنٹوں کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ تمہارا کیا نام ہے‘‘...... کالو نے کہا۔

’’میرا نام ٹائیگر ہے‘‘...... ٹائیگر نے جواب دیا۔ اس دوران کالو نے تھپڑ روک دیئے تھے کیونکہ چوہان ہوش میں آ رہا تھا یا یہ بھی ہوسکتا تھا کہ پہلے ٹائیگر کو مسلسل اور پھر چوہان کو تھپڑ مارنے کی وجہ سے کالو تھک چکا ہو۔ چند لمحوں بعد جب چوہان کو ہوش آ گیا تو کالو کرسیوں کی عقبی قطار کی طرف بڑھ گیا۔

’’بے ہوش افراد کو تھپڑ مار کر خواہ مخواہ اپنے آپ کو سزا دے رہے ہو۔ ناک اور منہ دونوں ہاتھوں سے بند کر دو تو یہ چند لمحوں بعد ہی ہوش میں آ جائیں گے لیکن جب بے ہوش آدمی کے جسم میں حرکت کے آثار نظر آئیں تو فوراً ہاتھ ہٹا لینا ورنہ یہ دم گھٹنے سے ہلاک بھی ہو سکتے ہیں‘‘...... ٹائیگر نے استادوں کی طرح کالو کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

’’میرا استاد بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ سنا تم نے‘‘...... کالو نے مڑ کر انتہائی مشتعل لہجے میں کہا۔

’’میں نے کوئی غلط بات کی ہے۔ خواہ مخواہ اپنا ہاتھ تھکا رہے ہو‘‘...... ٹائیگر نے کہا۔

’’میرے ہاتھ ہیں جو چاہے کروں۔ تم کون ہوتے ہو مجھے

سمجھانے والے’’...... کالو نے اور زیادہ مشتعل ہوتے ہوئے کہا اور مڑ کر ایک زور دار تھپڑ ٹائیگر کے گال پر جڑ دیا۔

‘‘ٹھیک ہے جو مرضی آئے کرتے رہو۔ اب تمہارے ہاتھ آ جو گئے ہیں’’...... ٹائیگر نے منہ بناتے ہوئے کہا تو کالو اس طرح ہنس پڑا جیسے بڑے کسی بچے کی بات پر ہنس پڑتے ہیں۔ ادھر ٹائیگر نے بھی سوچا کہ اسے رسیاں کھولنے اور اس کالو کو قابو کرنے کی کوشش کرنی چاہئے چنانچہ وہ رسیوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کمرے کی سامنے والی دیوار کے ساتھ دو بڑی بڑی مونچھوں والے بدمعاش نما افراد موجود تھے اور وہ مشین گنوں سے مسلح تھے۔

‘‘ٹائیگر’’...... اچانک ٹائیگر کے کانوں میں ہلکی سی آواز ساتھ بیٹھے ہوئے چوہان کی طرف سے پڑی تو اس نے چوہان کی طرف دیکھا۔

‘‘میں نے گانٹھیں کھول لی ہیں۔ تم نے کیا کیا ہے اب تک۔ یہاں دو تین مسلح افراد موجود ہیں۔ انہوں نے فوراً ہی فائرنگ کھول دینی ہے’’...... چوہان نے آہستہ آواز میں بات کرتے ہوئے کہا۔ کالو چونکہ اب عقبی قطار میں بیٹھے ہوئے خاور، نعمانی اور صدیقی کے گالوں پر زور دار تھپڑ مار کر انہیں ہوش میں لانے کی کوشش میں مصروف تھا۔ اس لئے ان دونوں کی کھسر پھسر کے انداز میں کی جانے والی باتیں یا تو اس کے کانوں تک پہنچ نہیں رہی تھیں یا پھر اس نے انہیں اپنی بدمعاشی کے زعم میں نظر انداز کر دیا تھا۔ کمرہ تھپڑوں سے گونج رہا تھا۔ شاید یہ کالو کا من پسند مشغلہ تھا۔

‘‘اس کا باس سانگا شیر آ جائے۔ پھر ایک ہی بار کارروائی کریں گے’’...... ٹائیگر نے آہستہ سے کہا تو چوہان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ٹائیگر نے اب اپنی رسیاں کھولنا شروع کر دیں۔ سامنے کھڑے مسلح بدمعاش اس کے بازوؤں کی معمولی سی حرکات کو یا تو مارک نہیں کر سکے تھے یا پھر پہلے کبھی ان کا واسطہ ایسے حالات سے نہ پڑا تھا۔ اس لئے وہ باوجود دیکھنے کے خاموش کھڑے تھے۔ ٹائیگر نے جلد ہی عقبی طرف بندھی ہوئی دونوں گانٹھیں آسانی سے کھول لیں کیونکہ انہیں عام سے انداز میں باندھا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد تھپڑوں کی آواز ختم ہو گئی تو کالو پلٹ کر کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا۔ ان کی کرسیوں سے کچھ فاصلے پر موجود دو بڑی کرسیاں جن کی پشت اونچی تھی اور وہ ریوالونگ کرسیاں تھیں پڑی ہوئی تھیں۔ کالو ان میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔

‘‘یہ گولیاں مارنے سے زیادہ مشکل کام ہے۔ خواہ مخواہ باس سانگا شیر نے سب کو بے ہوش کر کے باندھنے اور پھر ہوش میں لانے کا حکم دے دیا ہے’’...... کالو نے اونچی آواز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ ظاہر ہے کسی نے اس کی اس بڑبڑاہٹ کا کوئی جواب نہ دیا۔

‘‘روگر’’...... کالو نے گردن موڑے بغیر بڑے رعونت بھرے لہجے میں کہا۔

’’یس باس‘‘...... ایک مسلح آدمی تیزی سے آگے بڑھا اور کالو کی سائیڈ پر پہنچ کر بڑے مؤدبانہ انداز میں جھک گیا۔

’’باس سانگا شیر کو میرا پیغام دو کہ سب بندھے ہوئے ہوش میں آ گئے ہیں لیکن مجھ سے ان کی زندگیاں برداشت نہیں ہو رہیں۔ جلدی آئیں اور جو کچھ پوچھنا ہے ان سے پوچھ لیں تاکہ ان کے سینوں کو گولیوں سے چھلنی کیا جا سکے‘‘...... کالو نے بڑے مشتعل سے لہجے میں کہا۔

’’حکم کی تعمیل ہو گی باس‘‘...... روگر نے انتہائی مؤدبانہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا اور واپس مڑ گیا۔ اس نے مشین گن کاندھے سے لٹکائی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

’’یہ سب کیا ہے‘‘...... اسی لمحے ٹائیگر کو عقب سے صدیقی کی آواز سنائی دی۔

’’کون بولا ہے۔ جلدی بتاؤ اور سنو۔ اب اگر تم نے اپنی طرف سے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو گولیوں سے چھلنی کر دوں گا۔ باس سانگا شیر آ رہا ہے وہ جو کچھ پوچھے، سچ سچ اور مختصر جواب دینا ہے۔ سمجھے‘‘...... کالو نے چیختے ہوئے لہجے میں کہا۔

’’بکواس مت کرو۔ کون ہو تم‘‘...... صدیقی نے بھی چیختے ہوئے لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

’’میں بکواس کر رہا ہوں۔ میں کالو بکواس کر رہا ہوں‘‘...... کالو نے ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے کہا لیکن اسی لمحے کمرے کا دروازہ

کھلا اور ایک لمبے قد اور ورزشی جسم اور بڑے چہرے والا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے مشین گن بردار روگر تھا۔ اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

’’کیا ہو رہا ہے کالو‘‘...... آنے والے نے قدرے غصیلے لہجے میں کہا۔

’’باس سانگا شیر۔ تم نے ہم پر بڑا ظلم کیا ہے کہ یہ لوگ ابھی تک زندہ ہیں‘‘...... کالو نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

’’حالات کو سمجھا کرو۔ ہر وقت کا غصہ ٹھیک نہیں ہے۔ ابھی کچھ دیر بعد انہوں نے مرنا تو ہے‘‘...... آنے والے نے رعب دار لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

’’اپنے اپنے نام بتاؤ اور اس سرکاری ایجنسی کا نام بتاؤ جس کے تحت تم کام کر رہے ہو‘‘...... سانگا شیر نے رعب دار لہجے میں ٹائیگر اور باقی ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

’’ان دونوں کو پکڑ کر باندھنا ہے۔ باقی افراد کی گردنیں توڑ دینا تاکہ گولیوں کی آوازیں باہر نہ جا سکیں۔ میں ڈن کہوں گا تو سب نے ایکشن میں آ جانا ہے‘‘...... صدیقی نے فرنچ زبان میں بات کرتے ہوئے کہا۔

’’یہ تم کون سی زبان بول رہے ہو‘‘...... سانگا شیر نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے قدرے حیرت بھرے لہجے میں کہا لیکن اسی لمحے ڈن کی آواز سنائی دی اور پہلی قطار میں بیٹھے ہوئے ٹائیگر اور

چوہان دونوں اس طرح کرسیوں سے اچھلے جیسے ان کے جسموں میں ہڈیوں کی بجائے سپرنگ لگے ہوں اور اس کے ساتھ ہی وہ دونوں بجلی کی سی تیزی سے چھلانگیں لگا کر ان دونوں مسلح افراد تک پہنچ گئے جو حیرت زدہ انداز میں بت بنے کھڑے تھے۔ شاید ان کے ذہن کے کسی گوشے میں خیال ہی نہ تھا کہ بندھے ہوئے آدمی بھی اچانک اس طرح حملہ کر سکتے ہیں اور چند لمحوں بعد دونوں مسلح افراد چیختے ہوئے فضا میں اچھل کر دھماکوں سے واپس فرش پر آ گرے جبکہ ٹائیگر اور چوہان کے مسلح افراد پر حملہ کرتے ہی دوسری قطار میں موجود صدیقی اور اس کے ساتھیوں نے سانگا شیر اور کالو دونوں پر اس انداز میں حملہ کر دیا کہ باوجود کوشش کے وہ دونوں اپنے آپ کو کنٹرول ہی نہ کر سکے اور فضا میں چیختے ہوئے قلا بازی کھا کر زور دار دھماکوں سے فرش پر جا گرے۔ صدیقی اور خاور دونوں نے جھک کر ان دونوں کے سروں اور کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر مخصوص انداز میں جھٹکے دیئے اور پھر سیدھے کھڑے ہو گئے۔ سانگا شیر اور کالو دونوں کے چہروں پر تیزی سے چھانے والی سیاہی جھٹکوں کے بعد تیزی سے نارمل ہونا شروع ہو گئی۔ [illegible] وہ زندہ تو تھے لیکن بے ہوش تھے جبکہ دونوں مسلح افراد کے ساتھ چونکہ ایسا نہ کیا گیا تھا اور ان کی شہہ رگ میں آنے والے بل مخصوص جھٹکوں سے نہ نکالے گئے تھے اس لئے وہ دونوں ہلاک ہو چکے تھے۔ ان میں سے ایک کی مشین گن ٹائیگر کے ہاتھ میں تھی جبکہ دوسری چوہان کے ہاتھ

میں تھی۔ انہوں نے ان مسلح افراد کی گردنوں کو بل دے کر مخصوص انداز میں فضا میں قلابازی دیتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے دونوں نے مشین گنیں پہلے ہی سنبھال لی تھیں۔

”چوہان۔ یہاں کوئی نہ کوئی الماری ہو گی۔ اس میں ہمارا اسلحہ موجود ہو گا وہ پہلے نکالو۔ یہاں ہم دراصل آتش فشاں کے دہانے پر موجود ہیں“...... صدیقی نے کہا۔

”آپ کہیں تو ان دونوں کو یہاں سے نکال کر ہیڈکوارٹر لے جائیں۔ کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا“...... چوہان نے کہا اور الماری کی طرف بڑھ گیا۔

”چلو ٹھیک ہے۔ اس طرح ان دونوں سے اطمینان سے پوچھ گچھ ہو سکے گی۔ پھر اس کے مطابق آئندہ کا لائحہ عمل تیار کریں گے۔ عمران صاحب واقعی دور اندیش ہیں“...... صدیقی نے کہا تو ٹائیگر بے اختیار مسکرا دیا۔ الماری میں واقعی ان کی جیبوں سے برآمد ہونے والے مشین پسٹلز موجود تھے۔ سب نے اپنا اپنا اسلحہ لے کر جیبوں میں ڈال لیا جبکہ ٹائیگر اور چوہان تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

”انہیں اٹھا کر کرسیوں پر ڈال دو ورنہ اس ایک ہی حالت میں پڑے رہنے سے بھی ان کی حالت خراب ہو سکتی ہے“...... صدیقی نے خاور اور نعمانی سے کہا۔

”باندھنا بھی ہو گا“...... خاور نے کہا۔

"ارے نہیں۔ انہیں ہیڈکوارٹر لے جانا ہے۔ میں تو ان کی جسمانی حالت کی وجہ سے ایسا کہہ رہا ہوں"...... صدیقی نے کہا تو ورا۔ نعمانی نے ان دونوں کو اٹھا کر ان کرسیوں پر ڈال دیا جس پر انہیں بٹھا کر باندھا گیا تھا۔ پھر تقریباً ایک گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد ٹائیگر واپس آیا۔

"چوہان کہاں ہے"...... صدیقی نے پوچھا۔

"وہ باہر موجود ہے تاکہ اچانک کوئی یہاں نہ آ جائے اور کوئی پرابلم ہو جائے"...... ٹائیگر نے جواب دیا۔

"اوکے۔ آؤ ان دونوں کو لے چلیں"...... صدیقی نے کہا اور پھر خاور اور نعمانی نے خود ہی آگے بڑھ کر بے ہوش پڑے سانگا شیر اور کالو کو اٹھا کر کاندھوں پر لادا اور ٹائیگر کی رہنمائی میں اس دروازے سے باہر آ گئے۔ پھر زگ زیگ کے انداز میں بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی گلیوں سے گزر کر وہ اس راستے پر پہنچ گئے جس راستے سے وہ اندر داخل ہوئے تھے اور بے ہوش کر دینے والی گیس کی اچانک فائرنگ کی بنا پر بے ہوش ہو کر گر گئے تھے۔ رات پڑ چکی تھی اور ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ٹائیگر کی رہنمائی میں وہ سب آگے بڑھتے رہے اور پھر درختوں کے جھنڈ میں پہنچ گئے جہاں ٹائیگر اور صدیقی کی کاریں موجود تھیں۔

"ان دونوں کو ٹائیگر کی کار کی عقبی سیٹ کے نیچے ڈال دو۔ اوپر کپڑا ڈال دینا اور چوہان۔ تم خود عقبی سیٹ پر بیٹھ جاؤ تاکہ ان کا

خیال رکھ سکو اور ہاں راستے میں کہیں چیکنگ ہوئی تو ہم سب نے سپیشل پولیس فورس کے کارڈ دکھانے ہیں"۔ صدیقی نے باقاعدہ انہیں سمجھاتے ہوئے کہا تو سب نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔ تھوڑی دیر بعد دونوں کاریں تیزی سے دارالحکومت کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھیں۔

کار تیزی سے اس علاقے کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی جہاں جی ایف جی کا ہیڈکوارٹر تھا۔ یہ ہیڈکوارٹر دو ملحقہ کوٹھیاں خرید کر بنایا گیا تھا۔ اس میں ایک آفس سردار اعظم کا تھا کیونکہ جی ایف جی کا پاکیشیا میں چیف سردار اعظم تھا۔ اس کا تعلق یورپی ملک سارٹو میں موجود جی ایف جی کے ہیڈکوارٹر سے تھا لیکن پاکیشیائی معاملات میں سردار اعظم خود مختار تھا۔ جی ایف جی جو گارنٹی فارگڈ کا مخفف تھا بڑی این جی او تھی جو یورپ میں رجسٹرڈ تھی اور بقول اس این جی او کے کرتا دھرتاؤں کے اس کا فلاحی نیٹ ورک پوری دنیا میں پھیلا ہوا تھا اور یہ حقیقت تھی کہ کسی بھی قدرتی آفت کے تحت پیدا ہونے والی مشکلات کیلئے جی ایف جی عام لوگوں کی بے حد مدد کرتی تھی۔ لوگوں کو ان کے گھروں میں جا کر اور یہاں ہیڈکوارٹر بلا کر مشکل وقت میں ان کی مدد کی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے سرکاری اور عوامی سطح پر جی ایف جی کا تاثر بے حد اچھا تھا لیکن بہت کم

لوگوں کو معلوم تھا کہ جی ایف جی کا کرائم نیٹ ورک بھی ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ خاص طور پر اونچے پیمانے پر اغوا برائے تاوان پر کام کیا جاتا اور بہت بڑی بڑی رقوم وصول کی جاتی تھیں جبکہ چھوٹے اور عام پیمانے پر ہونے والے اغوا برائے تاوان میں یہی جی ایف جی لوگوں کی مدد کرتی تھی۔ غیر ممالک میں دو بڑے اور بین الاقوامی اخبارات میں اعظم اور ندیم کو نمائندے برائے پاکیشیا بنایا گیا تھا۔ ان لوگوں کا اصل تعلق جی ایف جی سے تھا اور کسی بھی بڑے پیمانے پر ہونے والے اغوا برائے تاوان یا ایسے ہی کسی بھی سماجی سنگین جرم پر وہ دونوں اپنے اپنے اخبارات میں طویل کالم لکھتے اور ان میں جی ایف جی کی کھل کر حمایت کی جاتی۔ اسی طرح پاکیشیا میں بھی اور غیر ممالک میں بھی اعظم اور ندیم کا نام صحافت اور صحافتی حلقوں میں بے حد اچھے انداز میں جانا جاتا تھا۔ اس اطالوی مغوی بچے کے اغوا کی پبلسٹی انہوں نے اپنے اخبارات میں اس انداز میں کی کہ اطالیہ میں خصوصاً اور باقی تمام دنیا میں عموماً پاکیشیا کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ شروع ہو گیا اور پاکیشیا کو فل کرائم کنٹری کہا جانے لگا لیکن دراصل وہ جی ایف جی کے خاص آدمی تھے اور انہیں باقاعدگی سے سالانہ وصول شدہ تاوان میں سے حصہ دیا جاتا تھا جو اس قدر بھاری مقدار میں ہوتا کہ پورا سال یہ دونوں اپنی اپنی گرل فرینڈز کے ساتھ انتہائی عیش و عشرت سے گزارتے تھے۔ ویسے اعظم اور ندیم دونوں کے والدین یورپ میں رہائش

پذیر تھے اور یہ دونوں بھی وہیں پلے بڑھے تھے اور انہوں نے صحافت میں بھی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کی تھیں۔ اس لئے پاکیشیا اور غیر ملکی صحافتی حلقوں میں ان کا بڑا نام تھا۔ دونوں پاکیشیا آ گئے تھے۔ ان کے ساتھ یورپ ہی سے ان کی گرل فرینڈز فرخندہ جسے فرخ کہا جاتا تھا اور شہلا بھی پاکیشیا شفٹ ہوئی تھیں اور یہ چاروں یہاں اس طرح اکٹھے رہ رہے تھے جیسے ایک ہی فیملی کا حصہ ہوں۔

یہ چاروں جس معاشرے میں پلے بڑھے تھے وہاں فرد کی آزادی مادر پدر کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ وہاں نکاح، شادی اور طلاق کا کوئی تصور نہ تھا۔ اکٹھے رہنے کا نام شادی اور علیحدہ ہو جانے کا نام طلاق تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اعظم اور فرخندہ اور ندیم اور شہلا آپس میں میاں بیوی کی طرح رہتے تھے۔ وہ چاروں بظاہر مسلمان تھے لیکن ان میں سے کسی نے آج تک دوسرے کو شادی پر مجبور کرنا تو ایک طرف کبھی اس موضوع پر بات تک نہ کی تھی البتہ وہ چاروں بچے پیدا کرنے پر رضامند نہ تھے۔ ان کے خیال کے مطابق بچے پیدا کرنے کے بعد مرد اور عورت بوڑھے لگنے لگ جاتے ہیں۔ اس وقت یہ چاروں ایک جدید ماڈل کی بے حد ڈھنگی کار میں سوار سردار اعظم سے ملاقات کے لئے جا رہے تھے۔ اعظم نے فون کر کے سردار اعظم سے ملاقات کا وقت لے لیا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر اعظم تھا جبکہ فرخندہ سائیڈ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ کار کی عقبی سیٹ پر ندیم اور شہلا اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔ اعظم ان میں سب سے بڑا

بھی تھا اور اس ساری گیم کا اصل بڑا بھی وہی تھا۔ ندیم اس کا کزن تھا اور وہ اعظم کی رہنمائی میں ہی آگے بڑھ رہا تھا۔

”چیف سے جب ملاقات کی اجازت لی تو کیا کہا تھا تم نے ان سے“...... عقبی سیٹ پر بیٹھے ندیم نے کہا۔

”یہی کہ ندیم کو سمجھائیں تو انہوں نے کہا کہ ندیم کو میرے پاس لے آؤ“...... اعظم نے مسکراتے ہوئے کہا تو ندیم بے اختیار بچوں کی طرح اچھل پڑا۔

”میں نے۔ میں نے کیا کیا ہے“...... ندیم نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”مجھے تو نہیں معلوم۔ شہلا تمہاری شکایتیں کرتی رہتی ہے“۔ اعظم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ارے ارے۔ تم ابھی ذہنی طور پر بچے ہو۔ اعظم بھائی مذاق کر رہے ہیں اور تمہارا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا ہے“...... شہلا نے ساتھ بیٹھے ہوئے ندیم کے کاندھے پر سر رکھتے ہوئے بڑے لاڈ بھرے انداز میں کہا۔

”اچھا مذاق ہے۔ اگر میں ایسا مذاق کروں تو پھر“...... ندیم ویسے ہی غصے میں تھا۔

”اعظم بڑا ہے تم اس سے چھوٹے ہو۔ اس لئے تم چھوٹے بڑے سے کیسے مذاق کر سکتے ہو“...... اس بار فرنٹ سیٹ پر بیٹھی فرخ نے کہا۔

‘‘یہ چھوٹے بڑے کا فلسفہ تم اپنے پاس رکھو۔ ہر ایک کے لئے ایک جیسے حقوق ہوتے ہیں کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہوتا’’...... ندیم نے کہا۔

‘‘گڈ۔ یہ ہوئی نا بات۔ بڑے عرصے بعد تم نے غصہ کھا کر عقل کی بات کی ہے’’...... اعظم نے مسکراتے ہوئے کہا تو ندیم بھی بے اختیار ہنس پڑا۔

‘‘تم سے تو بات کرنا ہی غلط ہے’’...... ندیم نے ہنستے ہوئے کہا۔

‘‘یہی شکایت ہے شہلا کی کہ تم اس سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتے’’...... اعظم نے کہا۔

‘‘ارے ارے۔ میں نے کب کہا ہے۔ خواہ مخواہ درمیان میں میرا نام استعمال کر دیا’’...... شہلا نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

‘‘یہ دونوں ہی غصیلا جوڑا ہے۔ پہلے ایک کو غصہ آتا ہے تو پھر دوسرے کو آتا ہے۔ اس طرح غصے کی شفٹیں بدلتے رہتے ہیں یہ’’۔ اعظم نے کہا۔

‘‘غصے کی شفٹیں’’...... ندیم اور شہلا دونوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

‘‘ہم ہیڈکوارٹر کی طرف مڑ رہے ہیں۔ اس لئے اب سنجیدگی اختیار کی جائے’’...... اعظم نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو سب نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ جی ایف جی کے پاکیشائی ہیڈکوارٹر میں داخل ہو رہے تھے۔ چونکہ انہوں نے آنے کی باقاعدہ اجازت لی تھی۔ اس لئے ان کا بڑے اچھے انداز میں استقبال کیا گیا۔

‘‘سر۔ چیف خصوصی آفس میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں’’۔ کار سے اترتے ہی ایک آدمی نے آگے بڑھ کر اسے سلام کرتے ہوئے کہا۔

‘‘تھینک یو’’...... اعظم نے کہا اور پھر کچھ دیر بعد وہ چاروں چیف سردار اعظم کے خصوصی آفس میں داخل ہو رہے تھے۔ اس کے آفس کو اس انداز میں بنایا گیا تھا کہ دروازہ بند کرنے کے بعد یہ آفس پوری دنیا سے یکسر کٹ جاتا تھا اور یہاں ہونے والی گفتگو اور فون پر آنے والی کال کسی بھی طرح چیک نہ کی جا سکتی تھی۔

‘‘آؤ بیٹھو۔ تم چاروں ٹھیک ہو’’...... سردار اعظم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

‘‘یس چیف’’...... اعظم نے کہا اور پھر باری باری فرخندہ، ندیم اور شہلا نے بھی مسکراتے ہوئے ‘‘یس چیف’’ کہا اور سردار اعظم کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کی لہر دوڑ گئی۔

‘‘کوئی خاص بات ہے کہ خصوصی طور پر آئے ہو’’...... سردار اعظم نے کہا۔

‘‘آپ تک رپورٹ پہنچ چکی ہو گی کہ کالا شیر کو ہلاک کر دیا گیا ہے اور اس کی لاش پولیس کو ایک ویرانے سے ملی ہے’’۔ اعظم نے کہا تو سردار اعظم جو کرسی پر لیٹنے کے انداز میں بیٹھا ہوا تھا بے

اختیار سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

”میں تو ابھی دو گھنٹے پہلے یورپ سے واپس آیا ہوں۔ مجھے تو معلوم نہیں ہے۔ کیا ہوا ہے، کیسے ہوا اور کس نے ایسا ہے“۔ سردار اعظم نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے کہا تو اعظم نے رابرٹ سے ملنے والی رپورٹ تفصیل سے بتا دی۔

”تمہارا مطلب ہے کہ سرکاری ایجنٹوں صدیقی وغیرہ نے اسے ہلاک کیا ہے۔ کیوں۔ ان ایجنٹوں کا تو اس ٹائپ کے بدمعاشوں سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا“...... سردار اعظم نے کہا۔

”یہ رابرٹ کی رپورٹ ہے ورنہ صدیقی اور اس کے ساتھی عورتوں کی خریدو فروخت میں کیوں ملوث ہوتے۔ سرکاری ایجنٹ دس گنا رقم دے کر بدمعاشوں سے عورتیں نہیں خریدا کرتے“۔ اعظم نے کہا۔

”اور ایک بات اور ہے جس سے رابرٹ کی بات کو تقویت ملتی ہے کہ صدیقی نے مجھے فون کر کے کہا ہے کہ میں آپ کو پیغام پہنچا دوں کہ ابھی تک زر تاوان کا مکمل مسئلہ حل نہیں ہوا۔ اس لئے آخری بار صرف ایک ہفتہ کی مزید مہلت دے دیں“...... اعظم نے کہا۔

”اس سے تم نے کیا نتیجہ نکالا ہے“...... سردار اعظم نے کہا۔

”چیف باس۔ یہ معاملہ لٹکانے کی بات ہے ورنہ حکومت کے لئے یہ کوئی بڑی رقم نہیں ہے۔ ویسے بھی ہم نے غیر ملکی اخبارات

میں مضامین اور کالم لکھ لکھ کر اس قدر طوفان برپا کر دیا ہے کہ حکومت جس قدر جلد پیمنٹ کر دے بہتر ہے پھر بھی حیرت ہے کہ غیر ملکی میڈیا بلکہ یہاں کے میڈیا نے بھی اطالوی مغوی بچے کے اغوا برائے تاوان پر حکومت کے خلاف طوفان اٹھا رکھا ہے لیکن حکومت اس معاملے میں سنجیدہ نہیں ہے“...... اعظم نے باقاعدہ دلائل دیتے ہوئے کہا۔

”لیکن کالا شیر کو ہلاک کیوں کیا گیا ہے۔ اس کے پیچھے کیا کہانی ہے۔ کہیں بدمعاشوں کی یہ اپنی لڑائی تو نہیں“...... سردار اعظم نے کہا۔

”میرا خیال ہے چیف کہ کالا شیر کو اس طالوی مغوی بچے کی برآمدگی کی خاطر اغوا کیا گیا ہے۔ شاید ان کو کہیں سے اطلاع مل گئی ہو گی کہ مغوی بچہ کالا شیر کی تحویل میں ہے لیکن کالا شیر پہلے ہی حالات کو بھانپ کر مغوی بچے کو شیش محل بھجوا چکا ہے ماسٹر شوکت کے پاس۔ جس کا ہم سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے لازمی ہے کہ بچہ وہاں محفوظ ہے“...... اعظم نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

”گڈ آرگومنٹس۔ تم واقعی بے حد ذہین ہو۔ ویل ڈن۔ ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ میں اس معاملے پر مزید غور کرتا ہوں“...... سردار اعظم نے کہا تو اعظم اور اس کے ساتھی اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ چاروں اپنی کار کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔ ان

کی چہروں پر ایسا اطمینان تھا جیسے چیف سے بات کر کے ان کی تمام پریشانیاں دور ہو چکی ہیں۔

”اعظم۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں صدیقی اور اس کے ساتھیوں کی نگرانی کرنی چاہئے“...... ندیم نے پہلی بار بولتے ہوئے کہا۔

”وہ سب انتہائی تربیت یافتہ لوگ ہیں اور انہیں سرکاری سرپرستی بھی حاصل ہے۔ اس لئے الٹا ہم ان کی نظروں میں مشکوک ٹھہر سکتے ہیں۔ اس لئے ہم جس قدر ان سے دور رہیں گے اتنا ہی فائدے میں رہیں گے۔ کالا شیر ہلاک ہو یا سفید شیر۔ یہ ہمارے سوچنے کی بات نہیں ہے“...... اعظم نے کار میں بیٹھتے ہوئے جواب دیا اور ندیم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

سانگا شیر اور کالو دونوں بغیر کسی مداخلت کے بے ہوشی کے عالم میں فورسٹارز کے ہیڈکوارٹر پہنچ گئے۔ دونوں کو کار سے نکال کر ایک تہہ خانے میں موجود راڈز چیئرز پر بٹھا کر راڈز اس انداز میں ان کے جسموں کے گرد فٹ کر دیئے گئے کہ وہ کسی بھی طرح راڈز کی گرفت سے باہر نہ آ سکیں۔

”سب سے پہلے تم نے اس کالو سے تھپڑ کھائے تھے۔ اس لئے تم اسے جوابی تھپڑ مار کر ہوش میں لے آؤ“...... صدیقی نے کہا۔

”سوری صدیقی صاحب۔ میں بات عمران صاحب کی طرح اپنی ذات پر ہونے والے کسی فعل کا انتقام نہیں لیا کرتا“...... ٹائیگر نے کہا۔

”تم واقعی عمران صاحب کے شاگرد ہو“...... صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ کا فقرہ میرے لئے اعزاز سے کم نہیں ہے“...... ٹائیگر

نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”گڈ۔ بہرحال انہیں ہوش میں لانا ہے“...... صدیقی نے جواب دیا اور پھر اس نے آگے بڑھ کر کالو کا ناک اور منہ دونوں ہاتھوں سے بند کر دیا جبکہ ٹائیگر نے آگے بڑھ کر سانگا شیر کا ناک اور منہ بند کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد جب ان دونوں کے جسموں میں حرکت کی آثار نمودار ہونے لگے تو ٹائیگر اور صدیقی دونوں نے ہاتھ ہٹا لئے کمرے میں اس وقت ٹائیگر اور صدیقی تھے۔ باقی ساتھی اصول کے تحت باہر تھے تاکہ کسی بھی لمحے کسی مداخلت کو روکا جا سکے۔ انہوں نے اس معاملے میں اصول طے کئے ہوئے تھے اور وہ ان پر باقاعدگی سے عمل کرتے تھے۔ اس لئے بغیر کسی آرڈر کے صدیقی کے ساتھی کمرے سے باہر چلے گئے تھے۔

”یہ بدمعاش لوگ ہیں صدیقی صاحب۔ ان کے دماغ میں بھوسہ بھرا ہوتا ہے اس لئے انہیں ایک خاص طریقہ سے ڈھب میں لایا جائے گا“...... ٹائیگر نے کہا۔

”پہلے عمران نے کالا شیر کی دونوں کنپٹیوں پر انگوٹھے اور انگلی کا دباؤ ڈالا تاکہ اس کے لاشعور کو آگے لایا جا سکے لیکن دباؤ پڑنے سے اس کا ذہن ہی مردہ ہو گیا۔ تم اس طریقے کی بات تو نہیں کر رہے“...... صدیقی نے سامنے موجود کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا جبکہ ساتھ والی کرسی پر ٹائیگر بیٹھ گیا۔

”نہیں۔ میں ایک اور حربے کی بات کر رہا ہوں“...... ٹائیگر

نے کہا۔

”تم رسیوں سے کیسے آزاد ہو گئے۔ کیا تم جادوگر ہو۔ تمہیں تو انتہائی مضبوطی سے باندھا گیا تھا“...... اسی لمحے کالو کی آواز سنائی دی تو ٹائیگر اور صدیقی دونوں سر اٹھا کر سامنے راڈز میں جکڑے بیٹھے سانگا شیر اور کالو کی طرف دیکھنے لگے۔ کالو کے چہرے پر ہراساں ہونے کے تاثرات نمایاں تھے۔ شاید اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ تصور بھی موجود نہ تھا کہ بندھا ہوا آدمی از خود بغیر کسی دوسرے کی مدد کے رہا ہو سکتا ہے۔ البتہ سانگا شیر خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

”تم سانگا شیر ہو اور یہ کالو ہے۔ تم ہی اس کالی بستی کے اصل کرتا دھرتا ہو“...... صدیقی نے کہا۔

”نہیں۔ ہم وہاں کالا شیر کے ماتحت ہیں“...... سانگا شیر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”کالا شیر تو ہلاک ہو چکا ہے۔ کیا تمہیں اب تک اطلاع نہیں ملی“...... صدیقی نے کہا۔

”اس اطلاع نے تو ہماری اور تمہاری یہ حالت کی ہے کہ ہم دونوں یہاں بندھے ہوئے بیٹھے ہیں ورنہ ہم بے ہوش کرنے باندھنے اور پھر ہوش میں لاکر پوچھ گچھ کرنے کے قائل ہی نہیں ہیں۔ ہم نے تمہیں اس لئے بے ہوش کیا تھا تاکہ تم سے پوچھ گچھ کر سکیں کہ تم کالا شیر کے قتل میں ملوث ہو یا نہیں اور اگر ہو تو

کیوں ہو۔ کس طرح ایسا ہوا۔ لیکن ہمیں اعتراف ہے کہ تم تربیت یافتہ افراد ہو۔ اس لئے تم نے رسیاں کھول لیں اور پانسہ پلٹ دیا۔ بہرحال ہم دونوں تمہارے سامنے راڈز میں جکڑے بیٹھے ہیں اور تمہاری مرضی کہ تم ہمارے ساتھ جو سلوک چاہو کرو''...... سانگا شیر نے متحمل لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ تعلیم یافتہ ہو۔

''کیا تم کچھ پڑھے ہوئے ہو''...... صدیقی نے کہا۔

''ہاں۔ میں نے گریجوایشن کیا ہے۔ نوکری نہ ملی تو میں غلط راہ پر چل پڑا اور آج اس حالت میں ہوں''...... سانگا شیر نے جواب دیتے ہوئے کہا جبکہ کالو ہونٹ بھینچے بیٹھا ہوا تھا۔

''قدرت کا ایک اٹل اصول ہے کہ مکافات عمل ضرور ہوتا ہے۔ جیسا عمل ویسا انجام۔ بہرحال تمہارے ساتھ رعایت کی جا سکتی ہے اگر تم سچ بتا دو کہ اطالوی مغوی بچہ اس کالی بستی میں کس عمارت میں ہے اور دوسرا یہ کہ بستی میں کون سی عمارت کو شیش محل کہا جاتا ہے''...... صدیقی نے کہا۔

''تم یقین کرو یا نہ کرو۔ تمہاری مرضی۔ مغوی بچہ اس کالی بستی میں رکھا گیا تھا۔ اسے ایک خصوصی اور علیحدہ عمارت میں رکھا گیا تھا لیکن پھر شاید کالا شیر کو کہیں سے سن گن ملی کہ اس بچے کی واپسی کے لئے سرکاری ایجنٹوں نے کام شروع کر دیا ہے تو اس نے ازخود مغوی بچے کو کالی بستی سے نکال کر کہیں اور شفٹ کر دیا ہے۔ باقی

رہا شیش محل کا معاملہ تو شیش محل کالی بستی میں نہیں ہے۔ کہاں ہے اس کا مجھے علم نہیں ہے البتہ میں نے سنا ہوا ہے کہ اس بارے میں چیف کو علم ہے''...... سانگا شیر نے کہا تو صدیقی اور ٹائیگر دونوں بے اختیار چونک پڑے۔

''چیف۔ کیا مطلب۔ کیا تم بدمعاشوں نے کوئی ایسی تنظیم بنائی ہوئی ہے کہ جس کے باقاعدہ عہدیدار ہیں''...... صدیقی نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''ہاں۔ ہمارا بہت وسیع نیٹ ورک ہے۔ ہم بین الاقوامی سطح پر اسلحہ ڈیل کرتے ہیں۔ خصوصی طور پر اغوا برائے تاوان کی وارداتیں کرتے ہیں اور اربوں روپے کماتے ہیں۔ یہاں دیہاتوں اور شہروں سے نوجوان لڑکیوں کو اغوا کیا جاتا ہے یا پسند کی شادی کی آڑ میں انہیں گھروں سے نکال کر یہاں لایا جاتا ہے۔ پھر ان لڑکیوں کو کافرستان بھجوا دیا جاتا ہے۔ وہاں ان کی باقاعدہ منڈی لگتی ہے۔ اس طرح کے بے شمار کام ہم کرتے ہیں۔ ایک پورا نظام ہے''...... سانگا شیر نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''لیکن تم لوگوں نے یہ کالا شیر اور سانگا شیر کے روپ کیوں دھار رکھے ہیں اتنے بڑے پیمانے پر چاہے غلط کام کرنے والے ہی ہوں۔ دولت کے بل بوتے پر تو وہ معاشرے میں معززین شمار کئے جاتے ہیں''...... صدیقی نے کہا۔

''بدمعاشوں اور غنڈوں کو قابو میں رکھنے کے لئے یہ سب کچھ

کرنا پڑتا ہے۔ ہم آپس میں اس طرح بات کرتے ہیں کہ رعب قائم رہے''...... سانگا شیر نے کہا۔

''تو یہ چیف کہاں بیٹھتا ہے۔ اس کی کیا تفصیل ہے''۔ صدیقی نے پوچھا۔

''سوری۔ یہ ہمارا نقطہ نظر ہے کہ ہم اپنے گروپ سے غداری کسی صورت نہیں کرتے۔ ہم مر تو سکتے ہیں لیکن غداری نہیں کر سکتے''...... سانگا شیر نے سپاٹ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

''ٹائیگر۔ اس کالو سے معلومات حاصل کرو۔ تمہیں ان لوگوں سے نمٹنے کا خاصہ تجربہ ہے''...... صدیقی نے ساتھ بیٹھے ہوئے ٹائیگر سے کہا۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔ بس''...... کالو نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔

''صدیقی صاحب۔ یہ سانگا شیر اس کالو سے زیادہ جانتا ہے۔ یہ کالو تو صرف کالی بستی تک ہی محدود رہتا ہے۔ ویسے آپ جو حکم دیں''...... ٹائیگر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''لیکن مجھے یقین ہے کہ جو کچھ یہ کالو جانتا ہو گا اتنا یہ سانگا شیر نہیں جان سکتا''...... صدیقی نے کہا تو ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا اور آگے بڑھا۔ اس نے کالو کے عقب میں جا کر کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک تیز دھار خنجر نکالا اور پھر خنجر کی نوک اس نے عقبی طرف سے کالو کی گردن کے ایک خاص پوائنٹ پر رکھ کر ایک ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور دوسرے ہاتھ میں موجود تیز دھار خنجر کالو

کی گردن میں اتار دیا۔ کالو کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں۔ راڈز میں جکڑا ہوا کالو بری طرح تڑپنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن راڈز کی ٹائٹ گرفت کی وجہ سے وہ پوری طرح تڑپ بھی نہ پا رہا تھا۔ دوسرے لمحے ٹائیگر نے ایک جھٹکے سے خنجر کو کالو کی گردن سے باہر نکالا تو کالو کا تڑپنا بند ہو گیا لیکن گردن پر جہاں خنجر مارا گیا تھا وہاں سے خون تیزی سے باہر نکل رہا تھا۔ ٹائیگر نے خنجر کو کالو کے لباس سے صاف کیا اور پھر خنجر کے دستے کی طرف موجود ٹیپ اتار کر اس نے اسے کالو کی گردن میں ہونے والے زخم پر لگا دیا تو تیزی سے بہتا ہوا خون رک گیا اور ٹائیگر نے خنجر واپس جیب میں رکھا اور کالو کے عقب سے نکل کر واپس اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ سانگا شیر یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا لیکن ہونٹ بھینچے خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

''اب آپ کے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں۔ ان پندرہ منٹوں میں آپ نے جو کچھ کالو سے پوچھنا ہے پوچھ لیں''...... ٹائیگر نے کہا۔

''کالو۔ کون ہے تمہارا چیف''...... صدیقی نے سخت لہجے میں پوچھا۔

''ماسٹر شوکت خان''...... کالو نے رک رک کر بولتے ہوئے کہا۔

''کالو خاموش رہو۔ غداری مت کرو''...... ساتھ بیٹھے سانگا شیر

نے غصے سے بھرے لہجے میں کہا۔

''کہاں ہوتا ہے' ماسٹر شوکت خان''...... صدیقی نے سانگا شیر کی طرف توجہ دیئے بغیر کہا اور کالو کی اس وقت یہ حالت تھی کہ اس نے جیسے سانگا شیر کی بات سنی ہی نہ ہو۔

''ماسٹر شوکت شیش محل میں رہتا ہے لیکن میں نے صرف سنا ہے۔ کبھی اس سے ملاقات نہیں ہوئی''...... کالو نے اسی طرح رک رک کر جواب دیتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی جس میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

''شیش محل کہاں ہے''...... صدیقی نے پوچھا۔

''مجھے معلوم نہیں، نہ میں کبھی وہاں گیا ہوں''...... کالو نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اچانک ایک زوردار ہچکی لی اور اس کے ساتھ ہی اس کا سر اور جسم کرسی پر ہی ڈھلک گیا۔ وہ مر چکا تھا۔

''یہ تو پندرہ منٹ سے پہلے ہی مر گیا''...... صدیقی نے کہا۔

''ہاں۔ میرا خیال تھا کہ جسمانی طور پر طاقتور ہے اس لئے پندرہ منٹ ضرور نکال لے گا لیکن یہ تو بالکل ہی الٹ ہو گیا''۔ ٹائیگر نے کہا۔

''تو سانگا شیر۔ اب تمہاری باری ہے۔ تم نے کالو کو دیکھا کہ اس نے خود ہی بتا دیا اگر تمہارے ساتھ یہ حربہ اختیار کیا جائے تو تم شاید اتنا وقت بھی نہ نکال سکو۔ ہم تمہارے ساتھ رعایت کرنے کے

لئے تیار ہیں لیکن سچ سچ بتا دو کہ ماسٹر شوکت خان کون ہے۔ کہاں رہتا ہے اور یہ شیش محل کہاں ہے''...... صدیقی نے سانگا شیر سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''کیا رعایت کرو گے میرے ساتھ''...... سانگا شیر نے کہا۔

''رعایت تو رعایت ہوتی ہے۔ تمہارے ساتھ کچھ بھی کیا جا سکتا ہے''...... صدیقی نے کہا۔

''میں مر تو سکتا ہوں لیکن غداری نہیں کر سکتا''...... سانگا شیر نے ایک بار پھر کہا تو صدیقی بے اختیار ہنس پڑا۔

''ٹھیک ہے۔ تمہاری مرضی''...... صدیقی نے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر سانگا شیر کی طرف بڑھا۔ اس نے اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ناک کی جگہ کو چٹکی سے پکڑ کر اس طرح دائیں بائیں گھمایا کہ بظاہر ناک اپنی جگہ رہی لیکن سانگا شیر کے جسم میں حرکت کا احساس ہونے لگا جیسے انسان سردی کی وجہ سے کانپتا ہے اس طرح سانگا شیر کا جسم بری طرح کانپنے لگا۔ دو تین بار ایسا کرنے کے بعد صدیقی واپس آ کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''واہ۔ نئے سے نئے طریقے سامنے آ رہے ہیں''...... ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''حالانکہ یہ ہمارے مشن کا آخری مرحلہ ہوتا ہے''...... صدیقی نے کہا اور پھر سانگا شیر سے مخاطب ہو گیا۔

''سانگا شیر۔ بتاؤ کہ چیف کون ہے''...... صدیقی نے سخت لہجے

میں کہا۔

''ماسٹر شوکت''...... سانگا شیر نے جواب دیا لیکن اس کا انداز ایسا تھا جیسے اسے محسوس نہ ہو کہ وہ بول رہا ہے۔

''ماسٹر شوکت کہاں ہوتا ہے''...... صدیقی نے ایک بار پھر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''سورج نگر سے ملحقہ ایک علاقہ ہے جسے چھوٹا صحرا کہا جاتا ہے۔ وہاں وہ رہتا ہے''...... سانگا شیر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''وہاں کہاں۔ کس بلڈنگ میں''...... صدیقی نے پوچھا۔

''چھوٹے صحرا میں ایک قلعہ نما عمارت میں رہتا ہے''...... سانگا شیر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''کیا نام ہے اس عمارت کا''...... صدیقی نے پوچھا۔

''اس کا اصل نام بھگت بلڈنگ ہے لیکن ہم سب کوڈ میں اسے شیش محل کہتے ہیں''...... سانگا شیر نے کہا۔

''وہ اطالوی مغوی بچہ کہاں ہے''...... صدیقی نے پوچھا۔

''وہ پہلے کالی بستی میں تھا۔ پھر کالا شیر اسے شیش محل میں پہنچا آیا۔ اب وہ وہیں ہے اور اب وہ محفوظ ہے''...... سانگا شیر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''کیا حفاظتی انتظامات ہیں وہاں''...... صدیقی نے پوچھا۔

''مجھے تفصیل نہیں معلوم لیکن اسے بے حد محفوظ سمجھا جاتا ہے''۔ سانگا شیر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''وہاں اس عمارت میں کیا ہوتا ہے''...... صدیقی نے پوچھا۔

''وہاں اسلحہ اور منشیات کے انڈر گراؤنڈ بڑے بڑے گودام ہیں۔ وہاں مال سٹاک ہوتا ہے''...... سانگا شیر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''ماسٹر شوکت سے ملے ہو کبھی''...... صدیقی نے پوچھا۔

''ہاں۔ ایک بار''...... سانگا شیر نے جواب دیا۔

''کیا حلیہ اور قد و قامت ہے اس کا''...... صدیقی نے پوچھا تو سانگا شیر نے ساری تفصیل بتا دی۔

''او کے''...... صدیقی نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے جیب سے مشین پسٹل نکالا اور دوسرے لمحے تڑتڑاہٹ کی تیز آوازوں سے کمرہ گونج اٹھا۔ گولیاں سانگا شیر اور مردہ پڑے کالو دونوں کے سینوں میں اترتی چلی گئیں۔

آفس کے انداز میں سجائے گئے کمرے میں اونچی پشت کی ریوالونگ کرسی پر ایک لحیم شحیم جسم کا مالک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ چوڑا اور خاصا رعب دار تھا۔ یہ ماسٹر شوکت تھا۔ کالا شیر اور اس کے تمام نیٹ ورک کا عملی انچارج۔ تمام معاملات وہی نمٹتا تھا۔ اس لئے اسے چیف کہا جاتا تھا۔ بظاہر اس کا نام بھی جی ایف جی کے پاکیشیائی ڈائیریکٹران میں شامل تھا لیکن عملی طور پر تمام اختیارات سردار اعظم کو منتقل کر دیئے گئے تھے اور خود وہ جرائم کی دنیا کا بے تاج بادشاہ بن گیا تھا۔ وہ ایک قدرے ویران سے علاقے جسے چھوٹا صحرا کہا جاتا تھا، میں واقع ایک قدیم قلعہ نما عمارت میں رہتا تھا اس کا اصل نام تو بھگت بلڈنگ تھا لیکن کوڈ میں اسے شیش محل کہا جاتا تھا۔ وہ آفس میں بیٹھا میز پر موجود ایک فائل پر جھکا ہوا تھا کہ پاس پڑے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی تو ماسٹر شوکت نے چونک کر فون کی طرف اس طرح دیکھا جیسے اسے گھنٹی بجنے پر حیرت ہو رہی

ہو۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔

’’یس‘‘...... ماسٹر شوکت نے اپنے مخصوص رعب دار لہجے میں کہا۔

’’سردار اعظم کا فون ہے چیف‘‘...... دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ یہ اس کی فون سیکرٹری تھی جو مسلسل اس کے ساتھ ہی رہتی تھی اور ہفتے میں ایک روز اپنے والدین کے پاس دارالحکومت جاتی تھی۔ اس روز چونکہ ماسٹر شوکت بھی دارالحکومت میں کسی نہ کسی اجلاس میں شریک ہوتا تھا۔ اس لئے اسے فون سیکرٹری کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔

’’کراؤ بات‘‘...... ماسٹر شوکت نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

’’ہیلو۔ سردار اعظم بول رہا ہوں‘‘...... چند لمحوں بعد سردار اعظم کی مخصوص آواز سنائی دی۔

’’یس‘‘...... ماسٹر شوکت بول رہا ہوں۔ کوئی خاص بات‘‘۔ ماسٹر شوکت نے کہا۔

’’کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے سیٹ اپ کے ساتھ کیا ہو رہا ہے‘‘...... سردار اعظم نے قدرے سخت لہجے میں کہا تو ماسٹر شوکت چونک پڑا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ابھر آئے تھے کیونکہ جی ایف جی کا انچارج خود اس نے ہی سردار اعظم کو بنایا تھا اور وہ خود صرف جرائم کی دنیا کا بادشاہ بن گیا تھا لیکن اسے بالکل اسی طرح عزت دی جاتی تھی جس طرح ایک بڑے کو دی جاتی

ہے۔ اس لئے اسے سردار اعظم کے سخت لہجے میں بات کرنے پر حیرت ہوئی تھی۔

''کیا ہو رہا ہے''...... ماسٹر شوکت کا لہجہ بھی سخت ہو گیا تھا۔

''پہلے تو تمہارے گروپ کا اہم ستون کالا شیر ہلاک ہوا اور اب سانگا شیر اور کالو کی لاشیں ویران علاقوں سے ملی ہیں اور یہ بھی سن لو کہ کالی بستی کا پولیس اور فوج نے گھیراؤ کر کے وہاں ریڈ کیا ہے وہاں موجود قبائلی آدمیوں نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی لیکن پولیس اور فوج نے انہیں بھون کر رکھ دیا۔ مجھے جو رپورٹ ملی ہے اس کے مطابق کالی بستی میں تمہارے ڈیڑھ سو آدمی مقابلے میں ہلاک کر دیئے گئے ہیں۔ بیس پچیس کو زندہ گرفتار کر لیا گیا ہے اور کالی بستی میں موجود مغوی بچوں، عورتیں اور مردوں کو بازیاب کرا لیا گیا ہے۔ تمہارا اسلحہ اور منشیات ضبط کر لی گئی ہیں اور اس پوری کالی بستی کو مسمار کرنے کے احکامات جاری کر دیئے گئے ہیں''...... سردار اعظم نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ پولیس اور سول انٹیلی جنس میں ہمارے دوست موجود ہیں جو اوّل تو ایسا ہونے نہیں دے سکتے اور اگر کوئی خطرہ ہو تو وہ ہمیں پہلے آگاہ کر دیتے ہیں۔ آج تک کالی بستی میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ کئی بار ایماندار پولیس آفیسرز آئے اور انہوں نے ہم پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی لیکن ہمارے دوستوں کی طرف سے پیشگی اطلاعات کی بنیاد پر تمام مال سامنے سے ہٹا لیا گیا لیکن اس بار مجھے کسی نے کچھ بتایا ہی نہیں۔ یہ سب کیوں ہوا اور کب ہوا''...... ماسٹر شوکت نے حلق کے بل چیختے ہوئے کہا۔

''مجھے ابھی چند منٹ پہلے اطلاع ملی ہے۔ میں نے پہلے اسے کنفرم کیا ہے کیونکہ مجھے بھی اس پر یقین نہ آ رہا تھا لیکن جب میں نے ٹی وی پر سانگا شیر اور کالو کی گولیوں سے چھلنی لاشیں دیکھیں تو مجھے یقین آ گیا۔ پھر کالی بستی کے بارے میں اطلاع ملی تو اسے بھی کنفرم کیا گیا ہے اور تمام خبریں سو فیصد درست ہیں۔ دراصل تمہارا کوئی رابطہ براہ راست کالی بستی سے نہ تھا۔ رابطے کے ذرائع کالا شیر، سانگا شیر اور کالو بھی ان کے ہاتھوں مارے گئے اور ہاں سنو۔ میرا خیال ہے کہ یہ سارا فساد اس اطالوی بچے کے سلسلے میں ہوا ہے۔ اعظم اور ندیم نے غیر ملکی میڈیا میں اس پر طوفان برپا کرا رکھا ہے تاکہ زرتاوان ہماری ڈیمانڈ کا مل سکے اور ایسے ہوا بھی۔ ہمارا منہ مانگا تاوان وہ دینے پر بظاہر رضامند ہو گئے لیکن حکومت نے سرکاری ایجنسیوں کو حرکت دے دی۔ وہ تربیت یافتہ لوگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کے حرکت میں آنے کا یہ نتیجہ نکلا ہے اور نجانے آئندہ کیا نتائج نکلیں گے''...... سردار اعظم نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

''یہ کون سی سرکاری ایجنسیاں ہیں۔ کون لوگ اس میں شامل ہیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے اور ان تک بات پہنچی کیسے۔ یہ تو ہمارا

طریقہ کار نہیں ہے کہ ڈھول بجا کر اغوا کریں اور جب تک تاوان نہ ملے، ڈھول بجاتے رہیں۔ ہمارا کام تو انتہائی خاموشی سے اور خفیہ ہوتا ہے‘‘ …… ماسٹر شوکت نے کہا۔

’’مجھے معلوم ہے اعظم اور ندیم دونوں نے میرے کہنے پر اس پر کچھ ورک کیا ہے۔ اس کے مطابق یہ غلطی کالا شیر سے ہوئی۔ اطالوی جوڑا اپنے بچے کے اغوا کے بعد اپنی پرائیویٹ رہائش گاہ چھوڑ کر اطالوی سفارت خانے شفٹ ہو گیا۔ کالا شیر نے رعب ڈالنے کے لئے ان کے رہائشی فلیٹ سے ملحقہ دوسرے فلیٹ پر رہائش پذیر صدیقی نام کے آدمی کو فون کر دیا اور اسے کہا کہ وہ اطالوی جوڑے کو بتا دے کہ ان کا بچہ ہم نے اغوا کیا ہے اور ہم اپنی مرضی کا تاوان لے کر اسے رہا کریں گے۔ اس کے بعد یہ کارروائی شروع ہو گئی‘‘ …… سردار اعظم نے کہا۔

’’کیا کیا جائے۔ اچھلے بھلے تجربہ کار لوگوں سے ایسی حماقتیں ہو جاتی ہیں جس کے خطرناک نتائج بھگتنا پڑتے ہیں لیکن آپ فکر مت کریں۔ اب انہیں مغوی بچے کو زندہ واپس حاصل کرنے کے لئے دو گنا زر تاوان ادا کرنا پڑے گا اور ہم جلد ہی اپنے نقصان کا ازالہ کر لیں گے‘‘ …… ماسٹر شوکت نے کہا۔

’’ناراض نہ ہونا لیکن یہ پوچھنا میرا فرض ہے کہ تم اور بھگت بلڈنگ محفوظ ہے یا نہیں۔ کیونکہ اطالوی مغوی بچہ آپ کے پاس ہے اور اس کے علاوہ اگر اسلحہ، منشیات اور عورتیں وہاں سے برآمد ہو

گئیں تو پاکیشیائی پوری فوج وہاں ٹوٹ پڑے گی‘‘ …… سردار اعظم نے کہا۔

’’آپ فکر نہ کریں۔ ہم نے دور دور مخصوص اور خفیہ جگہوں پر بندے بیٹھا رکھے ہیں۔ وہ ہمیں پہلے ہی اطلاع دے دیتے ہیں اور یہاں کا نظام ایسا ہے کہ ایک گھنٹے کے اندر اندر تمام مال، عورتوں اور مردوں کو خفیہ جگہ شفٹ کر دیا جاتا ہے اور اس بلڈنگ میں الّو بول رہے ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہاں دیواروں سے منشیات کی مخصوص بُو بھی نہیں آتی اور جہاں تک اطالوی مغوی بچے کا تعلق ہے تو وہ مجھ سے بھی زیادہ محفوظ ہے۔ ہم اس مغوی بچے کے والدین سے دس گنا زیادہ تاوان وصول کریں گے اور وہ دیں گے۔ گڈ بائی‘‘ …… ماسٹر شوکت نے بڑے جوشیلے انداز میں میز پر مکا مارتے ہوئے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

’’اب مجھے حفاظتی انتظامات کر لینے چاہئیں۔ کالا شیر اور سانگا شیر ان سرکاری ایجنٹوں کے ہاتھ چڑھے ہیں تو لازماً انہوں نے ان سے یہاں کے بارے میں تمام معلومات حاصل کر لی ہوں گی۔ یہ تو ان کی حماقت ہے کہ انہوں نے کالی بستی میں پہلے آپریشن شروع کر دیا ورنہ ہمیں پتہ بھی نہ چلتا اور یہ لوگ ہمارے سروں پر آ کھڑے ہوتے‘‘ …… ماسٹر شوکت نے اونچے لہجے میں بڑبڑاتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے رسیور اٹھا لیا تاکہ ضروری حفاظتی انتظامات کرا سکے۔

اعظم کمرے میں داخل ہوا جہاں ندیم کے ساتھ فرخ اور شہلا دونوں بیٹھی باتیں کرنے میں مصروف تھیں لیکن اعظم کے چہرے پر ایسی پریشانی کے تاثرات تھے کہ وہ تینوں چونک کر بے اختیار اٹھ کھڑے ہوئے۔

‘‘کیا ہوا۔ خیریت’’...... ندیم نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

‘‘تمہیں پتہ ہے کہ باہر کیا ہو رہا ہے’’...... اعظم نے ان کے درمیان ایک خالی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

‘‘کیا ہوا ہے۔ کیا کوئی انقلاب آ گیا ہے۔ آخر ہوا کیا ہے کہ تم اس قدر پریشانی ظاہر کر رہے ہو’’...... اعظم کی دوست فرخ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

‘‘سانگا شیر اور کالو کی لاشیں ویران علاقوں سے پولیس کو ملی ہیں اور کالی بستی میں پولیس اور فوج کے تحت زبردست آپریشن ہوا ہے جس میں مقابلہ کرنے والے اکثر مقامی غنڈے اور بدمعاش مارے

گئے ہیں۔ بستی میں موجود باقی افراد کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ منشیات اور اسلحہ کے تمام سٹاک پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ وہاں سے ایسی عورتیں، بچے اور مرد جنہیں اغوا برائے تاوان کے لئے اور کافرستان کی عورتوں کی منڈی میں فروخت کرنے کے لئے سانگا شیر نے پکڑ رکھا تھا وہ سب اب پولیس کی تحویل میں ہیں’’...... اعظم نے ایک ہی سانس میں مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

‘‘تو تمہیں اس قدر پریشان اور ہراساں ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ مجرموں کے نیٹ ورک پوری دنیا میں قائم ہوتے ہیں اور پولیس کے ہاتھوں ٹوٹتے رہتے ہیں۔ اس سے ہمارا کیا تعلق۔ ہم تو صحافی ہیں اور صرف رپورٹ کر سکتے ہیں’’...... ندیم نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

‘‘اس سانگا شیر کو صرف جرائم کے نیٹ ورک کا ہی علم نہ تھا بلکہ اسے ماسٹر شوکت، سردار اعظم اور ہم دونوں کے بارے میں پوری تفصیلات معلوم تھیں اور یقیناً اس کو ہلاک کرنے سے پہلے اس سے تفصیلی پوچھ گچھ کی گئی ہو گی’’...... اعظم نے اسی طرح پریشان لہجے میں کہا۔

‘‘پولیس اور فوج وغیرہ ایسی پوچھ گچھ نہیں کیا کرتی۔ وہ یس سر اور فائر کرنے کے قائل ہوتے ہیں’’۔ ندیم نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

‘‘رابرٹ سے معلوم کیا جائے۔ وہ بے حد تیز کرائم رپورٹر

ہے“...... اعظم نے کہا اور فون کا رسیور اٹھا کر اس نے تیزی سے نمبر پریس کرنے شروع کر دیئے۔ آخر میں شاید اس نے لاؤڈر کا بٹن بھی پریس کر دیا تھا کیونکہ دوسری طرف بجنے والی گھنٹی کی آواز سنائی دے رہی تھی لیکن یہ سیل فون کی مخصوص گھنٹی کی آواز تھی۔ پھر رابطہ ہو گیا۔

”یس باس۔ میں رابرٹ بول رہا ہوں“...... دوسری طرف سے رابرٹ کی آواز سنائی دی۔ شاید اس کے سیل فون پر جو نمبر یا نام ڈسپلے ہوا ہو گا اس سے اسے پتہ چلا ہو گا کہ کال کرنے والا اس کا باس اعظم ہے۔

”رابرٹ۔ شہر میں کرائم کے خلاف کیا ہو رہا ہے۔ تمہارے پاس رپورٹ ہے“...... اعظم نے کہا۔

”یس باس۔ میں کئی گھنٹوں سے اس پر خصوصی طور پر کام کر رہا ہوں۔ ابھی ابھی یہ انکوائری مکمل ہوئی ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ آفس جا کر اس پر تفصیلی رپورٹ تیار کر کے آپ تک پہنچاؤں کہ آپ کا فون آ گیا“...... رابرٹ نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”کیا تفصیل ہے“...... اعظم نے کہا۔

”باس۔ ان دنوں پولیس، انٹیلی جنس اور فوج تینوں نے دارالحکومت میں ہر قسم کی کال مانیٹرنگ کر رکھی ہے۔ اس لئے میں خود آپ کے آفس آ کر تفصیل بتاؤں گا“...... رابرٹ نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”او کے۔ آ جاؤ“...... اعظم نے کہا اور رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

”اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے مسائل زندگی کا حصہ ہیں۔ زندگی میں ہمیشہ اچھا نہیں ہوتا۔ دن کے بعد رات بھی آتی ہے لیکن یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہئے کہ رات کے بعد دن بھی ہو گا“...... فرخ نے کہا۔

”آج تو تم بڑے بوڑھوں کے انداز میں بول رہی ہو“۔ شہلا نے مسکراتے ہوئے کہا تو سب بے اختیار ہنس پڑے۔

”فرخ میں یہی تو بڑی خوبی ہے کہ ہمیشہ مشکل اوقات میں حوصلہ بڑھاتی رہتی ہے“...... اعظم نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ تو میرا فرض ہے۔ ہم اکٹھے رہتے ہیں تو ہمیں ایک دوسرے کے دکھ سکھ کا ساتھی بھی بننا چاہئے“...... فرخ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تو پھر تم دونوں شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ اعظم سے پرانے زمانے کی باتیں اس عمر میں کر رہی ہو“...... شہلا نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”تم فکر نہ کرو۔ دن رات تمہارے دل میں یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ پتہ نہیں کب ندیم علیحدہ ہو جائے“...... فرخ نے کہا۔

”ارے تمہیں ہم پر اعتبار نہیں ہے“...... ندیم نے قدرے غصیلے انداز میں شہلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تم پر اعتبار نہ ہوتا تو ولیم کو چھوڑ کو تمہارے ساتھ کیوں چلی

آتی“...... شہلا نے قدرے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”تم ایسی باتیں نہ کیا کرو فرخندہ کہ میرا دل ڈوب جائے“۔ ندیم نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”اچھا تو اب مجھ سے انتقام لیا جا رہا ہے۔ مجھے بڑھیا کہہ کر۔ ہزار بار کہا ہے کہ فرخندہ بوڑھی عورتوں کا نام ہو سکتا ہے مجھ جیسی لڑکیوں کا نہیں۔ میرا نام فرخ ہے فرخ“...... فرخ نے خاصے غصیلے لہجے میں کہا۔

”اچھا اب موضوع بدل لیں“...... خاموش بیٹھے ہوئے اعظم نے کہا تو سب چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

”مجھے نجانے کیوں احساس ہو رہا ہے کہ اگر ہم نے اپنے آپ کو بچانا ہے تو ہمیں پاکیشیا سے واپس کسی یورپی ملک شفٹ ہونا پڑے گا ورنہ ہم چاروں کی باقی زندگیاں جیلوں میں گزریں گی“...... اعظم نے کہا تو سب بے اختیار چونک پڑے۔

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تم بے حد ڈپریشن کا شکار ہو گئے ہو۔ لیکن کیوں“...... ندیم نے کہا۔

”بس میرا احساس ہے۔ بہرحال رابرٹ آ جائے پھر بات آگے بڑھ سکے گی“...... اعظم نے کہا۔

”اس رابرٹ کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کرنا۔ وہ ہمارا ماتحت ہے اور بہت کامیاب کرائم رپورٹر ثابت ہوا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ہمارے ساتھ تعاون کرنا چھوڑ دے“...... ندیم نے کہا۔

”وہ معاوضہ بھی تو بہت زیادہ لیتا ہے اور ہر ماہ ٹرانسپورٹ اخراجات اور متفرق اخراجات کے نام پر بھاری معاوضہ لے جاتا ہے“...... شہلا نے کہا اور پھر اس سے پہلے کہ مزید کوئی بات ہوتی، دور سے کال بیل کی آواز سنائی دی تو وہ سب سمجھ گئے کہ رابرٹ آیا ہو گا۔

”آؤ شہلا۔ ہم اندر چلیں ورنہ یہ لوگ کھل کر بات نہ کر سکیں گے“...... فرخ نے اٹھتے ہوئے کہا اور شہلا بھی سر ہلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر وہ دونوں کمرے کے عقبی دروازے سے باہر نکل گئیں۔ اب کمرے میں اعظم اور ندیم موجود تھے۔ دونوں کو معلوم تھا کہ ملازم سلامت رابرٹ کو ساتھ لے کر یہیں آئے گا اور ایسا ہی ہوا۔ رابرٹ اندر داخل ہوا اور اس نے اعظم اور ندیم دونوں کو سلام کیا۔

”آؤ رابرٹ بیٹھو“...... اعظم نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا تو رابرٹ سائیڈ پر موجود خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

”ہاں۔ اب تفصیل سے بتاؤ کہ کیا رپورٹ ہے“...... اعظم نے کہا۔

”آپ کو اس سلسلے میں پہلے سے تفصیلی معلومات ہیں یا نہیں“۔ رابرٹ نے کہا تو اعظم نے مختصر طور پر وہ سب بتا دیا جو وہ پہلے ندیم، فرخ اور شہلا کو بتا چکا تھا۔

”باس۔ معاملات بے حد گھمبیر ہو چکے ہیں۔ میں نے اس کالی

بچہ نہیں ملا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ کالا شیر اس اطالوی مغوی بچے کو پہلے ہی ماسٹر شوکت کے پاس پہنچا چکا تھا اور اب ان سرکاری ایجنٹوں نے ماسٹر شوکت پر ریڈ کرنا ہے۔ اس سلسلے میں اگر کوئی پیشگی اقدامات کئے جائیں تو بہتر ہے“...... رابرٹ نے کہا۔

”گڈ آئیڈیا۔ تم واقعی ذہین آدمی ہو۔ ان سب حالات پر خصوصی نظر رہنا۔ تمہیں اس کا خصوصی انعام ملے گا“۔ اعظم نے رابرٹ کے کاندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

”تھینک یو سر“...... رابرٹ نے کہا اور اٹھنے لگا۔

”ایک منٹ“...... اعظم نے کہا تو رابرٹ دوبارہ بیٹھ گیا۔

”یس باس“...... رابرٹ نے کہا۔

”جو سرکاری ایجنٹ وہاں گئے اور بے ہوش ہوئے اور پھر نہ صرف خود ٹھیک ہو گئے بلکہ سانگا شیر اور کالو کو انتہائی دلیری سے وہاں سے اغوا کر کے لے گئے وہ کون لوگ تھے۔ ان کے حلیئے کیا تھے“...... اعظم نے پوچھا۔

”باس۔ میں نے اس آدمی سے جس نے انہیں بے ہوش ہوتے دیکھا ہے پوچھا ہے۔ ایک کو تو وہ ذاتی طور پر جانتا ہے اس کا نام ٹائیگر ہے۔ باقی جو حلیئے اس نے بتائے ہیں ان میں وہی لوگ ہیں جو آپ کے ساتھ ایک کلب میں دیکھے گئے تھے۔ ویسے یہ چار افراد ہیں۔ فور سٹارز کہلاتے ہیں اور یہ باقاعدہ حکومت کی طرف سے منظور شدہ ایجنسی ہے۔ اس ایجنسی کا کام سماجی برائیوں

کے خلاف کارروائی کرنا ہے اور صدیقی نام کا آدمی اس فور سٹارز کا چیف ہے“...... رابرٹ نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”او کے۔ ٹھیک ہے۔ فیلڈ میں رہو اور ہر طرح کا خیال رکھو“۔ اعظم نے کہا۔

”یس باس“...... رابرٹ نے کہا اور اٹھ کر سلام کر کے مڑا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

”سچویشن کافی گھمبیر ہے۔ یہ صدیقی اور اس کے ساتھی جس انداز میں آگے بڑھ رہے ہیں اس طرح تو نہ صرف جی ایف جی کا راز کھل جائے گا بلکہ ہمارے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے“...... ندیم نے پریشان سے لہجے میں کہا۔

”اصل مسئلہ ہے وہ اطالوی مغوی بچہ۔ وہ جب تک زندہ یا مردہ ان کے ہاتھ نہیں لگے گا۔ وہ اسی طرح اس کا پیچھا کرتے رہیں گے۔ بچہ ماسٹر شوکت کے پاس ہے اس لئے اب یہ فور سٹارز وہاں حملہ کریں گے۔ میں چیف سے بات کرتا ہوں“...... اعظم نے کہا اور رسیور اٹھا کر تیزی سے نمبر پریس کرنے شروع کر دیئے۔

”یس۔ پی اے ٹو چیف بول رہی ہوں“...... ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

”اعظم بول رہا ہوں۔ چیف سے بات کرائیں“...... اعظم نے کہا۔

”ہولڈ کریں“...... دوسری طرف سے کہا گیا۔

''یس''...... چند لمحوں کی خاموشی کے بعد سردار اعظم کی مخصوص آواز سنائی دی۔

''اعظم بول رہا ہوں۔ آپ کو کالی بستی، سانگا شیر اور کالو کے بارے میں تفصیلی رپورٹ مل چکی ہو گی''...... اعظم نے کہا۔

''ہاں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ اطالوی مغوی بچہ گلے پڑ گیا ہے۔ حکومت تاوان دے کر جان چھڑانے کی بجائے الٹا پکڑ دھکڑ پر اتر آئی ہے۔ تمہارے کالموں اور مضامین کا الٹ مطلب لیا گیا ہے''...... سردار اعظم نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''پھر اس سلسلے میں آپ ہیڈکوارٹر سے میٹنگ کال کریں اور تمام معاملات ڈسکس کر کے اس پر کوئی مستقل فیصلہ کریں''۔ اعظم نے کہا۔

''تمہارا کیا خیال ہے کہ میں بے فکر ہو کر بیٹھا ہوں۔ میں نے ہیڈکوارٹر سے تفصیلی بات کی ہے۔ وہاں سے یہ کہا گیا ہے کہ ہم بیک فٹ پر نہ جائیں ورنہ بدمعاش اور جرائم پیشہ افراد ہمارا ساتھ چھوڑ جائیں گے کیونکہ یہ لوگ فطری اور جبلی طور پر طاقتور آدمی کی پناہ میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ کمزور کو فوراً چھوڑ کر ہٹ جاتے ہیں البتہ انہوں نے حکم دیا ہے کہ اگر کوئی چارہ کار نہ رہے تو اس اطالوی بچے کو خاموشی سے واپس بھجوا دیا جائے۔ بعد میں اس کا مداوا کر لیا جائے گا''...... سردار اعظم نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

''تو پھر آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے''...... اعظم نے کہا۔

''میں نے ماسٹر شوکت کو فون کر کے الرٹ کر دیا ہے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اب وہاں ریڈ کیا جائے گا۔ مغوی بچہ بھی اس کے پاس ہے۔ اس نے بچہ کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے اب میں مزید کیا کر سکتا ہوں''۔ سردار اعظم نے کہا۔

''آپ اس اطالوی مغوی بچے کو اپنے پاس رکھ لیں۔ آپ پر تو کسی کو شک نہیں پڑ سکتا''...... اعظم نے کہا۔

''احمقوں جیسی باتیں نہ کرو۔ سرکاری ایجنسیاں کہیں نہ کہیں سے معلومات حاصل کر لیتی ہیں۔ ان کے پاس سینکڑوں ذرائع ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس بھاگنے کی بھی گنجائش نہ رہے گی۔ مجھے یقین ہے کہ ماسٹر شوکت بے حد ذہین آدمی ہے۔ وہ ان کا بندوبست خود کر لے گا''...... سردار اعظم نے کہا۔

''اوکے۔ تھینک یو باس''...... اعظم نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

''ماسٹر شوکت واقعی بے حد اچھا منتظم ہے۔ وہ ضرور کوئی نہ کوئی انتظامات کر لے گا''...... ندیم نے کہا۔

''ہاں۔ اب اور کیا ہو سکتا ہے۔ آؤ چل کر کچھ دیر آرام کر لیں''...... اعظم نے ایک لمبا سانس لے کر اٹھتے ہوئے کہا۔ تو ندیم بھی اثبات میں سر ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

عمران اپنے فلیٹ میں بیٹھا ایک کتاب پڑھنے میں مصروف تھا۔ سلیمان حسب معمول مارکیٹ گیا ہوا تھا کہ پاس پڑے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ عمران نے پہلے تو اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کی لیکن جب مسلسل گھنٹی بجتی رہی تو عمران نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔

’’آلہ برائے محرومی مطالعہ سے علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) بول رہا ہوں‘‘...... عمران نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

’’یہاں پاکیشیا پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے اور تم بیٹھے مطالعہ کر رہے ہو‘‘...... دوسری طرف سے سرسلطان کی انتہائی غصیلی آواز سنائی دی تو عمران بے اختیار اچھل پڑا۔

’’ارے ارے کیا ہوا۔ کیا پاکیشیا پر کسی دشمن ملک نے حملہ کر دیا ہے‘‘...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

’’شٹ اپ۔ یہاں اطالوی مغوی بچے کی ابھی تک بحفاظت

برآمدگی نہ ہونے پر پوری دنیا کی حکومتوں، میڈیا اور خصوصاً اطالوی حکومت نے ہم پر اس قدر دباؤ بڑھا دیا ہے کہ صدر صاحب سخت پریشان ہیں۔ اقوام متحدہ نے بھی دھمکیاں دی ہیں کہ اگر مغوی بچہ واپس نہ لایا گیا تو پاکیشیا پر سخت پابندیاں بھی لگ سکتی ہیں اور تم فلیٹ میں بیٹھے کتابیں پڑھ رہے ہو‘‘...... سرسلطان نے عادت کے خلاف چیخ کر بولتے ہوئے کہا۔

’’سرسلطان۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حالات اس قدر بگڑ جائیں اور میں خاموش رہوں۔ ہم بہت تیزی سے کام کر رہے ہیں لیکن یہ جرائم کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک ہے جسے توڑنے میں بہرحال وقت لگے گا۔ آپ نے اخبارات میں کالی بستی کے بارے میں ضرور پڑھا ہو گا۔ یہ آپریشن کل ہوا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ مغوی بچہ وہاں موجود ہے لیکن وہاں سے نہیں ملا۔ اب اسے مزید تلاش کیا جا رہا ہے۔ ایک اور جگہ کے بارے میں بتایا گیا۔ اب فور سٹارز وہاں آپریشن کرنے کا پلان بنا رہی ہے‘‘...... عمران نے کہا۔

’’تم بیٹھے پلان ہی بناتے رہو گے حاصل وصول کچھ نہیں ہو گا‘‘۔ دوسری طرف سے سرسلطان نے خاصے غصیلے لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ اس طرح ختم ہو گیا کہ عمران سمجھ گیا کہ انہوں نے غصے میں رسیور کریڈل پر پٹخ دیا ہو گا۔ اسی لمحے فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی تو عمران نے رسیور دوبارہ اٹھا لیا۔

’’علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) بول رہا

ہوں‘‘...... عمران نے کہا۔

’’ٹائیگر بول رہا ہوں باس۔ آپ کو رپورٹ دینی تھی‘‘...... ٹائیگر نے کہا۔

’’رپورٹیں مت دو۔ پوری دنیا نے ہم پر الزامات کی بوچھاڑ کر رکھی ہے۔ پاکیشیا کو کرائم کنٹری قرار دینے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ اقوام متحدہ پابندیاں لگانے کی دھمکیاں دے رہا ہے اور تم بیٹھے رپورٹیں دے رہے ہو۔ وہ مغوی بچہ تلاش کر کے برآمد کرو۔ سر سلطان نے ابھی مجھے فون کیا تھا۔ وہ اس قدر پریشان تھے کہ میں نے انہیں انتہائی سنگین مواقع پر بھی پہلے کبھی اس قدر پریشان نہیں دیکھا‘‘...... عمران نے کہا۔

’’آپ کی بات درست ہے باس۔ لیکن یہ کیس فور سٹارز کا ہے اور اس کا چیف صدیقی ہے۔ مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں لیکن وہ کام کے معاملے میں تیزی سے کام نہیں لیتے۔ بہرحال میں نے اس لئے فون کیا ہے کہ صدیقی نے مجھے فون کر کے ہیڈ کوارٹر بلوایا ہے۔ وہ آج رات شیش محل یا بھگت بلڈنگ پر ریڈ کرنا چاہتے ہیں لیکن وہاں کے حالات میں نے معلوم کئے ہیں۔ ان کے مطابق وہاں نگرانی کا ایسا انداز اپنایا گیا ہے کہ اس ویران علاقے میں اڑتی ہوئی مکھی بھی ان کی نظروں سے غائب نہیں رہ سکتی اور پھر میزائل بردار گنوں سے لیس افراد انتہائی خفیہ مقامات پر چھپے ہوئے ہیں۔ وہ ایک لمحے میں پوری کار کو ہی بھسم کر سکتے ہیں۔ وہاں کا انچارج

ایک بہت بڑا جرائم پیشہ آدمی ماسٹر شوکت ہے۔ اسے ماسٹر اس لئے کہا جاتا ہے کہ پاکیشیا تو پاکیشیا، کافرستان کے تمام جرائم پیشہ افراد بھی اسے جرائم کا ماسٹر تسلیم کرتے ہیں‘‘...... ٹائیگر نے اسے رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔

’’تو پھر تم نے کیا سوچا ہے‘‘...... عمران نے پوچھا۔

’’مجھے یقین ہے کہ میں انڈر ورلڈ میں کوئی نہ کوئی ایسا آدمی ڈھونڈ لوں گا جو ماسٹر شوکت کے ساتھ وہاں رہا ہو۔ اس سے ہمیں ایسے راستے معلوم ہو سکتے ہیں جن کے ذریعے وہاں آسانی سے ریڈ کیا جا سکتا ہے لیکن آپ صدیقی صاحب سے کہیں کہ وہ اس ریڈ کے لئے مجھے فور سٹارز کا چیف تسلیم کر لیں تاکہ میں اپنی پوری سپیڈ سے کام کر سکوں‘‘...... ٹائیگر نے کہا۔

’’نہیں۔ یہ بات اصولاً غلط ہے اور اصول کے سامنے ہر چیز قربان کی جا سکتی ہے اس لئے ایسا ممکن ہی نہیں ہے اور نہ ہی چیف اس کی اجازت دے گا کیونکہ فور سٹارز کا سپر چیف بھی چیف ایکسٹو ہے البتہ تمہاری پلاننگ درست ہے لیکن اس میں وقت لگے گا اور وقت ہمارے پاس نہیں ہے۔ کچھ اور سوچو‘‘...... عمران نے کہا۔

’’باس۔ آپ فکر مت کریں۔ میں ایک گھنٹے کے اندر اندر تمام ضروری معلومات حاصل کر لوں گا‘‘...... ٹائیگر نے کہا۔

’’او کے۔ میں صدیقی کو کہہ دیتا ہوں۔ وہ تمہارا انتظار کرے گا‘‘...... عمران نے کہا اور رسیور رکھ دیا اور پھر اس نے رسیور اٹھایا

اور تیزی سے نمبر پریس کرنے شروع کر دیئے۔

''صدیقی بول رہا ہوں''...... رابطہ ہوتے ہی صدیقی کی آواز سنائی دی۔

''علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) لٹل سٹار آف فور سٹارز بول رہا ہوں''...... عمران نے اپنے مخصوص خوشگوار لہجے میں کہا۔

''لٹل سٹار صاحب۔ آپ کا برائٹ لٹل سٹار کہاں ہے۔ مجھے اس نے فون کیا تھا کہ وہ اہم معلومات لے کر پہنچ رہا ہے لیکن اب اس کا فون بھی بند ہے اور وہ خود بھی غائب ہے''...... صدیقی نے بھی مسکراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''وہ برائٹ سٹار ایک گھنٹے تک تمہارے پاس تمام معلومات لے کر پہنچ جائے گا۔ اب تم نے سمجھ داری سے ریڈ کرنا ہے جہاں پہلی ترجیح اس اطالوی مغوی بچے کی برآمدگی ہے کیونکہ تمہارے ان دونوں غیر ملکی صحافیوں نے مضمون اور کالم لکھ لکھ کر ہماری ناک میں دم کر رکھا ہے''...... عمران نے کہا۔

''عمران صاحب۔ میرا خیال ہے کہ یہ دونوں صحافی بھی جی ایف جی کے اس سارے چکر میں ملوث ہیں۔ ہمیں اس سلسلے میں بھی غور کرنا چاہئے''...... صدیقی نے کہا۔

''بعد میں اسے دیکھیں گے پہلے اس مغوی بچے کو برآمد کرو ورنہ ایک اور طوفان کھڑا ہو جائے گا کہ ہم نے آزادی رائے کا گلا

گھونٹنے کے لئے یہ کام کیا ہے۔ پھر وہ غیر ملکی صحافی اور جی ایف جی تو دنیا بھر میں فلاحی کاموں کے لئے مشہور ہیں''...... عمران نے کہا۔

''ٹھیک ہے عمران صاحب۔ آپ درست کہہ رہے ہیں''۔ صدیقی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ میں ہمیشہ درست کہتا ہوں لیکن دوسروں کی سمجھ میں کبھی کبھی آتا ہے''...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا تو دوسری طرف سے صدیقی بے اختیار قہقہہ مار کر ہنس پڑا اور عمران نے اللہ حافظ کہہ کر رسیور رکھ دیا اور سامنے پڑی ہوئی کتاب اٹھا لی۔

ٹائیگر نے کار سپر کلب کی پارکنگ میں لے جا کر روکی اور نیچے اتر کر اس نے کار لاک کی ہی تھی کہ پارکنگ بوائے نے دوڑ کر اسے ایک کارڈ دیا اور دوسرا کارڈ کار کے ساتھ اٹیچ کر کے وہ اسی تیزی سے واپس مڑ گیا جس تیزی سے وہ آیا تھا۔ پارکنگ میں مسلسل کاریں آ رہی تھیں حالانکہ یہ تقریباً دس گیارہ بجے دن کا وقت تھا اور ایسے اوقات میں کلبوں میں ویرانی چھائی رہتی تھی۔ کلب ہمیشہ رات گئے آباد ہوتے تھے لیکن ٹائیگر کو معلوم تھا کہ سپر کلب میں اکثر ایسے فنکشنز منعقد ہوتے رہتے تھے کہ لوگ ٹوٹ پڑتے تھے۔ چنانچہ ٹائیگر نے پارکنگ بوائے کا دیا ہوا کارڈ جیب میں ڈالا اور تیز تیز قدم اٹھاتا کلب کے مین گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ کلب کا مین ہال آدھے سے زیادہ بھرا ہوا تھا اور لوگ مسلسل آ رہے تھے جن میں عورتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ ٹائیگر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ یہاں چونکہ ٹائیگر مسلسل آتا جاتا رہتا تھا اس لئے یہاں کے سب

ملازمین اسے جانتے تھے۔ کلب کا مالک اور جنرل مینجر والٹ تھا جو اس کا دوست تھا لیکن آج وہ یہاں ملازم ہنری سے ملنے آیا تھا۔ ہنری یہاں کے ویٹرز کا سپروائزر تھا اور وہ چونکہ طبعاً انتہائی سخت مزاج تھا اور معمولی باتوں پر ویٹرز کو کھڑے کھڑے نکال دیتا تھا اور جنرل مینجر والٹ بھی اسے منع نہ کرتے تھے۔ اس لئے ویٹرز اس سے اس قدر ڈرتے تھے کہ وہ اس کی کلب میں موجودگی کے دوران تیر کی طرح سیدھ رہتے تھے۔ ٹائیگر سے ایک بار ایک ویٹر نے شکایت کی کہ اسے ہنری نے بلاوجہ نوکری سے نکال دیا ہے اور جب اس نے وجہ بتائی تو ٹائیگر کو ہنری پر بڑا غصہ آیا۔ اس نے ہنری کی شکایت والٹ سے کر دی ورنہ عام حالات میں وہ کلب کے ان معاملات میں مداخلت نہ کرتا تھا۔ وائٹ کو معلوم تھا کہ اگر ٹائیگر کو ٹال دیا گیا تو کلب کسی بھی لمحے بموں سے تباہ کر دیا جائے گا کیونکہ وہ انڈر ورلڈ میں ٹائیگر کی اہمیت سمجھتا تھا۔ اس لئے اس نے ہنری کو بلا کر اسے سخت جھاڑ پلائی اور ہنری کو کہہ دیا کہ اگر ٹائیگر اسے معاف کر دے گا تو ٹھیک ورنہ کلب کی ملازمت سے فارغ سمجھا جائے گا جس پر ٹائیگر نے جب اسے وجہ بتائی جس پر اس نے ویٹر کو نکالا تھا تو ہنری نے تسلیم کر لیا کہ اس سے غلطی ہوئی ہے تو ٹائیگر نے اسے آئندہ کے لئے محتاط رہنے کا کہہ کر معاف کر دیا البتہ اس شکایت کرنے والے ویٹر کو اس نے ایک اور کلب میں اس سے بھی اچھی ملازمت دلوا دی۔ وہ چاہتا تو اسی کلب میں اسے

دوبارہ ملازم رکھوا دیتا لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ ایک دوسرے سے دشمنیاں پال لیتے ہیں۔ اس لئے کسی ٹکراؤ سے بچنے کے لئے اس نے شکایت کرنے والے ویٹر کو کسی اور کلب میں ملازمت دلوا دی تھی۔ اس وقت سے ہنری کا رویہ نہ صرف ویٹرز سے خاص معقول ہو گیا تھا بلکہ ٹائیگر کے ساتھ تو اس کے دوستانہ تعلقات ہو گئے تھے اور ٹائیگر یہاں اس لئے آیا تھا کہ کچھ عرصہ پہلے ہنری کے ساتھ اس کی طویل ملاقات ہوئی تھی جب ہنری کی والدہ بیمار ہو گئی تو ٹائیگر نے اس کی والدہ کا بہت اچھے ہسپتال میں اپنے خرچ پر علاج کرایا تھا کیونکہ ہنری معاشی طور پر اس قابل نہ تھا کہ کسی اچھے ہسپتال میں اپنی والدہ کا علاج کراتا۔ تب سے وہ ٹائیگر کا دم بھرتا تھا اور ٹائیگر کو یاد تھا کہ اس طویل ملاقات میں اپنے ماضی کی ذکر کرتے ہوئے ہنری نے اسے بتایا تھا کہ وہ پہلے اسلحہ سمگل کرنے والوں کے ساتھ کام کرتا تھا اور اس کی ڈیوٹی بھگت بلڈنگ میں تھی۔ اس نے نہ صرف بھگت بلڈنگ اور اس کے اندر ہونے والے کاموں کے بارے میں بتایا بلکہ ماسٹر شوکت کا بھی ذکر کیا تھا۔ پھر ماسٹر شوکت نے ہنری کی ایک روز ایک چھوٹی سی بات پر شدید بے عزتی اور توہین کی تو ہنری دل برداشتہ ہو گیا اور وہ ماسٹر شوکت کی منت کر کے واپس شہر آ گیا اور ایک کیفے میں اس نے ویٹر کی نوکری کر لی تھی اور پھر وہ ترقی کرتا ہوا اب سپر کلب کا سپروائزر تھا۔ چونکہ ٹائیگر کو نہ اسلحے کی اسمگلنگ سے کوئی دلچسپی تھی اور نہ ہی اسے

ماسٹر شوکت سے۔ اس لئے اس نے اس وقت سنی ان سنی کر دی تھی لیکن جب صدیقی نے اسے بتایا کہ جس عمارت کو وہ شیش محل کے نام سے تلاش کرتے رہے ہیں اس کا اصل نام بھگت بلڈنگ ہے اور سورج نگر کے ویران علاقے چھوٹے صحرا میں قدیم قلعہ نما عمارت ہے اور اس کا انچارج کوئی ماسٹر شوکت ہے تو ٹائیگر کے ذہن میں فوراً سپروائزر ہنری کا نام آ گیا۔ اسے یاد آ گیا تھا کہ ہنری نہ صرف وہاں طویل عرصہ کام کرتا رہا ہے بلکہ وہ ماسٹر شوکت کو بھی جانتا ہے۔ اس لئے اس نے عمران سے معلومات حاصل کرنے کی اجازت لی اور وہ کار لے کر سپر کلب آ گیا تاکہ سپروائزر ہنری کو تلاش کر کے اس سے اس بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرے۔ کاؤنٹر پر پہنچ کر وہ رکا تو کاؤنٹر بوائے نے اسے دیکھ کر سلام کیا۔

''چیف تو کسی ضروری کام سے یورپ گئے ہوئے ہیں''۔ کاؤنٹر بوائے نے یہ سمجھ کر کہا کہ ٹائیگر شاید جنرل مینجر سے ملنے آیا ہو گا جسے یہاں سب لوگ چیف کے نام سے پکارتے تھے۔

''میں نے چیف سے نہیں بلکہ ہنری سے ملنا ہے''...... ٹائیگر نے کہا۔

''اوہ اچھا سر۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں''...... کاؤنٹر بوائے نے کہا اور سامنے موجود انٹرکام کا رسیور اٹھا کر اس نے یکے بعد دیگرے دو تین نمبر پریس کر دیئے۔

’’ہنری۔ ٹائیگر صاحب تم سے ملنے آئے ہیں اور کاؤنٹر پر موجود ہیں‘‘...... دوسری طرف سے آواز سن کر کاؤنٹر بوائے نے کہا۔

’’اچھا۔ جلدی آؤ‘‘...... کاؤنٹر بوائے نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

’’وہ خود آپ کے استقبال کے لئے یہاں آ رہا ہے‘‘...... کاؤنٹر بوائے نے کہا تو ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تھوڑی دیر بعد ادھیڑ عمر ہنری کاؤنٹر پر آ گیا۔ اس نے سپروائزروں کی مخصوص یونیفارم پہنی ہوئی تھی۔ اس کی بڑی بڑی مونچھیں تھیں جنہیں وہ سنوار کر رکھتا تھا۔ آنکھوں پر ڈوری والی عینک تھی۔

’’صاحب۔ آپ نے مہربانی کی۔ مجھے اپنے پاس بلا لیا ہوتا‘‘۔ ہنری نے سلام کرتے ہوئے کہا۔

’’آؤ کہیں اکیلے بیٹھتے ہیں۔ مجھے تم سے ایک ضروری کام پڑ گیا ہے۔ اس لئے مجھے فوری طور پر اور بغیر اطلاع کے آنا پڑا ہے‘‘۔ ٹائیگر نے کہا تو ہنری سر ہلاتا ہوا اسے سپیشل روم میں لے آیا جہاں سے آواز باہر نہ جا سکتی تھی۔ اس کے بعد اس نے جا کر ایپل جوس کا بڑا پیگ لا کر ٹائیگر کے سامنے رکھ دیا۔

’’شکریہ‘‘...... ٹائیگر نے کہا اور جوس سپ کرنے لگا جبکہ ہنری خاموش بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔

’’سنو ہنری۔ میں نے تم سے کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں اور اس کا بھرپور معاوضہ دیا جائے گا۔ تم نے کچھ عرصہ پہلے چونکہ مجھے خود بتایا تھا۔ اس لئے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ سچ بتانا۔ کیونکہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں کافی زیادہ انتہائی قیمتی جانوں کا نقصان ہو سکتا ہے‘‘...... ٹائیگر نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

’’کم از کم آپ سے دغا نہیں کروں گا۔ پوچھیں‘‘...... ہنری نے کہا۔

’’تم نے مجھے بتایا تھا کہ تم نے بھگت بلڈنگ میں ماسٹر شوکت کے تحت کافی عرصہ نوکری کی ہے۔ اس ماسٹر شوکت نے تمہاری بے عزتی کی تو تم اس سے اجازت لے کر واپس آ گئے اور جرائم کی دنیا چھوڑ کر ایک کیفے میں ویٹر کی ملازمت کر لی اور اب تم سپر کلب کے سپروائزر ہو‘‘...... ٹائیگر نے کہا۔

’’ہاں۔ مجھے یاد ہے۔ میں نے بتایا تھا لیکن آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں‘‘...... ہنری نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

’’ایک اطالوی بچے کو اغوا کر لیا گیا ہے‘‘...... ٹائیگر نے بولنا شروع کیا۔

’’مجھے معلوم ہے۔ میں اخبارات میں اس بارے میں باقاعدگی سے پڑھ رہا ہوں لیکن کیا آپ کا تعلق سرکاری ایجنسی سے ہے‘‘۔ ہنری نے قدرے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

’’نہیں۔ مجھے بطور ٹریسک ٹاسک دیا جاتا ہے اور اس کا مجھے بھاری معاوضہ دیا جاتا ہے۔ اس اطالوی مغوی بچے کو ٹریس کرنے کا ٹاسک مجھے دیا گیا ہے اور مجھے اطلاع ملی ہے اطالوی مغوی بچہ کالی

بستی میں رکھا گیا ہے جس کا مقامی انچارج کوئی سانگا شیر ہے اور اس کا نائب کالو ہے اور ان سب کا بڑا کوئی کالا شیر ہے''...... ٹائیگر نے کہا۔

''یس سر۔ یہ درست ہے۔ وہاں مغوی بچے رکھے جاتے تھے''۔ ہنری نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''کالی بستی ریڈ کیا گیا لیکن اطالوی مغوی بچہ نہ ملا۔ البتہ وہاں سے پکڑے جانے والے سانگا شیر نے بتایا کہ کالا شیر نے پہلے ہی اپنے خلاف اطلاع ملنے کی وجہ سے اس بچے کو بھگت بلڈنگ جسے شیش محل بھی کہا جاتا ہے، میں ماسٹر شوکت کی تحویل میں پہنچا دیا ہے۔ بھگت بلڈنگ بظاہر ایک قلعہ نما پرانی عمارت ہے جو ویران علاقے میں ہے۔ اب وہاں ریڈ کیا جانا ہے لیکن خطرہ ہے کہ مغوی بچے کو ہلاک نہ کر دیا جائے۔ اس لئے اس انداز میں ریڈ کیا جانا ضروری ہے کہ کسی سے ٹکراؤ ہوئے بغیر مغوی بچے تک پہنچ جائیں۔ اس لئے میں تمہارے پاس آیا ہوں تاکہ تم مجھے پوری تفصیل بتاؤ اس علاقے، اس عمارت اور ماسٹر شوکت کے بارے میں''...... ٹائیگر نے جیب سے بڑی مالیت کے نوٹوں کی گڈی نکال کر ہنری کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں صاحب۔ آپ سے میں کچھ نہیں لے سکتا''...... ہنری نے کہا۔

''میں اپنی خوشی سے تمہیں دے رہا ہوں۔ رکھ لو''...... ٹائیگر نے

کہا تو ہنری نے گڈی اٹھا کر جلدی سے جیب میں ڈال لی۔ اس کے سُتے ہوئے چہرے پر یکلخت بشاشت سی لہر دوڑ گئی۔

''شکریہ سر''...... ہنری نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ اب تفصیل بتا دو''...... ٹائیگر نے کہا۔

''موٹی موٹی باتیں میں پہلے بتا دیتا ہوں۔ پھر آپ نے جو پوچھنا ہو وہ پوچھ لیں''...... ہنری نے کہا۔

''ٹھیک ہے''...... ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''جناب ٹائیگر صاحب۔ ماسٹر شوکت نے یہ عمارت جسے ویسے تو بھگت بلڈنگ کہا جاتا ہے مطلب ہے کہ کسی مقدس آدمی کی عمارت۔ لیکن اصل میں یہ کسی زمانے کے سردار کا قلعہ تھا۔ یہاں حیرت انگیز طور پر آٹھ سے زیادہ ایسے تہہ خانے ہیں جنہیں خاص انداز میں ڈھونڈے بغیر ٹریس نہیں کیا جا سکتا۔ چھ کے قریب سرنگیں ہیں جن میں سے ایک بڑی سرنگ چھوٹے صحرا کے آخری حصے میں ایک پرانے سے مکان میں جا نکلتی ہے۔ گو ماسٹر شوکت نے ان سرنگوں کو بند کرا دیا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ انہیں کھولا جا سکتا ہے''...... ہنری نے کہا۔ ٹائیگر بڑی حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ایسی عمارت ہے یہاں اور کسی کو علم تک نہیں۔ کس کی ہے یہ بلڈنگ''...... ٹائیگر نے کہا۔

''قدیم دور کی عمارت ہے۔ اس ماسٹر شوکت نے نجانے کس

طرح یہ عمارت اس چھوٹے صحرا سمیت حکومت سے باقاعدہ خرید کر اسے اپنی ملکیت بنا لیا ہے اور اس بہت بڑے علاقے کے گرد اس نے اونچی چار دیواری بنائی جس پر بجلی کی ایسی تاریں نصب کرائیں کہ ان پر ہاتھ رکھنے سے آدمی ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ عمارت کے گرد اور چھوٹے صحرا میں موجود درختوں پر ایسی میزائل گنیں اور مشین گنیں نصب ہیں جنہیں باقاعدہ ریموٹ سے چلایا جا سکتا ہے۔ جب ماسٹر شوکت عمارت میں موجود ہو تو گیٹ کھلا رہتا ہے اور وہاں چیک پوسٹ موجود ہے لیکن جب ماسٹر شوکت موجود نہ ہو تو پھر کسی کو بھی اس عمارت میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔ اگر کوئی زبردستی کرے تو اسے مشین گنوں سے بے دریغ بھون دیا جاتا ہے اور کاروں پر میزائل فائر کر کے انہیں پرزوں میں تبدیل کر دیا جاتا ہے اور زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ ویسے اس عمارت میں موجود خفیہ تہہ خانوں میں اسلحہ اور منشیات بڑے پیمانے پر سٹاک کی جاتی ہے''...... ہنری نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ پھر ٹائیگر نے اس سے مختلف سوالات کئے اور جب اسے احساس ہو گیا کہ اب ہنری مزید کچھ نہیں بتا سکتا تو اس نے اسے اجازت لی اور کچھ دیر بعد اس کی کار تیزی سے فورسٹارز کے ہیڈکوارٹر کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی لیکن پھر اسے خیال آیا کہ اسے سو فیصد ہنری پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔ ایسے لوگ دوسری طرف اطلاع بھی دے سکتے ہیں اور اس کے علاوہ ہنری کو کافی طویل عرصہ ہو گیا ہے اس

عمارت سے واپس آئے ہوئے۔ اس لئے اس دوران صورت حال بدل بھی سکتی ہے۔ چنانچہ اس نے کار ایک چوک سے موڑی اور اسے سورج نگر کی طرف لے جانے لگا وہ پہلے خود اس سارے علاقے کی کسی بھی طرح ریکی کرنا چاہتا تھا تاکہ جو کچھ صدیقی اور اس کے ساتھیوں کو بتائے وہ سو فیصد درست ثابت ہو۔

ماسٹر شوکت اپنے آفس میں بیٹھا کوئی فلمی رسالہ دیکھ رہا تھا کہ پاس پڑے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ماسٹر شوکت نے رسالہ بند کر کے اسے سامنے موجود میز پر رکھا اور رسیور اٹھا لیا۔

’’ماسٹر شوکت بول رہا ہوں‘‘...... ماسٹر شوکت نے کہا۔

’’سردار اعظم بول رہا ہوں‘‘...... دوسری طرف سے جی ایف جی کے چیف سردار اعظم کی آواز سنائی دی۔

’’آجکل آپ جلدی جلدی فون کر رہے ہیں۔ کوئی خاص بات‘‘...... ماسٹر شوکت نے قدرے طنزیہ لہجے میں کہا۔

’’آپ کو شاید حالات کا علم نہیں ہے۔ آپ کے خلاف اعلیٰ سطح پر ریڈ کیا جا رہا ہے‘‘...... دوسری طرف سے سردار اعظم نے کہا۔

’’کرتے رہیں۔ انہیں پستول کی ایک گولی منشیات کا ایک ذرہ اور کوئی غیر متعلقہ فرد نہیں ملے گا اور پھر اعلیٰ سطح پر میرے دوست موجود ہیں۔ مجھے کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ الٹا میں تمام الزامات سے

مبرا ہو جاؤں گا‘‘...... ماسٹر شوکت نے بڑے لاپراہ سے لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

’’آپ کو شاید معلوم نہیں کہ یہ سرکاری ایجنسیاں کسی انداز میں آپریشن کرتی ہیں‘‘...... اس بار سردار اعظم نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

’’آپ میری فکر مت کریں۔ میری ساری عمران سے نمٹتے گزر گئی ہے‘‘...... ماسٹر شوکت نے کہا۔

’’نہیں اصل میں اس طالوی مغوی بچے کی تلاش ہے‘‘۔ سردار اعظم نے کہا۔

’’وہ بھگت بلڈنگ تو کیا اردگرد دور نزدیک کہیں سے بھی انہیں نہیں مل سکتا۔ اسے میں نے ایسی جگہ پہنچا دیا ہے کہ جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا‘‘...... ماسٹر شوکت نے کہا۔

’’ہمیں تو معلوم ہونا چاہئے۔ آپ پر ریڈ کے کوئی بھی رزلٹ نکلیں۔ اس معاملے میں ہمیں اس اہم ترین معاملے سے باخبر اور مطمئن ہونا چاہئے‘‘...... سردار اعظم نے کہا۔

’’حیرت ہے آپ کو معلوم نہیں۔ حالانکہ آپ کے وہ دونوں چہیتے اخبار نویس اعظم اور ندیم کو میں نے خود فون کر کے بتایا تھا۔ بہرحال آپ بھی سن لیں۔ وہ اطالوی مغوی بچہ اس وقت دارالحکومت کی کچی بستی گدھ پور کے ایک آدمی اسلم کے گھر میں ہے جہاں وہ ہر لحاظ سے محفوظ رہے گا‘‘...... ماسٹر شوکت نے کہا۔

‘‘وہ اطالوی نژاد بچہ ہے۔ کچی بستی میں کسی کو نظر آیا تو پوری بستی اس مکان پر ٹوٹ پڑے گی’’...... سردار اعظم نے پریشان سے لہجے میں کہا تو ماسٹر شوکت بے اختیار قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

‘‘وہاں پوری بستی میں یہی کام ہوتا ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔ میں نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی قدم اٹھایا ہے’’...... ماسٹر شوکت نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

‘‘او کے۔ ٹھیک ہے۔ آپ مطمئن ہیں تو ہمیں بھی مطمئن رہنا چاہئے’’...... سردار اعظم نے کہا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا تو ماسٹر شوکت نے بھی رسیور رکھ دیا۔

‘‘زیادہ پڑھ لکھ جانے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اس قدر سوچتے ہیں کہ قدم اٹھانے کا اصل مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے’’...... ماسٹر شوکت نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے آفس کا دروازہ کھلا اور ایک بڑی بڑی مونچھوں کا مالک اور بھینسے کا جسم رکھنے والا مسلح آدمی اندر داخل ہوا۔

‘‘کیا بات ہے روشن’’...... ماسٹر شوکت نے چونک کر آنے والے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

‘‘ماسٹر۔ روڈی نے دور سڑک پر ایک کار کو دیکھا جس میں سے ایک آدمی باہر نکل کر دوربین کے ذریعے ہماری عقبی طرف کا جائزہ لے رہا تھا’’...... روشن نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

‘‘تو پھر’’...... ماسٹر شوکت نے چونک کر کہا۔

‘‘وہ آدمی چلا گیا تو روڈی نے اب رپورٹ دی ہے اور میں آپ کو رپورٹ دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں’’...... روشن نے جواب دیا۔

‘‘وہ آدمی چار دیواری کے اندر تھا یا باہر’’...... ماسٹر شوکت نے پوچھا۔

‘‘باہر بلکہ بہت دور عقبی سڑک گرین روڈ پر کھڑا تھا’’...... روشن نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

‘‘اوہ۔ پھر کوئی بات نہیں۔ روڈی کو وارننگ دے دو کہ ایسے حالات میں اسے فوری رپورٹ کرنی چاہئے تھی’’...... ماسٹر شوکت نے کہا۔

‘‘یس ماسٹر’’...... روشن نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا مڑ کر آفس سے باہر نکل گیا۔

‘‘سردار اعظم صحیح کہہ رہا ہے لیکن یہ لوگ الٹا یہاں مارے جائیں گے۔ مجھے اسسٹنٹ سیکرٹری دفاع سے بات کر لینی چاہئے۔ وہ فوج اور ملٹری انٹیلی جنس کے انچارج ہیں۔ معلوم نہیں ان کے نوٹس میں یہ بات ہے کہ نہیں’’...... ماسٹر شوکت نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا اور رسیور اٹھا کر اس نے خود ہی نمبر پریس کرنے شروع کر دیئے۔ ہنگامی حالات کی وجہ سے اس نے پی اے اور دیگر سٹاف کو ازخود رخصت دے کر دارالحکومت بھجوا دیا تھا اور انہیں کہہ دیا تھا کہ جب تک وہ انہیں خود نہ بلوائے انہیں واپس نہیں آنا

چاہئے ورنہ ان کی فوری ہلاکت کا وہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ اس لئے اب پوری عمارت میں ایک خصوصی اور خفیہ تہہ خانے میں وہ خود اکیلا موجود تھا البتہ اس خفیہ تہہ خانے میں اس نے ایسی مشینری نصب کرا رکھی تھی جس کے ذریعے وہ سکرین پر اس عمارت کے اندر اور باہر چاروں طرف تقریباً کئی کئی کلو میٹر تک ہونے والی تمام نقل و حرکت کو مانیٹر کرسکتا ہے اور تہہ در تہہ خانوں کو ٹریس ہی نہ کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنا سپیشل آفس یہاں بنا رکھا تھا اور اس وقت وہ اس تہہ خانے میں ہی موجود تھا۔

''پی اے ٹو اسسٹنٹ سیکرٹری دفاع''...... رابطہ ہوتے ہی دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

''میں ماسٹر شوکت بول رہا ہوں''...... راشد حسین صاحب سے بات کراؤ''...... ماسٹر شوکت نے کہا۔ وہ ہمیشہ اسے اس کے نام سے پکارتا تھا۔ کبھی اس نے اسے اس کے عہدے سے نہ پکارا تھا کیونکہ اس کے خیال کے مطابق بھاری رقم ہر ماہ خاموشی سے راشد حسین کو پہنچائی جاتی تھی۔ اتنی رقم کا اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا ہوگا۔ اس لئے ماسٹر شوکت ایک لحاظ سے اسے بھی اپنا ماتحت سمجھتا تھا۔

''ہولڈ کریں''...... دوسری طرف سے کہا گیا۔

''ہیلو''...... چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہی نسوانی آواز سنائی دی۔

''یس''...... ماسٹر شوکت نے کہا۔

''اسسٹنٹ سیکرٹری صاحب سے بات کریں''...... دوسری طرف سے کہا گیا۔

''ہیلو۔ میں راشد حسین بول رہا ہوں''...... چند لمحوں بعد ایک بھاری سی آواز سنائی دی۔

''ماسٹر شوکت بول رہا ہوں''...... ماسٹر شوکت نے کہا۔

''اوہ آپ۔ اس وقت۔ کوئی خاص بات''...... دوسری طرف سے چونک کر کہا گیا۔

''ہمارے خلاف سرکاری ایجنسیاں بھرپور ایکشن کرنے والی ہیں اور آپ کو اس کا علم تک نہیں''...... ماسٹر شوکت نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''مجھے اڑتی اڑتی خبریں ملی تھیں۔ میں نے اپنے طور پر تحقیقات کرائی ہے۔ اس کے مطابق آپ کے خلاف کوئی ملٹری یا سول انٹیلی جنس کارروائی نہیں کر رہی۔ سیکرٹ سروس اپنے ملک سے باہر کام کرتی ہے۔ اس لئے وہ بھی ایسا نہیں کرسکتی''۔ اب جو لوگ ایسا کر رہے ہیں وہ غلط اور جعلی لوگ ہیں۔ ان کا کوئی تعلق حکومت یا اس کی ایجنسیوں سے نہیں اور آپ ان کا قتل عام کرسکتے ہیں۔ میں سب سنبھال لوں گا''...... راشد حسین نے بڑے اعتماد بھرے لہجے میں کہا۔

''او کے۔ شکریہ''...... ماسٹر شوکت نے مسرت بھرے لہجے میں

کہا اور رسیور رکھ دیا۔ اب اسے مکمل یقین ہو گیا تھا کہ وہ آنے والوں کو لاشوں میں تبدیل کر دینے میں کامیاب رہے گا۔ اس طرح اس کی دھاک غیر ممالک تک پھیل جائے گی اور اس کا بزنس پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جائے گا۔

فورسٹارز ہیڈکوارٹر کے سپیشل روم میں اس وقت صدیقی اور اس کے تینوں ساتھی چوہان، نعمانی اور خاور بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان اطالوی بچے کے اغوا برائے تاوان کے سلسلے میں ہی بات چیت ہو رہی تھی۔

”صدیقی۔ عمران صاحب اس میں کھل کر اور واضح حصہ نہیں لے رہے۔ اس کی کوئی خاص وجہ“...... خاور نے کہا۔

”ہاں۔ عمران صاحب اصول پسند ہی نہیں باقاعدہ اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ یہ کیس فورسٹارز کا ہے اس لئے فورسٹارز ہی اس پر کام کرے گی۔ اگر ہم عمران صاحب کو مکمل فعالیت دے دیں گے تو عمران صاحب ہماری ٹیم کی سربراہی کر سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم اکیلے ہی اس مشن کو مکمل کریں تا کہ چیف ایکسٹو کی نظروں میں ہمارا وقار قائم رہے البتہ ٹائیگر کو عمران صاحب نے ہمارے حوالے کیا ہوا ہے اور یہ دلچسپ بات بھی بتا دوں کہ ٹائیگر

نے عمران صاحب سے ہماری شکایت کی ہے کہ ہم اس کی نسبت زیادہ تیزی سے کام نہیں کرتے۔ اس لئے اسے وقتی طور پر فورسٹارز کا چیف بنوا دیا جائے لیکن عمران صاحب نے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اسے ڈانٹ بھی دیا کہ یہ سب اصول کے خلاف ہے۔ ایسا اسے سوچنا بھی نہیں چاہئے تو ٹائیگر نے معافی مانگی اور مجھے تفصیل بتا کر مجھ سے بھی معافی مانگی“...... صدیقی نے مسلسل بات کرتے ہوئے کہا۔

”بات اس کی ٹھیک تھی۔ دیکھو ہم اب بھی اطمینان سے ہیڈکوارٹر میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں جبکہ پوری دنیا کے پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا اور پاکیشیا کا میڈیا اور عوام اس اغوا برائے تاوان کیس کو پاکیشیا کا ٹیسٹ کیس قرار دے رہے ہیں“...... خاور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مجھے اعتراف ہے کہ عمران صاحب کی طرح ٹائیگر کی کارکردگی بھی نسبتاً ہم سے تیز ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عام حالات میں انڈرورلڈ میں کام کرتا ہے اس طرح وہ مسلسل ان لوگوں کے ساتھ اٹیچ رہتا ہے جبکہ ہمیں نئے سرے سے کنواں کھودنا پڑتا ہے۔ بہرحال اپنی اپنی کارکردگی ہے“...... صدیقی نے کہا۔

”اب ہم اس کا انتظار کیوں کر رہے ہیں۔ کیا بتائے گا وہ ہمیں آ کر“...... چوہان نے کہا۔

”ہو سکتا ہے کہ وہ اطالوی مغوی بچے کو اپنے ساتھ لائے اور

ہمیں تحفے میں دے دے“...... نعمانی نے کہا تو سب بے اختیار قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

”ہم نے ماسٹر شوکت اور اس کی عمارت بھگت بلڈنگ پر ریڈ کرنا ہے لیکن ہمیں اس بارے میں ذرہ برابر بھی علم نہیں ہے جبکہ ٹائیگر نے کہا ہے کہ وہ ایک ایسے آدمی کو جانتا ہے جو اس عمارت اور اردگرد کے علاقے میں کئی سال رہا ہے۔ اس طرح اس سے قیمتی معلومات مل جائیں گی اور پھر ان معلومات کو سامنے رکھ کر اس انداز میں ریڈ کیا جائے گا کہ وہ اطالوی مغوی بچہ صحیح سلامت برآمد ہو جائے گا اور ماسٹر شوکت اور اس کے آدمیوں کو بھی گرفتار کیا جا سکے گا“...... صدیقی نے کہا۔

”گڈ۔ ٹائیگر کی سوچ واقعی عمران جیسی ہے“...... خاور نے کہا تو باقی سب نے بھی اس کی تائید کر دی۔ کچھ دیر بعد کال بیل کی آواز سنائی دی تو وہ سمجھ گئے کہ ٹائیگر آیا ہو گا اور وہی ہوا۔ کچھ دیر بعد ٹائیگر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے سب کو سلام کیا۔

”آؤ بیٹھو ٹائیگر۔ کوئی بات بنی یا نہیں“...... صدیقی نے کہا۔

”ہاں۔ بہت کچھ معلوم ہوا ہے۔ میں کافی دیر پہلے آ جاتا لیکن مجھے خیال آیا کہ صرف اس آدمی کی معلومات پر ہی انحصار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وہ کئی سال پہلے وہاں کام کرتا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے اس دوران سب کچھ تبدیل ہو چکا ہو۔ چنانچہ میں خود وہاں گیا اور میں نے کار میں موجود طاقتور دوربین کی مدد سے ان کا پورا سسٹم چیک

کیا۔ وہ تقریباً وہی ہے جو اس آدمی نے مجھے بتایا ہے“۔ ٹائیگر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے ملازم اندر داخل ہوا اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی جس میں پانچ ایپل جوس کے بڑے ڈبے موجود تھے۔ اس نے ایک ایک ڈبہ سب کے سامنے رکھا اور خالی ٹرے اٹھائے کمرے سے باہر چلا گیا۔

‘‘کیا تفصیل ہے’’...... صدیقی نے ڈبہ اٹھاتے ہوئے کہا تو ٹائیگر نے ہنری کی بتائی ہوئی تفصیل دوہرا دی۔

‘‘سرنگیں۔ خفیہ تہہ خانے۔ کیا مطلب۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسی عمارت یہاں دارالحکومت کے مضافات میں ہو اور کسی کو علم تک نہ ہو۔ ایسی عمارت تو عجوبہ ہے’’...... خاور نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

‘‘وہ اس ماسٹر شوکت نے اعلیٰ سطح کے آفیسرز کو بھاری رشوت دے کر ذاتی طور پر خرید لی ہے اور نہ صرف عمارت بلکہ اس کے اردگرد موجود ویران علاقہ جسے چھوٹا صحرا کہا جاتا ہے، بھی خرید رکھا ہے اور قبضہ بھی اسی کا ہے’’...... ٹائیگر نے جواب دیا۔

‘‘یہ رشوت اور کرپشن ہمارے ملک کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ بہرحال تم نے خود کیا دیکھا’’...... صدیقی نے کہا تو ٹائیگر نے تفصیل سے سب کچھ بتا دیا۔

‘‘ٹائیگر تم نے لازماً عمران صاحب کی طرح کوئی نہ کوئی پلاننگ کی ہوگی۔ وہ بتاؤ’’...... صدیقی نے کہا تو سب مسکرا دیئے۔

‘‘میں نے اس پر بہت سوچا ہے۔ اگر ہم ویسے ہی اس چار دیواری کے قریب کسی بھی طرح گئے تو ہماری کاروں کو میزائل گنوں سے اڑا دیا جائے گا اور اگر ہم پیدل گئے تو ہم پر مشین گنوں سے فائرنگ کی جائے گی۔ وہ اس کے عادی ہیں۔ وہ لوگ کسی کو نہیں بخشتے۔ اس لئے میں نے سوچا ہے کہ سب سے بڑی سرنگ کے ذریعے عمارت میں اس طرح داخل ہوں کہ کسی کو پتہ نہ چلے۔ گو ہنری کے بقول سرنگیں بند کر دی گئی ہیں لیکن انہیں آسانی سے کھولا جاسکتا ہے۔ اس طرح ہم باہر موجود مسلح افراد سے بچ کر اندر پہنچ جائیں گے اور پھر وہاں سے اس اطالوی مغوی بچے کو برآمد کر کے ہم اسی راستے سے واپس باہر آ جائیں گے۔ اس کے بعد پولیس اور فوج کے ذریعے وہاں اس طرح ریڈ کرایا جائے کہ سب لوگ قابو میں آ جائیں اور اسلحہ اسمگلنگ اور منشیات کی اسمگلنگ کا یہ بہت بڑا گروہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے اور اس عمارت کو واقعی سیاحوں کے لئے عجوبہ بنا دیا جائے’’...... ٹائیگر نے کہا۔

‘‘یہ سرنگ باہر کہاں سے شروع ہوتی ہے’’...... صدیقی نے کہا۔

‘‘عمارت سے دو میل کے فاصلے پر ایک جھوٹا سا مکان ہے جہاں دو محافظ رہتے ہیں۔ اس مکان میں اس سرنگ کا بیرونی دہانہ ہے اور ان دونوں محافظوں پر قابو پایا جا سکتا ہے’’...... ٹائیگر نے کہا۔

‘‘او کے۔ واقعی یہ ایک قابل عمل پلان ہے۔ چلو اٹھو۔ ہم نے

اب تیزی سے آگے بڑھنا ہے اور سنو ٹائیگر۔ اس ریڈ میں تم ہی لیڈ کرو گے“...... صدیقی نے کہا تو ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے صدیقی کا شکریہ ادا کیا۔ پھر تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ٹائیگر اور فورسٹارز کی کاریں ایک کافی بڑے گھنے درختوں کے جھنڈ میں لے جا کر روک دی گئیں اور ٹائیگر سمیت فورسٹارز کاروں سے نیچے اتر آئے۔

”وہ مکان یہاں سے کتنے فاصلے پر ہے“...... صدیقی نے پوچھا۔

”تقریباً ایک میل دور کچی بستی ہے جس میں وہ مکان ہے اور مکان میں دو آدمی مستقل رہتے ہیں۔ یہ ماسٹر شوکت کے ملازم ہیں اور مسلح بدمعاش ہیں۔ اگر ہم نے وہاں ریڈ کیا تو بستی اکٹھی ہو جائے گی اور ماسٹر شوکت تک اطلاع بھی کسی طرح پہنچ سکتی ہے۔ ان لوگوں کے نیٹ ورک بے حد وسیع اور احساس ہوتے ہیں اس لئے میرا خیال ہے کہ میں اکیلا جاؤں کیونکہ اکیلے آدمی کی طرف کوئی توجہ نہیں دے گا۔ میں اس مکان میں پہلے بے ہوش کر دینے والی گیس فائر کر دوں تاکہ ہر کام خفیہ رہے“...... ٹائیگر نے کہا۔

”میرے خیال میں صدیقی۔ یہ واقعی اچھا پلان ہے“...... صدیقی کے بولنے سے پہلے چوہان بول پڑا۔

”او کے۔ جا کر ہمیں سیل فون پر مس کال دے دینا۔ ہم سمجھ جائیں گے کہ کام ہو چکا ہے۔ البتہ ہمیں راستہ بتا دو“...... صدیقی نے کہا تو ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر اپنی کار کی طرف

بڑھ گیا۔ اس نے کار کی فرنٹ سائیڈ کا دروازہ کھولا۔ سیٹ اونچی کی اور پھر نیچے موجود باکس میں سے بے ہوش کر دینے والی گیس فائر کرنے والا پسٹل اٹھا کر اس نے جیب میں ڈالا اور پھر سیٹ اور کار کا دروازہ بند کر کے وہ تیزی سے واپس پلٹا اور اس نے فورسٹارز کو راستوں کی بابت بتا دیا اور پھر تیز قدم اٹھاتا ہوا درختوں کے جھنڈ سے باہر نکل گیا۔

ماسٹر شوکت اپنے سپیشل خفیہ آفس میں بیٹھا ہوا تھا کہ پاس پڑے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی تو اس نے رسیور اٹھا لیا۔

’’یس‘‘...... ماسٹر شوکت نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

’’ساپل کچی بستی سے ادو بول رہا ہوں‘‘...... ایک منمنی سی آواز سنائی دی تو ماسٹر شوکت بے اختیار اچھل پڑا۔

’’ادو تم۔ کیا ہوا ہے۔ کوئی خاص بات‘‘...... ماسٹر شوکت نے کہا۔

’’اسی لئے تو میں نے فون کیا ہے ماسٹر۔ میں مکان کی چھت پر بیٹھا چیکنگ کر رہا تھا کہ مجھے دور سے دو کاریں بستی کی طرف آتی دکھائی دیں تو میں چونک پڑا کیونکہ اس بستی سے کسی کار والے کو کوئی کام نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر یہ دونوں کاریں کچھ دور درختوں کے ایک جھنڈ میں آ کر رک گئیں۔ وہاں موجود مخصوص دوربین کی مدد سے میں نے دیکھا کہ آگے والی کار سے ایک آدمی جب کہ عقبی کار سے چار آدمی نیچے اترے۔ وہ کچھ دیر وہاں اکٹھے کھڑے باتیں کرتے رہے۔

پھر ایک آدمی جھنڈ سے نکل کر کچی بستی کی طرف آتا دکھائی دیا۔ جبکہ چار آدمی وہیں کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ اکیلا آدمی میرے مکان کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے اور یہ کون لوگ ہیں کہ اچانک اس آدمی نے جیب سے کوئی پسٹل نکال کر اس کا رخ مکان کی طرف کر دیا۔ میں نے اسے گولی مارنے کا فیصلہ کیا ہی تھا کہ چٹاخ چٹاخ کی آوازیں سنائی دیں اور اس کے ساتھ ہی میرا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا اور میں وہیں چھت پر ہی بے ہوش ہو کر گر گیا۔ چونکہ میں چھت پر اور کھلی فضا میں تھا۔ اس لئے کچھ دیر بعد مجھے خود بخود ہوش آ گیا۔ میں نے گن اٹھائی اور سیڑھیوں کے راستے احتیاط سے نیچے اترا تو میں نے دیکھا کہ نیچے موجود میرا ساتھی کاسو ہلاک ہوا پڑا ہے۔ اس کی گردن توڑی گئی ہے۔ میں بڑا حیران ہوا اور پھر میں نے سرنگ کی طرف سے ہلکی سی آواز سنی۔ وہ سب آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

میں نے آگے بڑھ کر جب دیکھا تو وہ پانچوں آدمی بڑی سرنگ کا دہانہ کھولنے کی کوشش کر رہے تھے میں نے آپ کو فوری اطلاع دینی تھی لیکن وہاں فون نہ تھا۔ اس لئے میں خاموشی سے باہر نکلا اور فون بوتھ پر آ کر فون کر رہا ہوں‘‘...... ادو نے مسلسل بولتے

ہوئے کہا۔

”شاباش ادو۔ تم نے واقعی عقلمندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ لوگ سرنگ کا بندراستہ کسی صورت نہیں کھول سکتے۔ اسے میں نے اس انداز میں بند کرایا ہے کہ اس پر ایٹم بم بھی کیوں نہ مارا جائے۔ یہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ تم اس مکان کو چھوڑ کر واپس اپنے گھر چلے جاؤ۔ میں تمہیں بعد میں خود واپس بلا لوں گا“...... ماسٹر شوکت نے کہا۔

”اگر آپ اجازت دیں تو میں واپس جا کر ان پر فائرنگ کر دوں۔ میں تو چاہتا تھا کہ ایسا کر گزروں لیکن پھر میں نے سوچا کہ نجانے کیا مسئلہ ہے۔ اس لئے پہلے آپ کو اس کی رپورٹ دے کر آپ سے اجازت لے لوں“...... ادو نے کہا۔

”جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔ انہیں میں خود سنبھال لوں گا۔ تم انہیں ہلاک کر دینا چاہتے ہو جبکہ میں نے ان سے ایک کو زندہ رکھنا ہے اور اسے پوچھنا ہے کہ ان سرنگوں اور ان کے راستوں کے بارے میں معلومات کس سے انہوں نے حاصل کی ہیں“...... ماسٹر شوکت نے سخت لہجے میں کہا۔

”جی جی۔ بہتر جناب“...... ادو نے خوفزدہ انداز میں منمناتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی ماسٹر شوکت نے فون کا رسیور رکھا اور پھر ایک طرف موجود ایک قد آدم مشین کے سامنے پہنچ کر اس نے اس کے مختلف بٹن دبائے تو اس پر موجود مختلف رنگوں کے چھوٹے بڑے بلب جلنے بجنے لگے۔ یہ مانیٹرنگ کی خصوصی مشین تھی جو ماسٹر شوکت نے خصوصی آرڈر پر ایکریمیا سے منگوائی تھی۔ اس کی تنصیب بھی ایکریمیا کے ماہرین نے یہاں آ کر کی تھی۔ ماسٹر شوکت اسے آن کر کے واپس آ کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور پھر اس نے میز کے کنارے لگا ہوا ایک بٹن آن کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی ہر خفیہ تہہ خانہ ہر طرف سے اس طرح بند ہو گیا کہ اسے کسی بھی طرح چیک نہ کیا جا سکتا تھا۔ تہہ خانے بند ہو جانے کے باوجود وہاں ہر وقت تازہ ہوا میسر رہتی تھی۔ ماسٹر شوکت تہہ خانے سیل کر کے سامنے میز پر رکھی ہوئی ایک مستطیل شکل کی مشین پر جھکا اور اس نے اس کے کئی بٹن پریس کر دیئے تو مشین میں زندگی کی لہر سی دوڑ گئی اور اس کی بڑی سکرین پر ایک جھماکے سے روشنی ہو گئی اور سکرین پر ایک راہداری کا منظر نظر آنے لگ گیا جس کی دائیں سائیڈ پر سرنگ کا ایک کافی کھلا دہانہ نظر آنے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر کسی بھی طرح وہ پانچوں افراد جو یقیناً سرکاری ایجنٹ تھے، سرنگ کا دہانہ کھول کر یہاں بھی پہنچ گئے تو جیسے ہی وہ راہداری میں داخل ہوں گے، چھت پر موجود مشین گنیں اس کی مرضی کے مطابق حرکت میں آ جائیں گی اور اچانک ہونے والی گولیوں کی بوچھاڑ سے ان میں سے کوئی بھی بچ نہ سکتا تھا اور یہی کام وہ چاہتا تو اپنے ملازم ادو سے بھی کرا سکتا تھا لیکن اس نے اتنے چھوٹے ملازم کو اتنا بڑا کریڈٹ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ یہ کریڈٹ خود حاصل کرنا چاہتا تھا اور دوسری بات یہ کہ وہ واقعی ان پانچوں میں سے ایک کو

صرف زخمی کر کے اس سے پوچھ گچھ کرنا چاہتا تھا کہ انہیں عمارت کے اندران سرنگوں اور ان کے دہانوں کے بارے میں کس سے اور کس طرح معلومات ملی ہیں۔

وہ اب سکرین پر نظریں جمائے بیٹھا ہوا تھا کہ یکلخت اسے دور سے ایک زور دار دھماکہ سنائی دیا اور وہ چونک پڑا۔ اس نے تیزی سے مشین کوآپریٹ کیا تو سکرین پر ایک جھماکے سے بڑی سرنگ کا منظر نظر آنے لگا کیونکہ اس نے یہاں ہر طرف خفیہ کیمرے نصب کرائے ہوئے تھے اور وہ یہاں بیٹھ کر عمارت کا ایک ایک حصہ اوز باہر تک مکمل مانٹیر کر سکتا تھا اور اسی لئے وہ مکمل طور پر مطمئن تھا کہ یہ لوگ لاکھ تجربہ کار کیوں نہ ہوں اس کے پنجے سے نہیں نکل سکتے۔ اس کی نظریں سکرین پر جمی ہوئی تھیں اور ہاتھ اس بٹن پر تھا جس سے راہداری میں خفیہ انداز میں نصب کی گئی مشین گنیں آپریٹ ہو سکتی تھیں۔

اسے معلوم تھا کہ یہ لوگ اس طرح بے دھڑک سرنگ سے راہداری میں داخل نہ ہوں گے۔ وہ پوری طرح جائزہ لے کر آئیں گے لیکن اسے اس کی کوئی پرواہ نہ تھی کیونکہ مشین گنیں چھت پر کئے جانے والے مصنوعی نقاشی کی تہہ کے اندر اس طرح چھپائی گئی تھیں کہ وہ نظر نہ آسکتی تھیں۔ ان کے راؤنڈ چلنے والے دہانے بھی ایسی مصنوعی نقاشی کے اندر اس انداز میں چھپائے گئے تھے کہ وہ بھی چھت کی ڈیکوریشن کا ایک حصہ نظر آتے تھے اور پھر وہ بے اختیار

چونک پڑا۔ جب اس نے سرنگ کے دہانے کی دونوں اطراف سے دو آدمیوں کو سر باہر نکالے راہداری کا جائزہ لیتے ہوئے دیکھا تو اس کے چہرے پر حیرت کی لہر دوڑ گئی لیکن اسی لمحے راہداری میں سرنگ کی طرف سے نیلے رنگ کے چار پانچ کیپسول پھینکے گئے جو چٹاخ چٹاخ کی آوازوں سے پھٹ گئے اور ابھی ماسٹر شوکت سوچ ہی رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے کہ اس کا ذہن یکلخت اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

ٹائیگر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کچی بستی کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا۔ جس مکان میں سرنگ کے بیرونی دہانے کی نشاندہی کی گئی تھی اس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ قریب پہنچنے پر ٹائیگر کو یکلخت احساس ہوا کہ اسے کہیں سے دیکھا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے ہر قسم کے خطرے کے پیش نظر ایک فیصلہ کیا اور پھر جیب سے گیس پسٹل نکال کر اس کا رخ اوپر کی طرف کر کے یکے بعد دیگرے دو کیپسول فائر کر دیئے۔ چٹاخ چٹاخ کی آوازوں کے ساتھ ہی ٹائیگر نے سانس روک لیا۔ وہ ایک بجلی کے کھمبے کی اوٹ میں کھڑا تھا تاکہ اندر سے اس پر براہ راست فائرنگ نہ کی جا سکے۔ اگر ایسا ہوا تو وہ براہ راست نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ کچھ دیر سانس روکنے کے بعد ٹائیگر آگے بڑھا اور اس نے اچھل کر دیوار پر ہاتھ رکھا اور دوسرے لمحے اس کا جسم قلابازی کھا کر دوسری طرف پہنچ گیا کچھ دیر وہ دیوار پر ٹکا رہا۔ پھر وہ ایک دھماکے سے اندر کود گیا۔ ایسا

اسے اس لئے کرنا پڑا تھا کہ دروازہ اندر سے بند تھا اور ظاہر ہے اندر جو لوگ موجود تھے وہ بے ہوش ہو چکے ہوں گے۔ اس نے اندر کی تلاشی لی تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہاں ایک آدمی جو محافظ تھا بے ہوش پڑا تھا جب کہ دوسرا محافظ غائب تھا۔ اسے خیال آیا تو وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چھت پر گیا۔ لیکن وہاں کاٹھ کباڑ پڑا ہوا تھا۔ وہ واپس اتر آیا اور اس نے ہر خطرے سے بچنے کے لئے بے ہوش پڑے محافظ کی گردن کھڑی ہتھیلی کے ایک ہی وار سے توڑ ڈالی اور پھر اس نے جیب سے سیل فون نکالا اور اس پر صدیقی کا نمبر پنچ کیا تو صدیقی کا نام سکرین پر ڈسپلے ہونے لگ گیا۔ کال جا رہی تھی۔

''یس۔ صدیقی بول رہا ہوں''...... چند لمحوں بعد صدیقی کی آواز سنائی دی۔

''ٹائیگر بول رہا ہوں اس مکان کے اندر سے''...... ٹائیگر نے کہا اور پھر اس نے یہاں پہنچنے سے لے کر اب تک کی ساری کارروائی دہرا دی۔

''تو ہم آ جائیں لیکن ہمیں راستہ کون بتائے گا''...... صدیقی نے کہا۔

''اب آپ کو اس کی ضرورت نہ پڑے گی۔ آپ درختوں کے جھنڈ سے نکل کر سیدھے چلتے رہیں کچھ دیر کے بعد بستی کے آثار نظر آنا شروع ہو جائیں گے۔ اس کچی بستی کے عقبی حصے پر یہاں

کوئی موجود نہیں ہے۔ جب آپ قریب آ جائیں تو مجھے کال کرلیں۔ میں مکان سے باہر آ جاؤں گا''...... ٹائیگر نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''او کے۔ ہم آ رہے ہیں''...... صدیقی نے کہا اور رابطہ ختم ہو گیا تو ٹائیگر نے بھی سیل فون آف کر دیا اور آگے بڑھ کر اس نے دروازہ کھولا جو اندر سے ابھی تک بند تھا اور پھر سائیڈ پر لگ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے سیل فون پر صدیقی کی مس کال آئی تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور مکان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اسے صدیقی اور اس کے ساتھی بڑے محتاط انداز میں آتے دکھائی دیئے۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر سر کے اوپر سے لہرائے اور پھر مڑ کر واپس مکان میں داخل ہو گیا۔ چند لمحوں بعد صدیقی اور اس کے ساتھی مکان کے اندر آ گئے اور ٹائیگر نے سب کے اندر آنے پر دروازہ بند کر دیا۔

''یہاں ایک محافظ تھا۔ میں نے اس کی گردن توڑ دی ہے''۔ ٹائیگر نے کہا۔

''اچھا کیا ورنہ فائرنگ سے پوری بستی یہاں پہنچ جاتی۔ ویسے بھی لوگ تماشہ اور سنسنی کے بے حد رسیا ہوتے ہیں''...... صدیقی نے کہا اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ سرنگ کا دہانہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن یہ دیکھ کر ان کی امیدوں پر اوس سی پڑ گئی کہ سرنگ کے دہانے کو زرد رنگ کے مصالحے سے بند کیا گیا تھا۔

ٹائیگر، صدیقی اور دوسرے ساتھیوں نے باہر سے اینٹیں لا کر اس بند جگہ پر مارنا شروع کر دیں لیکن اس پر ذرہ برابر اثر نہ ہوا۔

''رک جاؤ۔ میں سمجھ گیا کہ یہ کیا ہے''...... صدیقی نے ہاتھ اونچا کرتے ہوئے کہا تو ٹائیگر سمیت سب رک گئے۔

''یہ کلورین اور کرومائیٹ کو ملا کر تیار کیا گیا ہے۔ میں نے ایک سائنسی رسالے میں اس بارے میں پڑھا تھا''...... صدیقی نے کہا۔

''لیکن جب تک یہ ٹوٹے گا نہیں۔ ہم عمارت کے اندر کیسے جائیں گے''...... چوہان نے کہا۔

''یہ سوچنا پڑے گا''...... صدیقی نے کہا تو سب اس کی بے بسی پر ہنس پڑے۔

''سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کلورین اور کرومائیٹ کا مکسچر ہے تو اسے صرف اینٹی کلورین بم سے ہی توڑا جا سکتا ہے''۔ ٹائیگر نے کہا۔

''لیکن یہ اینٹی کلورین بم کہاں سے آئے گا۔ کیا ایکریمیا سے''۔ چوہان نے کہا۔

''یہاں قریب ہی میرا ایک دوست ہے جو انتہائی حساس اسلحے کا مڈل مین ہے۔ اس کے پاس ہو گا۔ میں لے آتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ لگ جائے گا''...... ٹائیگر نے کہا۔

''تو پھر ہم بھی باہر جھنڈ میں رکتے ہیں۔ کسی بھی وقت کوئی یہاں آ سکتا ہے''...... صدیقی نے کہا۔

”ویسے بھی ہم نے یہاں کیا کرنا ہے“...... چوہان نے کہا اور پھر وہ سب سرنگ کے اس دہانے سے نکل کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھے تو ٹائیگر جو اِن سب سے آگے تھا یکلخت اچھل پڑا۔

”کیا مطلب“...... ٹائیگر کے منہ سے نکلا۔

”کیا ہوا ہے“...... صدیقی نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”آپ کے آنے کے بعد میں نے دروازہ خود اندر سے بند کیا تھا۔ اب یہ کھلا ہوا ہے۔ یہ کیسے ہوا“...... ٹائیگر نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”تم جا کر بم لے آؤ۔ ہم اس پورے مکان کی تلاشی لیتے ہیں“...... صدیقی نے کہا تو ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر وہ دزوازہ کھول کر باہر نکل گیا تو صدیقی نے نعمانی اور چوہان کو نیچے کا حصہ اور خاور کو چھت پر جا کر چیکنگ کے لئے کہا تو وہ تینوں اس کی ہدایت پر آگے بڑھ گئے۔ پھر تقریباً ایک گھنٹے بعد صدیقی کو رپورٹ ملی کہ وہاں کوئی آدمی موجود نہیں۔ ہے البتہ چھت پر ایک مشین گن پڑی ہے اور وہاں ایسے آثار موجود ہیں جیسے وہاں کوئی آدمی موجود رہا ہو۔

”میرا خیال ہے کہ یہاں دو محافظ تھے۔ ایک نیچے اور ایک چھت پر تھا۔ ٹائیگر کو چھت پر موجود آدمی نظر نہ آیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی ایکشن لیتا۔ ٹائیگر نے اندر بے ہوش کر دینے والی گیس فائر کر دی اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ نیچے موجود آدمی کی اس

نے گردن توڑ دی اور پھر ہم آ گئے اور ہم سرنگ میں چلے گئے۔ اس دوران اس آدمی کو ہوش آ گیا لیکن اپنے ساتھی کی گردن ٹوٹی دیکھ کر وہ خوفزدہ ہو گیا اور اپنی جان بچا کر نکل گیا“...... خاور نے تجزیہ کرتے ہوئے کہا اور سب نے اس کی تائید کر دی اور پھر وہ مکان سے باہر نکلے۔ آخر میں صدیقی باہر آیا تو اس نے دروازے کا باہر سے کنڈا لگا دیا اور وہ سب واپس درختوں کے جھنڈ میں پہنچ گئے۔ وہاں ان کی کار موجود تھی البتہ ٹائیگر کی کار غائب تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اینٹی کلورین بم لینے کار پر گیا ہے۔ پھر تقریباً ایک گھنٹے سے زیادہ انتظار کے بعد ٹائیگر کی کار جھنڈ میں داخل ہوئی تو وہ چونک پڑے۔ کار لاک کر کے ٹائیگر نیچے اتر آیا۔

”کیا ہوا۔ بم ملا“...... صدیقی نے بے چین سے لہجے میں کہا۔

”ہاں اور ایک نہیں، دو لے آیا ہوں“...... ٹائیگر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”دو کا کیا کریں گے“...... صدیقی نے کہا۔

”اس آدمی سے بات ہوئی ہے۔۔ وہ اسلحے کا ماہر ہے۔ اس کو جب میں نے بتایا کہ کلورین اور کرومائیٹ کو مکس کر کے وہ مصالحہ بنایا گیا ہے اور اس پر کوئی بم اثر نہیں کرتا تو اس نے اینٹی کلورین بم کے ساتھ ساتھ ایک اور جدید ترین بم بھی مجھے دے دیا۔ یہ دونوں وائرلیس آپریٹڈ بم ہیں ایک اینٹی کلورین بم سے ہو سکتا ہے کہ ہمارا خیال غلط ہوا اور اینٹی کلورین بم بھی کام نہ آئے۔ اس لئے

میں جدید ترین بم جس کا کوڈ نام کنگ بم رکھا گیا ہے بھی لے آیا ہوں کیونکہ یہ بم ہر حالت میں کام کرتا ہے۔ اس میں بہت سے جدید سسٹم موجود ہیں“...... ٹائیگر نے ایک جیب سے ایک بم اور دوسری جیب سے دوسرا بم نکال کر انہیں دکھایا۔

”او کے۔ آؤ چلیں“...... صدیقی نے کہا۔

”آپ نے سوچا کہ وہ دروازہ اندر سے کیسے کھل گیا“۔ ٹائیگر نے کہا۔

”ہاں۔ خاور نے مسئلہ حل کر دیا ہے“...... صدیقی نے کہا۔

”کیسے“...... ٹائیگر نے کہا تو خاور نے اسے اپنے آئیڈیا کے بارے میں تفصیل بتا دی۔

”ویری گڈ۔ یہ واقعی حقیقت سے قریب تر ہے۔ ویسے میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر بھی گیا تھا لیکن چونکہ چھت کاٹھ کباڑ سے بھری ہوئی تھی اس لئے میں مکمل ریسرچ کرنے کی بجائے واپس آ گیا۔ اس کاٹھ کباڑ کی اوٹ میں وہ آدمی پڑا ہوا ہو گا“...... ٹائیگر نے کہا اور سب نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک بار پھر مکان میں موجود تھے۔ اس بار بھی ٹائیگر نے دروازے کا اندر سے کنڈا لگا دیا۔ پھر وہ سب واپس سرنگ میں آ گئے۔ ٹائیگر نے پہلے اینٹی کلورین بم جیب سے نکالا اسے وائرلیس آپریٹڈ کر کے مخصوص ریموٹ کے ساتھ فکس کر دیا۔ پھر کافی پیچھے ہٹ کر ٹائیگر نے ریموٹ سے اسے آپریٹ کیا تو چند لمحوں بعد ایک زور دار

دھماکہ ہوا لیکن رکاوٹ پر کوئی اثر نہ پڑا۔ وہ ویسے کی ویسی نظر آ رہی تھی۔

”عجیب کام ہے“...... صدیقی نے حیران ہو کر کہا۔

”یہاں اس قدر جدید اقدامات کئے جائیں گے۔ اس کا تو ہمیں تصور بھی نہ تھا“...... چوہان نے کہا۔ اب ٹائیگر نے دوسرا جدید ترین بم جیب سے نکالا اور اسے آپریٹ کر کے اس دیوار کی جڑ میں رکھ دیا اور کافی پیچھے ہٹ کر اس نے اسے آپریٹ کیا تو اس بار پہلے سے کہیں زیادہ زور دار دھماکہ ہوا۔ ہر طرف دھواں اور گرد و غبار سا پھیل گیا۔ سرنگ کا راستہ اس طرح لرزنے لگ گیا جیسے سرنگ گرنے والی ہو لیکن جب چند لمحوں بعد دھواں چھٹ گیا اور گرد بیٹھ گئی تو ٹائیگر، صدیقی اور اس کے ساتھی سب مسرت سے اچھل پڑے کیونکہ درمیانی رکاوٹ ختم ہو چکی تھی اور سارا مصالحہ اب سرنگ کے فرش پر پڑا ہوا تھا۔

”جلدی چلیں۔ دھماکہ نجانے کہاں کہاں سنا گیا ہو گا“۔ صدیقی نے کہا اور پھر وہ سب تیزی سے چلتے ہوئے سرنگ کے اندرونی بڑے دہانے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

”یہاں اگر ایسا کام کیا گیا ہے تو پھر یہاں قدم قدم پر موت کے پھندے بھی موجود ہوں گے۔ اس لئے محتاط رہو۔ اس کے ساتھ ساتھ نجانے یہاں کتنے مسلح افراد ہوں۔ ہمیں ہر ایک کا خیال رکھنا ہو گا“...... صدیقی نے کہا۔

”آپ اگر اجازت دیں تو سرنگ کے دہانے پر رک کر میں بے ہوش کرنے والی گیس فائر کر دوں تاکہ یہاں جتنے بھی لوگ ہوں سب بے ہوش ہو جائیں ورنہ ہمارے لئے بڑی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ ایک طرح سے ہم چوہے دان میں پھنس جائیں گے“...... ٹائیگر نے کہا۔

”ماحول کا جائزہ لے کر اجازت دوں گا“...... صدیقی نے کہا اور ٹائیگر سمیت سب نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ سرنگ کے اندرونی دہانے پر پہنچ گئے۔ صدیقی اور نعمانی دائیں طرف اور ٹائیگر اور چوہان بائیں طرف کی دیوار سے لگ کر راہداری کی چھت اور سائیڈوں کو دیکھ رہے تھے۔

”ٹھیک ہے بے ہوش کر دینے والی گیس فائر کر دو“...... صدیقی نے آہستہ سے کہا تو ٹائیگر نے جیب سے گیس پسٹل نکالا اور اس کا رخ راہداری کی طرف کر کے ٹریگر دبا کر یکے بعد دیگرے چار فائر کر دیئے اور چٹاخ چٹاخ کی آوازوں کے ساتھ ہی سفید رنگ کا دھواں چند لمحوں تک نظر آیا اور پھر غائب ہو گیا۔ ٹائیگر اور دیگر سب ساتھی سانس روکے کھڑے تھے۔ پھر صدیقی نے سر سے مخصوص اشارہ کیا کہ وہ سانس لے سکتے ہیں تو سب نے آہستہ آہستہ سانس لینے شروع کر دیئے اور جب معاملات درست رہے تو انہوں نے بے اختیار لمبے لمبے سانس لینے شروع کر دیئے۔ پھر وہ راہداری میں آ گئے۔ وہاں کوئی موجود نہ تھا البتہ وہاں لائٹس اس

طرح جل رہی تھیں جیسے اس عمارت کا بجلی گھر اپنا ہو۔ تھوڑی دیر بعد صدیقی اور اس کے ساتھی اس پوری عمارت کا جائزہ لے رہے تھے لیکن وہاں نہ کوئی مرد تھا اور نہ ہی کوئی عورت۔ وہاں بے شمار بیڈرومز اور سٹنگ ہال تو موجود تھے لیکن وہاں کوئی آدمی موجود نہ تھا۔

”یہ کیا ہوا۔ کہاں گئے سارے لوگ“...... صدیقی نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”میرا خیال ہے کہ یہ بلڈنگ خالی کر دی گئی ہے“...... چوہان نے کہا۔

”یہ بات نہیں ہے جناب۔ جس آدمی سے میں نے یہ معلومات حاصل کی تھیں اور جس کا نام ہنری ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ یہاں بڑے بڑے لیکن خفیہ تہہ خانے ہیں۔ جہاں سٹاک رکھا جاتا ہے البتہ اس نے کہا تھا کہ ایک خفیہ تہہ خانہ ایسا بھی ہے جہاں ماسٹر شوکت خود رہتا ہے۔ یہ ایسا خفیہ تہہ خانہ ہے کہ پوری عمارت کو بموں سے اڑا دیا جائے تب بھی اس تہہ خانے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اسے ہماری آمد کی کہیں نہ کہیں سے اطلاع مل گئی ہے اور وہ انڈر گراؤنڈ ہو گیا ہے“...... ٹائیگر نے کہا تو صدیقی سمیت سب ہنس پڑے۔

”آپ ہنس رہے ہیں۔ کیا میں نے غلط بات کی ہے“۔ ٹائیگر نے بے اختیار منہ بناتے ہوئے کہا۔

’’تم نے تہہ خانوں کی تفصیل بتانے کے بعد انڈرگراؤنڈ ہو گیا ہے کہا ہے۔ اس پر ہم ہنس رہے ہیں کہ انڈرگراؤنڈ کا لفظ انتہائی درست موقع پر بولا گیا ہے‘‘...... صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا تو اس بار ٹائیگر خود بھی ہنس پڑا۔

’’اب تہہ خانے کیسے تلاش کئے جائیں‘‘...... صدیقی نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

’’بڑا آسان طریقہ ہے‘‘...... چوہان نے کہا تو ٹائیگر سمیت سب چونک پڑے۔

’’کیا ہے‘‘...... صدیقی نے چوہان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

’’عمران صاحب سے میں نے خصوصی طور پر طریقہ سیکھا ہے‘‘۔ چوہان نے کہا۔

’’وہ تو عام تہہ خانے ہوتے ہیں‘‘...... ٹائیگر نے بے اختیار ہو کر کہا۔

’’جو اصول عام تہہ خانوں پر استعمال ہوتا ہے وہی خفیہ تہہ خانوں پر بھی لاگو ہوتا ہے‘‘...... چوہان نے کہا۔

’’ٹھیک ہے۔ چلو پھر تلاش کریں۔ کہاں جانا ہوگا‘‘...... صدیقی نے کہا۔

’’گراؤنڈ فلور پر‘‘...... چوہان نے کہا۔

’’وہاں تو ہم موجود ہیں‘‘...... صدیقی نے کہا۔

’’آؤ پھر چیک کریں‘‘...... چوہان نے کہا اور آگے بڑھ کر اس راہداری میں داخل ہوا جو عمارت کی درمیانی راہداری تھی۔ یہ خاصی وسیع راہداری تھی لیکن اس کے دونوں اطراف میں قدیم دور کی موٹی موٹی دیواریں تھیں۔

’’یہ دیکھو صدیقی۔ یہ دیوار چار فٹ چوڑی ہے جبکہ یہ دیوار صرف دو فٹ چوڑی ہے‘‘...... چوہان نے ایک جگہ رک کر فرش سے چھت تک دیواروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

’’ہاں۔ مگر‘‘...... صدیقی نے کچھ کہنا چاہا لیکن چوہان نے اس کی بات کاٹ دی۔

’’یہ سو فیصد اس لئے ہے کہ یہاں خفیہ تہہ خانہ موجود ہے اور یہی دیواروں کی مختلف چوڑائی ہے اور اس سے ہی اس کا کھوج لگایا جا سکتا ہے‘‘...... چوہان نے کہا۔

’’ویری گڈ چوہان صاحب۔ مجھے بھی اب یاد آ گیا ہے کہ ایک مشن کے عمران صاحب نے اسی پیمانے سے خفیہ تہہ خانہ تلاش کر لیا تھا۔ ویری گڈ‘‘...... ٹائیگر نے باقاعدہ خراج تحسین پیش کرنے کے انداز میں کہا۔

’’ٹھیک ہے چوہان۔ لیکن اب اس خفیہ تہہ خانوں کو اوپن کیسے کیا جائے گا‘‘...... صدیقی نے کہا۔

’’عمران صاحب ان کاموں کے ماہر حکیم ہیں پر کمزوری کا نسخہ ان کے پاس ہوتا ہے‘‘...... چوہان نے کہا تو سب بے اختیار ہنس

پڑے جبکہ چوہان نے آگے بڑھ کر اس دیوار کو ہاتھ کا مکہ بنا کر مارنا شروع کر دیا اور اسی طرح مکہ مارتے ہوئے آگے بڑھتا چلا گیا۔ اچانک ایک جگہ وہ رک گیا۔ اس نے وہاں تین مکے مارے اور پھر بقیہ ہاتھ پھیلا کر اس جگہ پر رکھا اور باری باری انگوٹھے سے لے کر چھوٹی انگلی کو دوسرے ہاتھ سے باقاعدہ دباتا چلا گیا۔ پھر جیسے ہی اس نے درمیانی انگلی پر دباؤ ڈالا تو گڑگڑاہٹ کی تیز آواز کے ساتھ ہی دیوار درمیان سے علیحدہ ہو کر دونوں سمتوں میں ہو گئی اور ان سب کی آنکھیں اس وسیع و عریض تہہ خانے میں موجود اسلحہ کی سینکڑوں بلکہ بلا مبالغہ ہزاروں پیٹیاں دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''یہ ماسٹر شوکت کا اسلحے کا اسٹاک ہے''...... ٹائیگر نے کہا۔

''یہ ہماری کارکردگی پر سوالیہ نشان ہے کہ ہم فورسٹارز اپنے فلیٹ میں بیٹھے رہ جاتے ہیں جب کہ ہماری تنظیم کا مقصد ان لوگوں کے شر سے معاشرے کو نجات دلانا ہے''...... صدیقی نے قدرے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔

''میری تجویز ہے کہ ہم چیف سے اجازت لے کر فورسٹارز کی بجائے فائیو سٹارز تنظیم بنا لیں جس میں ٹائیگر کو باقاعدہ ممبر بنا لیں۔ ٹائیگر انڈر ورلڈ میں کام کرتا ہے۔ اسے معلومات ملتی رہتی ہیں۔ یہ عمران صاحب کے لئے کام کرتا ہے۔ کرتا رہے لیکن ایسے مجرموں کی شر پسندی سے معاشرے کو پاک کرنے کی جدو جہد بھی بہت

بڑی نیکی ہے''...... نعمانی نے کہا۔

''میں فائیو سٹارز بنے بغیر حاضر ہوں جو واقعی اچھائی کا کام ہے''...... ٹائیگر نے کہا تو صدیقی نے اس کے کاندھے پر نہ صرف تھپکی دی بلکہ جذباتی انداز میں اسے گلے لگا لیا۔

''اب مزید تہہ خانے بھی تو تلاش کرنے ہوں گے''...... صدیقی نے کہا تو ٹائیگر اس طرح چونک پڑا جیسے اسے تہہ خانے میں کوئی خاص چیز نظر آئی ہو۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا تہہ خانے میں داخل ہوا۔ کافی دیر تک کھلا رہنے کی وجہ سے اب اندر کی ہوا قدرے ہلکی ہو گئی تھی لیکن اس کے باوجود فضا میں بھاری پن موجود تھا۔

''میں تو کہتا ہوں کہ اس سارے اسلحے کو فائر کر دو۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری''...... خاور نے بے اختیار ہو کر کہا تو سب ہنس پڑے۔

''اور پھر چیف جو بانسری بجائے گا اس کا کیا ہو گا۔ یہ سب حکومت نے کرنا ہے۔ ہم نے تو صرف نشاندہی کرنی ہے''۔ صدیقی نے کہا۔ اسی لمحے ٹائیگر ہاتھ میں ایک فائل اٹھائے واپس آ گیا۔

''کیا ہے یہ''...... صدیقی نے کہا۔

''ایک طرف الماری پڑی مجھے نظر آئی۔ میں نے جا کر الماری کھولی تو اس میں یہ فائل پڑی تھی۔ نجانے کیا رپورٹ لکھی گئی ہے اس میں اور اسلحے کے سارے تہہ خانوں کے علاوہ چار بڑے تہہ خانوں کے بارے میں بتایا گیا ہے اور ایک اور خاص بات کہ ایک

خفیہ تہہ خانے کو سپر تہہ خانہ لکھا گیا ہے“...... ٹائیگر نے جواب دیا۔

”چلو یہ تو قدرت کی طرف سے ہماری مدد ہے ورنہ اس تہہ خانے کو کھولنے کا سیٹ اپ علیحدہ رکھا ہوا ہے۔ یہ بھی اتفاق سے وہی سیٹ اپ تھا جو عام طور پر تہہ خانوں کا رکھا جاتا ہے۔

”اس لئے کھل گیا ورنہ شاید اسے بموں سے اڑانا پڑتا۔ آؤ میرے ساتھ“...... چوہان نے کہا اور پھر سب چوہان کی رہنمائی میں مختلف راہداریوں میں موجود خفیہ تہہ خانے کھولنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان میں دو تہہ خانے اسلحہ اور دو بڑے تہہ خانے منشیات سے لبالب بھرے ہوئے تھے البتہ ان تہہ خانوں کی فضا بے حد بوجھل تھی اور منشیات کی بو نے سب کا حشر کر رکھا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد بو آنا بند ہو گئی۔

”یہ کیا ہوا۔ ہمارے آتے ہی بو ختم ہو گئی“...... خاور نے مسکراتے ہوئے کہا تو سوائے ٹائیگر کے باقی سب بے اختیار کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

”کیا ہوا جناب“...... ٹائیگر نے انہیں ہنستے دیکھ کر حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”تو تم نے یہ بو ختم کرنے کا لطیفہ نہیں سنا ہوا“...... خاور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں“...... ٹائیگر نے کہا۔

”تو پھر مختصر طور پر سن لو۔ ایک لڑکی کی شادی اس گھر میں ہوئی جہاں کھالوں کی صفائی کی جاتی تھی۔ پہلے تین دن تو اس بے چاری کا شدید بو نے ناک میں دم کئے رکھا۔ وہ بو، بو چیختی رہی۔ الٹیاں کرتی رہی لیکن چوتھے روز اس کی الٹیاں بھی ختم ہو گئیں اور بو بھی۔ تو اس نے سب گھر والوں کو فخریہ کہا کہ میرے اس گھر میں آنے سے بو ختم ہو گئی اور وہ سب ہنس پڑے۔ کیونکہ بو ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ بو کی صفت ہے کہ ابتدائی طور پر ہماری سونگھنے والی صلاحیت بے حد تیز ہوتی ہے لیکن پھر بو آہستہ آہستہ انسانی ذہن کا حصہ بن جاتی ہے اور انسان اس کا عادی ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میری وجہ سے پورے گھر سے بو ختم ہو گئی ہے“...... خاور نے تفصیل سے کہا تو ٹائیگر بے اختیار ہنس پڑا۔

”چلو شکر ہے کہ تمہیں ابھی لطیفہ سمجھ آ گیا ورنہ میرا خیال تھا کہ تم گھر جا کر ہنسو گے“...... چوہان نے کہا اور سب ایک بار پھر ہنس پڑے۔ ٹائیگر بھی اس بار ان کے ساتھ شامل تھا۔

”اب وہ انتہائی خفیہ تہہ خانہ تلاش کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ مغوی اطالوی بچہ وہیں ہو گا“...... صدیقی نے کہا اور پھر اس فائل کی مدد سے ہی یہ انتہائی خفیہ تہہ خانہ جسے بطور سپر تہہ خانہ ظاہر کیا گیا تھا، نہ صرف تلاش کر لیا گیا بلکہ اسے کھول بھی لیا گیا اور اس کے کھلتے ہی ٹائیگر سمیت صدیقی اور اس کے ساتھی حیرت سے دنگ رہ گئے یہ پورا تہہ خانہ مشینری سے پُر تھا اور ایک آدمی کرسی پر بیٹھا میز پر رکھی ہوئی ایک بڑی سی مشین کے سامنے موجود تھا اور اس کا

سر ڈھلکا ہوا تھا۔ سب مشینری چل رہی تھی۔ سکرین پر سرنگ کا اندرونی دہانہ اور راہداری کا منظر نظر آ رہا تھا۔ جہاں پر رک کر انہوں نے بے ہوش کر دینے والی گیس فائر کی تھی۔

”اگر ہم بروقت گیس فائر نہ کرتے تو یقیناً یہ آدمی ہمیں کہیں نہ کہیں کسی بھی انداز میں ٹارگٹ بنا لیتا“...... ٹائیگر نے کہا اور سب نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔

”اس مشینری کو تباہ کر دو لیکن پہلے اس آدمی کو اٹھا کر باہر لے آؤ“...... صدیقی نے کہا تو اس کی ہدایت پر فوری عمل کیا گیا۔ ساری مشینری تباہ کر دی گئی۔

”اس آدمی کو پہچانتے ہو ٹائیگر“...... صدیقی نے کہا۔

”ہاں۔ بہت اچھی طرح۔ یہ ماسٹر شوکت ہے۔ اس علاقے اور اس عمارت کا مالک اور پاکیشیا کا سپر اسمگلر“...... ٹائیگر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”او کے۔ اسے ہم اسی حالت میں اٹھا کر اپنے ہیڈکوارٹر لے جاتے ہیں جبکہ یہ سب کچھ یہاں کھلا رہے گا۔ میں عمران صاحب کو فون کر کے تفصیل بتا دیتا ہوں وہ سر سلطان سے کہہ کر کالی بستی کی طرح یہاں ریڈ کرا دیں گے“...... صدیقی نے کہا۔

”یہ سب سے بہتر رہے گا“...... ٹائیگر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”لیکن وہ اطالوی مغوی بچہ کہاں ہے۔ کسی اور تہہ خانے میں نہ

ہو“...... خاور نے کہا۔

”نہیں۔ اس فائل میں تمام تہہ خانوں کی تفصیل موجود ہے۔ اس عمارت میں وہ مغوی اطالوی بچہ موجود نہیں ہے۔ یقیناً ماسٹر شوکت کو ریڈ کی اطلاع مل گئی ہو گی اور اس نے اس بچے کو کہیں اور بھجوا دیا ہو گا۔ اب یہ خود ہی بتائے گا“...... ٹائیگر نے کہا اور صدیقی نے اس کی تائید کر دی۔

عمران، ٹائیگر اور فورسٹارز سب کاروں میں سوار اس کچی بستی کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے جہاں بقول ماسٹر شوکت ایک آدمی اسلم کی تحویل میں اطالوی مغوی بچہ موجود تھا۔ ماسٹر شوکت نے ہی بتایا تھا کہ اس اسلم کے پاس اور بھی کئی مغوی بچے موجود ہیں۔ وہ اس معاملے میں خصوصی تربیت یافتہ ہے۔ البتہ خطرے کی صورت میں اسے ہدایت دی گئی ہے کہ وہ بچے کو ہلاک کر کے اس کی لاش کا قیمہ بنا کر کسی گٹر میں بہا دے۔ ماسٹر شوکت سے پوچھ گچھ میں عمران بھی شامل ہوا تھا کیونکہ وہ جرائم کے اس نیٹ ورک کا مرکزی کردار تھا۔ صدیقی نے جب سیل فون پر عمران کو عمارت کے بارے میں تمام تفصیل بتائی تو عمران نے خود ان کے پاس آنے کا کہا اور پھر اس نے سرسلطان کو فون کر کے فوری پولیس اور فوج کا اس عمارت پر ریڈ کرانے کا کہہ دیا۔ پھر وہ فورسٹارز کے ہیڈکوارٹر گیا جہاں ماسٹر شوکت اسی بے ہوشی کے عالم میں راڈز میں جکڑا ہوا کرسی پر موجود تھا۔ عمران نے اسے ہوش دلایا اور پھر اس کے شعور کو ختم کر کے اس کے لاشعور کو تحت الشعور سے نکال کر سامنے لے آیا اور اس کے بعد ماسٹر شوکت نے پوری تفصیل بتا دی جو عمران اور فورسٹارز کو چاہئے تھی۔ اس کے بعد اسے گولی مار دی گئی اور اس کی لاش ایک ویرانے میں پھینکوا دی گئی۔ اب وہ اس مغوی بچے کی برآمدگی کے لئے اس کچی بستی کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے جو دارالحکومت کے مضافات میں تھی۔ اس کا نام گدھ پور تھا یہ بستی جرائم پیشہ افراد کی وجہ سے بے حد بدنام تھی۔ پہلی کار میں عمران اور ٹائیگر کے ساتھ صدیقی تھا اور عقبی کار میں چوہان، خاور اور نعمانی تھے۔ پہلی کار ٹائیگر چلا رہا تھا کیونکہ اسے گدھ پور بستی کے بارے میں معلوم تھا جبکہ عقبی کار کی ڈرائیونگ خاور کر رہا تھا۔ چوہان سائیڈ سیٹ اور نعمانی عقبی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

”باس۔ وہاں اچانک جانے سے پہلے بہتر نہیں تھا کہ ہم وہاں پہلے ریکی کرتے“...... ٹائیگر نے کہا۔

”احمق تو مجھے کہا جاتا ہے لیکن احمقوں جیسی باتیں تم کر رہے ہو۔ بھگت بلڈنگ پر پولیس اور فوج کا ریڈ۔ پھر ماسٹر شوکت کی ویرانے سے ملنے والی لاش دونوں دھماکہ خیز خبریں ہیں اور ان جرائم پیشہ افراد کا نیٹ ورک انتہائی احساس ہوتا ہے۔ ان کو اس قسم کی خبریں چند لمحوں میں مل جاتی ہیں اور تم نے ماسٹر شوکت کی بات سنی تھی کہ اس اسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ خطرے کی صورت میں وہ مغوی

بچے کو ذبح کر کے اس کی لاش کا قیمہ بنا کر گٹر میں بہا دے۔ اس لئے اگر ہم ریکی کرتے رہ جاتے اور مغوی بچے کو ہلاک کر دیا جاتا تو پھر کیا ہوتا''...... عمران نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

''آئی ایم سوری باس''...... ٹائیگر نے فوراً ہی معذرت کرتے ہوئے کہا۔

''ہمارا کام شطرنج کے انداز میں چلتا ہے۔ جب تک دونوں طرف سے پیادے مرتے رہتے ہیں تو کسی کو پریشانی نہیں ہوتی لیکن جب بڑے مہرے پٹ جاتے ہیں تو پھر شہ مات ہو جاتی ہے اس لئے ہمیں بھی معاملات کو انتہائی گہرائی میں دیکھنا اور سوچنا ہوتا ہے۔ آئندہ اس قسم کی احمقانہ بات تم نے میرے سامنے کی تو تمہاری لاش بھی کسی ویرانے میں پڑی ملے گی''...... عمران کا لہجہ اور سخت ہو گیا تھا۔

''اس نے سوری تو کہہ دیا ہے۔ پھر کیوں ڈانٹ رہے ہیں''۔ عقبی سیٹ پر بیٹھے صدیقی نے کہا تو عمران بے اختیار ہنس پڑا۔

''تم بھی تو چیف ہو۔ تمہیں بتا رہا ہوں کہ ماتحتوں اور شاگردوں پر کس طرح رعب ڈالا جاتا ہے''...... عمران نے مسکراتے ہوئے کہا تو صدیقی بھی بے اختیار ہنس پڑا۔

''باس۔ گدھ پور بستی قریب آ رہی ہے''...... ٹائیگر نے کہا۔

''تم اسے کیسے پہچانتے ہو''...... عمران نے پوچھا۔

''میں ایک بار ایک آدمی کے ساتھ یہاں آ چکا ہوں''...... ٹائیگر

نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''پھر تو تم نے اس بستی کے محل وقوع کو چیک کیا ہو گا کہ کس انداز میں یہ بستی بنائی گئی ہے اور عموماً تو کسی کچی بستی میں گٹر نہیں ڈالا جاتا۔ اس میں کیسے ڈال دیا گیا ہے''...... عمران نے کہا۔

''اوہ۔ آپ درست کہہ رہے ہیں۔ کچی بستی گدھ کے سامنے ایک چھوٹا سا خالی پلاٹ ہے جہاں یہ لوگ شادی بیاہ کی تقریبات اور موت فوت کی تقاریب منعقد کرتے ہیں جبکہ اس پلاٹ کی دوسری طرف بھی ایک چھوٹی سی بستی ہے لیکن یہ ڈیویلپڈ بستی ہے۔ یہاں گٹر بھی ہے اور سوئی گیس بھی، جبکہ کچی بستی کے بڑے حصے میں نہ گٹر ہے اور نہ ہی گیس۔ صرف بجلی ہے''...... ٹائیگر نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''اس ڈیویپڈ بستی کا کیا نام ہے''...... عمران نے پوچھا۔

''پہلے تو یہ بھی گدھ بستی کہلاتی تھی لیکن پھر ڈیویلپڈ لوگوں نے اس کا نام گدھ پورہ کی بجائے مومن پورہ رکھ دیا ہے اور اب یہ علاقہ مومن پورہ کہلاتا ہے۔ گٹر لائن مومن پورہ میں ہے۔ گدھ پورہ میں نہیں ہے''...... ٹائیگر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''عمران صاحب۔ آپ کا ذہن واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ ہے''...... صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تمہارے لئے یا میرے لئے''...... عمران نے الٹا سوال کیا تو صدیقی بے اختیار کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

''آپ نے ماسٹر شوکت کی بات میں گڑ کا لفظ نکال کر گدھ پور کی ایک لحاظ سے ریکی کر دی ہے۔ اس لئے آپ کا ذہن واقعی تحفہ ہے۔ آپ کے لئے بھی اور پورے ملک بلکہ پوری مسلم دنیا کے لئے بھی''...... صدیقی نے باقاعدہ خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا۔

''یہ تحفہ میرے لئے بڑا کربناک ہے''...... عمران نے کہا تو صدیقی کے ساتھ ساتھ ٹائیگر بھی چونک پڑا۔

''وہ کیسے عمران صاحب''...... صدیقی نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''میں تمہیں دو شعر اور ان کے معنی بیان کرتا ہوں جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں وہ سینکڑوں سال پہلے یہ شعر کہہ گئے ہیں۔ ایک تو سعدی شیرازی کا قول ہے فارسی زبان میں۔ جس کا مطلب ہے کہ میرے اندر کی روشنی میرے لئے بلا بن چکی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ میں اندر کی روشنی سے جو کچھ دیکھتا ہوں وہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا لیکن مجھے برداشت کرنا پڑتا ہے اس لئے یہ اندر کی روشنی میرے لئے بلا بن چکی ہے اور ہمارے ایک اور بہت بڑے شاعر مرزا غالب نے اس پر انتہائی خوبصورت شعر کہا ہے کہ جب مجھے جبراً وہ کچھ دیکھنا پڑتا ہے جو میں نہیں دیکھنا چاہتا تو میرا دل خون خون ہو جاتا ہے۔ اس لئے میری استدعا ہے کہ کسی بے دست و پا کو یعنی جو کچھ بھی مداوا نہ کر سکے اسے دیدہ بینا یعنی اندر کی آنکھ جو

اصل میں سب کچھ دیکھتی ہے نہیں ملنی چاہئے''...... عمران نے باقاعدہ لیکچر دینے کے انداز میں شعروں کے مطالب بیان کر دیئے۔

''عمران صاحب۔ آپ پڑھتے تو ساری عمر سائنس رہے ہیں اور اب بھی آپ سائنسی کتب اور رسالے پڑھتے ہیں پھر آپ کو سعدی شیرازی اور مرزا غالب کی شاعری اور اس کے اس قدر گہرائی میں مطالب کیسے معلوم ہو جاتے ہیں۔ کیا آپ کے ذہن پر یہ سب کچھ خود بخود القا ہو جاتا ہے''...... عقبی سیٹ پر بیٹھے صدیقی نے کہا تو عمران بے اختیار ہنس پڑا۔

''القا نجانے کن روحانی لوگوں پر ہوتا ہوگا۔ میں تو عام سا دنیا دار آدمی ہوں اصل میں مطالعے کا شوق سب سے بڑا استاد ہے۔ خاص طور پر اس آدمی کا جو ہر موضوع کو اسی دلچسپی سے پڑھتا ہے جس دلچسپی سے وہ خاص موضوعات میں دلچسپی لیتا ہے''...... عمران نے کہا۔

''باس۔ ہم گدھ پورہ کی طرف مڑنے والے ہیں''...... ٹائیگر نے اچانک موڑ مڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ اب یہ بتاؤ کہ گدھ پورہ میں اسلم کے مکان نمبر کا پتہ کیسے چلے گا''...... عمران نے کہا۔

''وہاں ایک چائے کا ہوٹل ہے۔ ہم کاریں دور کھڑی کر دیں گے۔ پھر میں وہاں ہوٹل پر جا کر اسلم کے بارے میں معلوم کروں

گا‘‘...... ٹائیگر نے کار کو ایک چوک سے بائیں ہاتھ پر موڑتے ہوئے کہا۔

’’اسلم کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو جاتیں تو اچھا ہوتا‘‘۔ صدیقی نے کہا۔

’’ہو جائیں گی معلوم۔ ہمیں پہنچنے تو دو‘‘...... عمران نے بڑے وثوق بھرے لہجے میں کہا تو صدیقی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر ایک کھلی جگہ پر ٹائیگر نے کار آہستہ کر کے روک دی تو عقبی طرف آنے والی کار بھی رک گئی۔

’’میں جا کر معلوم حاصل کرتا ہوں‘‘...... ٹائیگر نے کہا۔

’’تم کاریں اس ہوٹل تک لے چلو۔ پھر سب جا کر بات کریں گے ورنہ یہ لوگ عام طریقہ سے کسی کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے‘‘...... عمران نے کہا۔

’’لیکن ہم سب کو دیکھ کر یہ لوگ خوفزدہ نہ ہو جائیں‘‘۔ صدیقی نے کہا۔

’’جو کچھ بھی ہو ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ ہم نے جلد از جلد اسلم تک پہنچنا ہے‘‘...... عمران نے کہا تو ٹائیگر نے کار آگے بڑھا دی۔ عقبی کار بھی ان کے پیچھے چل پڑی اور پھر تھوڑا سا آگے جانے کے بعد ایک چوڑی سی گلی کی ایک سائیڈ پر بنے ہوئے چائے کے ایک ہوٹل کے سامنے رک گئیں۔ یہ ہوٹل سڑک کی سطح سے تقریباً دس سیڑھیاں بلند تھا۔ اندر کرسیاں اور میزیں موجود تھیں

جن کے گرد عام لوگ اور جرائم پیشہ لوگ بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ایک طرف کاؤنٹر تھا جس کے پیچھے ایک ادھیڑ عمر آدمی کھڑا تھا۔ کاریں رکنے کی آوازیں سن کر ہوٹل میں موجود افراد چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔ شاید ان کے تصور میں بھی نہ تھا کہ یہاں بھی کاریں آ سکتی ہیں۔ یہ انتہائی غریب علاقہ نظر آ رہا تھا۔ کار رکتے ہی عمران کار سے باہر آیا۔ اس کے ساتھ ہی ٹائیگر، صدیقی اور اس کے ساتھی بھی کار سے باہر آ گئے۔

کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا ہوا ادھیڑ عمر آدمی عمران اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر شدید پریشانی کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ عمران سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچا تو اس کے پیچھے صدیقی اور اس کے ساتھی بھی اوپر آ گئے جبکہ سب سے آخر میں ٹائیگر اوپر پہنچا تھا۔

’’آپ اس ہوٹل کے مالک ہیں‘‘...... عمران نے بڑے نرم سے لہجے میں کہا۔

’’جی صاحب۔ آپ کون ہیں اور میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں‘‘...... ادھیڑ عمر آدمی نے عمران کے نرم لہجے کی وجہ سے حوصلہ پکڑتے ہوئے کہا۔

’’یہاں گدھ پورہ میں ایک آدمی اسلم رہتا ہے۔ ہم نے اس سے فوری ملنا ہے‘‘...... عمران نے کہا۔

’’اسلم۔ میں تو نہیں جانتا۔ یہاں تو کئی اسلم ہوں گے۔ پورا

محلہ ہے جناب''...... ادھیڑ عمر آدمی نے کہا۔

''آپ کا کیا نام ہے''...... عمران نے پوچھا۔

''میرا نام عبدالحق ہے جناب''...... ادھیڑ عمر نے کہا۔

''تو عبدالحق صاحب۔ ہمارا تعلق ایک موبائل کمپنی سے ہے جس نے کالوں کی کثرت پر بڑے بڑے انعامات رکھے ہوئے ہیں اس میں اسلم نے بھی حصہ لیا اور اس کا ایک بڑا انعام پچاس لاکھ روپے کا نکل آیا ہے۔ اس کا فون بند ہے اور ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ گدھ پورہ میں رہتا ہے۔ کل انعامات کی تقسیم ہے۔ اگر اسلم اس تقریب میں شامل نہ ہوا تو پھر اس کا انعام ختم ہو جائے گا''...... عمران نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''بابا۔ وہ اسلم جوگیا ہو گا۔ وہ ہر وقت اپنے فون سے کالیں کرتا رہتا ہے''...... ادھیڑ عمر آدمی کے ساتھ کھڑے نوعمر لڑکے نے کہا۔

''کون سا اسلم جوگیا''...... ادھیڑ عمر نے لڑکے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بابا۔ وہ جو دوسروں کے بچے پالتا ہے اسلم جوگیا۔ جو یہاں بیٹھ کر چائے پینے کی بجائے گھر منگواتا ہے''...... لڑکے نے کہا۔

''اوہ اچھا۔ تو دکھاؤ جا کر اس کا گھر صاحب لوگوں کو''۔ عبدالحق نے کہا تو عمران نے جیب سے ایک بڑا نوٹ نکالا اور عبدالحق کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ رکھ لیں۔ اس بچے کو ہماری طرف سے کوئی تحفہ لے دیں ورنہ ہمیں نجانے کب تک یہاں خوار ہونا پڑتا''...... عمران نے کہا تو عبدالحق کے چہرے پر اس طرح مسرت کے تاثرات ابھر آئے جیسے اسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔

''جاؤ بیٹے بلال''...... عبدالحق نے ساتھ کھڑے اپنے بیٹے سے کہا اور وہ سر ہلاتا ہوا کاؤنٹر سے باہر آ گیا۔

''یہاں سے کتنی دور ہے''...... عمران نے پوچھا۔

''کچھ دور ہے۔ اس محلے کا تقریباً آخری مکان ہے''...... بلال نے جواب دیا۔

''وہاں تک کاریں جا سکتی ہیں''...... عمران نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ بڑی آسانی سے''...... بلال نے جواب دیا تو عمران نے کار میں اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ بلال نے ٹائیگر کی رہنمائی شروع کر دی۔ مختلف چھوٹی بڑی گلیاں گزر کر وہ تقریباً محلے کے آخری مکانات تک پہنچ گئے اور پھر جب وہ ایک گلی مڑے تو ان کے سامنے ایک خالی پلاٹ موجود تھا جس کے دوسری طرف کچے پکے ادھر ادھر بکھرے ہوئے مکانات موجود تھے جہاں بچے صرف نیکریں پہنے کھیل کود رہے تھے۔

''وہ جو سامنے مکان کی پشت ہے جس کی دوسری منزل پر پانی کی ٹینکی بنی ہوئی ہے یہ اسلم جوگیا کا مکان ہے لیکن اس کا سامنے کا حصہ بہت تنگ گلی میں ہے۔ اس لئے کاریں وہاں داخل نہیں ہو سکتیں۔ آپ پیدل چلیں تو میں ساتھ چلتا ہوں''...... بلال نے کہا۔

”تم نے مکان کی نشاندہی کر دی۔ یہی کافی ہے۔ باقی بات چیت ہم کر لیں گے۔ یہ لو تمہارا انعام“...... عمران نے ایک درمیانی مالیت کا نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا تو بلال خوش ہو گیا۔ اس نے نوٹ جیب میں ڈالا اور سلام کر کے کار سے نیچے اتر کر بھاگتا ہوا گلی مڑ گیا۔

”یہ وہاں ہمارے بارے میں اطلاع نہ دے دیں“...... صدیقی نے کہا۔

”اسی لئے تو میں نے اسے نوٹ دیا ہے کہ اسی خوشی میں وہ ہوٹل بھاگ جائے گا۔ آؤ ہمیں یہاں باقاعدہ فوج کشی کرنی ہو گی“...... عمران نے کار سے نیچے اترتے ہوئے کہا تو ٹائیگر، صدیقی اور اس کے ساتھی بھی کاروں سے نیچے اتر آئے۔

”خاور۔ تم یہیں کاروں کے ساتھ رکو۔ یہاں بہت آوارہ لڑکے پھر رہے ہیں کوئی نقصان نہ کر دیں۔ ہم آ رہے ہیں“...... عمران نے خاور سے کہا تو خاور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر وہ سب عمران کے ساتھ چلتے ہوئے گلی مڑ کر ایک انتہائی تنگ سی گلی میں داخل ہوئے۔ مکانوں کی چھتیں یہاں سے بھی نظر آ رہی تھیں اور پانی کی ٹینکی کی نشانی بہت بڑی نشانی تھی کیونکہ اس قطار میں موجود کسی مکان کی چھت پر ٹینکی نہ تھی۔

”اس کا مطلب ہے کہ اسلم جوگیا کا کام خوب چل رہا ہے“۔ صدیقی نے کہا۔

”ظاہر ہے۔ ورنہ ماسٹر شوکت جیسا آدمی اتنا بڑا رسک کیوں لیتا“...... عمران نے کہا اور پھر اسے اسلم جوگیا کے مکان کا بیرونی دروازہ نظر آ گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ گلی میں اس وقت کوئی آدمی موجود نہ تھا۔ عمران نے جیب سے گیس پسٹل نکالا اور مکان کے اندر یکے بعد دیگرے دو کیپسول فائر کر دیئے۔ پھر عمران نے گیس پسٹل واپس جیب میں ڈال لیا۔

”ٹائیگر۔ دروازے پر چڑھ کر اندر کود جاؤ اور اندر سے دروازہ کھول دو“...... عمران نے کہا تو ٹائیگر تیزی سے آگے بڑھا اور پھر بجلی کی سی تیزی سے وہ جمپ لگا کر دروازے کے اوپر موجود دیوار کی سطح پر ایک لمحہ نظر آیا اور دوسرے لمحے وہ اندر غائب ہو گیا۔ اندر وہ پنجوں کے بل گرا اور دھماکے کی آواز بلی کے گرنے کی طرح سنائی دی۔ پھر اندر سے کنڈا کھول کر دروازہ کھول دیا گیا تو عمران اور اس کے پیچھے صدیقی اور اس کے ساتھی اندر داخل ہو گئے۔ ٹائیگر نے ایک بار پھر اندر سے دروازہ بند کر دیا۔ یہ اوسط درجے کا مکان تھا البتہ اندر کرسیاں اور صوفے ادھر ادھر پڑے نظر آ رہے تھے۔ فرشوں پر دریاں اور قالین بچھے ہوئے نظر آ رہے تھے جو اس مکان کے لحاظ سے اجنبی سے لگتے تھے لیکن جب عمران اور اس کے ساتھی مکان کے ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئے تو عمران سمیت سب بری طرح اچھل پڑے اور ان کے چہروں پر انتہائی تکدر کے تاثرات ابھر آئے کیونکہ ان کے سامنے ایک بھیانک منظر

موجود تھا۔ ایک چھ سات سالہ اطالوی بچے کو ہاتھ پیر باندھ کر اس کے منہ پر ٹیپ لگائی گئی تھی فرش پر پڑا تھا۔ وہ بے ہوش تھا جبکہ اس کے ساتھ ہی ایک بڑا خنجر اور قیمہ بنانے کے لئے جو لکڑی کا گٹکا قصائی استعمال کرتے ہیں وہ پڑا ہوا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک نوجوان آدمی بے ہوش پڑا تھا۔ ان سب نے یہ منظر دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ عین موقع پر گیس اندر فائر کر دی اور یہ اسلم جوگیا بے ہوش گیا ورنہ اگر اسے چند لمحے اور مل جاتے تو وہ اس اطالوی بچے کو ذبح کر کے قیمہ بنا کر گٹڑ میں پھینک دیتا۔ اس طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ثبوت ختم ہو جاتا۔

''اس قدر ظلم کرتے ہیں یہ لوگ معصوم بچوں پر''...... صدیقی نے افسوس ناک لہجے میں کہا۔

''جہاں انسانیت ختم ہو جائے وہاں یہی منظر نظر آتے ہیں۔ اس بچے کے ہاتھ پاؤں کھولو اور پھر کرسی پر بیٹھا کر ہوش میں لے آؤ''...... عمران نے کہا۔

''اور اس قصائی انسان کا کیا کرنا ہے''...... صدیقی نے کہا۔

''کرنا کیا ہے۔ ایسے لوگ قابل رحم نہیں ہوتے۔ اس لئے اس کو بعد میں اسی بے ہوشی کی حالت میں سینے پر پسٹل رکھ کر گولی مار دیں گے تاکہ فائرنگ کا شور نہ ہو''...... عمران نے کہا۔

''بعد میں کیوں۔ ابھی کیوں نہیں''...... صدیقی نے کہا۔

''اس بچے کے سامنے یہ کام نہیں ہو سکتا''...... عمران نے کہا تو

صدیقی چونک پڑا۔

''اوہ سوری عمران صاحب۔ اصل میں یہ منظر دیکھ کر مجھے غصہ آ گیا تھا''...... صدیقی نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

''یہی غصہ اس بات کی نشانی ہے کہ ابھی تمہارے اندر انسانیت موجود ہے''...... عمران نے کہا۔ ادھر ٹائیگر نے آگے بڑھ کر پہلے اس بچے کے رسیوں سے بندھے ہاتھ پیر کھولے اور پھر اسے اٹھا کر کرسی پر ڈال دیا۔ اس کے بعد اس نے ایک ہاتھ سے اس بچے کا ناک اور منہ بند کر دیا۔ چند لمحوں بعد جب بچے کے جسم میں حرکت کے آثار نمودار ہونے لگے تو ٹائیگر نے ہاتھ ہٹایا اور پیچھے ہٹ گیا۔ اب سب ایک قطار کی صورت میں اس بچے کے سامنے کھڑے تھے۔ کچھ دیر بعد بچے نے چیختے ہوئے ہیلپ، ہیلپ کہنا شروع کر دیا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ خوف ابھر آیا تھا۔

''ہیلپ آ گئی ہے بیٹے۔ اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں''...... عمران نے اطالوی زبان میں کہا تو بچہ اس طرح اچھلا جیسے اسے کرنٹ لگ گیا ہو۔

''انکل۔ آپ میرے ملک کی اصل زبان بول لیتے ہیں''۔ لڑکے نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ وہ باقی سب بھول گیا تھا۔

''ہم تمہاری مدد کرنے کے لئے آئے ہیں۔ تمہاری ڈیڈی کا نام ونسٹن، تمہاری ممی کا نام ماریا ونسٹن اور تمہارا نام بروس ہے''...... عمران نے کہا تو لڑکا خوشی سے اچھل کر کرسی سے نیچے اترا اور دوڑ

کر عمران کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔

''اب فکر مت کرو بیٹے۔ اب انشاء اللہ تم محفوظ رہو گے''۔ عمران نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو لڑکا پیچھے ہٹ گیا۔

''وہ آدمی کہہ رہا تھا کہ تمہارے ماں باپ نے میرے استاد کو قتل کیا ہے۔ میں تمہیں قتل کر کے تمہارا قیمہ بنا کر گٹڑ میں ڈال دوں گا۔ میں اس کی منتیں کرتا رہا لیکن اس نے میری ایک نہ سنی۔ پھر نجانے کیا ہوا کہ مجھے نیند آ گئی۔ اب مجھے ہوش آیا ہے تو آپ موجود ہیں''۔ اطالوی بچے نے لفظوں کو رک رک کر ادا کرتے ہوئے کہا۔

''سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آؤ''...... عمران نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور واپس مڑ گیا۔

''صدیقی تم نے اپنا کام کرنا ہے''۔ عمران نے صدیقی سے کہا۔

''ایسا ہی ہو گا''...... صدیقی نے کہا اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ سب واپس اپنی کاروں تک پہنچ گئے جہاں خاور موجود تھا جسے کاروں کی حفاظت کے لئے وہاں چھوڑا گیا تھا۔ صدیقی بھی اسلم جوگیا کو گولی مار کر ان سے آ ملا تھا۔ اس لئے تھوڑی دیر بعد ہی وہ سب کاروں میں سوار ہو کر واپس دارالحکومت کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔ سب کے چہرے مسرت سے چمک رہے تھے۔

اعظم، ندیم اوز ان کی دوست لڑکیاں سب اپنی رہائش گاہ کے ایک کمرے میں بیٹھے شراب پینے اور باتیں کرنے میں مصروف تھے کہ اعظم کے سیل فون کی گھنٹی بج اٹھی تو سب چونک پڑے۔ اعظم نے جیب سے سیل فون نکالا تو سکرین پر رابرٹ کا نام ڈسپلے ہو رہا تھا۔

''رابرٹ کی کال ہے''...... اعظم نے کہا اور رابطے کے ساتھ ساتھ لاؤڈر کا بٹن بھی پریس کر دیا تاکہ ندیم کو رابرٹ کی بات سنائی دے سکے۔ لڑکیاں رابرٹ کا نام سنتے ہی اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اب ان کے درمیان آفیشل باتیں ہوں گی جن کا ان سے براہ راست کوئی تعلق نہ تھا۔ اس لئے وہ ہمیشہ ایسے مواقع پر اٹھ جایا کرتی تھیں۔

''ہیلو۔ رابرٹ بول رہا ہوں باس''...... دوسری طرف سے رابرٹ کی آواز سنائی دی۔

”یس۔ کوئی خاص بات“...... اعظم نے کہا۔

”سر۔ خاص الخاص بات ہے“...... رابرٹ نے جواب دیا تو اعظم اور ندیم دونوں بے اختیار چونک پڑے۔

”کیا ہوا ہے“...... اعظم نے کہا۔

”سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔ ماسٹر شوکت کی بلڈنگ پر پولیس اور فوج نے قبضہ کر لیا ہے۔ بیرونی حفاظت پر موجود تقریباً بیس افراد مارے جا چکے ہیں۔ ماسٹر شوکت کی لاش ایک ویرانے سے ملی ہے اس کی ناک کے نتھنے کاٹے گئے ہیں اور ایک کان بھی کاٹ دیا گیا ہے۔ لگتا ہے اس پر بے پناہ تشدد کر کے اس سے راز اگلوائے گئے ہیں اور اصل بات یہ کہ مجھے جو رپورٹ ملی ہے اس کے مطابق ماسٹر شوکت نے آپ کا اور سردار اعظم کا نام لیا ہے اور آپ کے بارے میں تفصیل بھی بتائی ہے“...... رابرٹ نے کہا تو وہ دونوں بے اختیار اچھل پڑے۔

”ہمارے بارے میں۔ ہم نے کیا کیا ہے۔ ان کے پاس کیا ثبوت ہے اور تمہیں اس قدر راز دارانہ بات کا کیسے معلوم ہو گیا“...... اعظم نے چیختے ہوئے لہجے میں کہا۔

”سرکاری ایجنٹوں میں سے ایک پولیس اور فوج کے ساتھ بھگت بلڈنگ کے علاقے میں گیا اور انہیں سمجھا کر واپس چلا گیا جس کے بعد پولیس اور فوج نے وہاں ریڈ کیا۔ اس پولیس آفیسر سے میری بات ہوئی تو اس نے مجھے طنزیہ کہا کہ تم جرنلسٹ بھی ہو اور جرم میں

شریک بھی ہو تو میں حیران رہ گیا۔ میرے مزید پوچھنے پر اس نے بتایا کہ انہیں بتایا گیا ہے کہ ماسٹر شوکت نے بتایا ہے کہ دو غیر ملکی جرنلسٹ اعظم اور ندیم اور جی ایف جی کا پاکیشیائی چیف سردار اعظم بھی اس اغوا برائے تاوان کے ریکٹ کا حصہ ہیں“۔ رابرٹ نے کہا

”اوہ۔ وری بیڈ۔ اب کیا کیا جائے“...... اعظم نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

”آپ فوری طور پر پاکیشیا چھوڑ دیں ورنہ آپ کی باقی عمر جیل میں گزر جائے گی۔ یہاں یہی کچھ ہوتا ہے۔ کسی ثبوت کی ان لوگوں کو ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ سردار اعظم سے بھی مشورہ کر لیں اور انہیں بھی آگاہ کر دیں“...... رابرٹ نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ تم فوری طور پر آفس سے ہم چاروں کے پاسپورٹس لو اور جا کر کسی بھی ملک کا جرنلسٹ ویزہ لے کر ہمیں کال کرو۔ ہم ائیرپورٹ آ جائیں گے لیکن اس ملک کا ویزہ لینا جس کی فلائٹ فوری مل سکتی ہو“...... اعظم نے کہا۔

”یس باس“...... دوسری طرف سے رابرٹ نے کہا تو اعظم نے فون آف کیا اور اسے جیب میں ڈال لیا اور پھر وہ سامنے پڑے ہوئے فون کی طرف بڑھا۔

”ندیم۔ تم فرخ اور شہلا سے کہو کہ فوراً سامان پیک کر لیں۔ صرف ضروری سامان۔ ہم نے فوری طور پر اس ملک سے نکلنا ہے“...... اعظم نے کہا۔

’’لیکن ہم تو جرنلسٹ ہیں اور پھر ہمارا براہ راست کوئی تعلق کسی تنظیم سے نہیں ہے۔ ہمیں کچھ کہیں گے تو پوری دنیا کے جرنلسٹ چیخ پڑیں گے‘‘...... ندیم نے کہا۔

’’جو کچھ ہو گا بعد میں دیکھا جائے گا۔ فی الحال ہم نے فوری یہاں سے نکلنا ہے‘‘...... اعظم نے حتمی لہجے میں کہا تو ندیم اٹھ کر اس کمرے کی طرف بڑھ گیا جہاں فرخ اور شہلا موجود تھیں جبکہ اعظم نے سردار اعظم کے نمبر پریس کر دیئے۔

’’یس۔ پی اے ٹو چیف‘‘...... دوسری طرف سے سردار اعظم کی لیڈی پی اے کی آواز سنائی دی۔

’’اعظم بول رہا ہوں۔ سردار صاحب سے فوری بات کراؤ۔ اٹ از ایمرجنسی‘‘...... اعظم نے کہا۔

’’ہولڈ کریں‘‘...... دوسری طرف سے چونک کر کہا گیا۔

’’ہیلو۔ سردار اعظم بول رہا ہوں۔ کیا بات ہے اعظم۔ کس بات کی ایمرجنسی ہو گئی ہے‘‘۔ سردار اعظم نے حیرت بھرے لہجے میں کہا

’’آپ کو اطلاع مل چکی ہے یا نہیں کہ ماسٹر شوکت کو بھگت بلڈنگ سے اغوا کیا گیا اور اب ان کی گولیوں سے چھلنی لاش ایک ویرانے سے ملی ہے‘‘...... اعظم نے کہا۔

’’اوہ۔ ویری بیڈ۔ یہ کب کا واقعہ ہے‘‘...... سردار اعظم نے کہا تو اعظم نے رابرٹ کی کال آنے سے لے کر اس نے جو کچھ کہا اس کی تفصیل بتا دی۔

’’ویری بیڈ۔ ماسٹر شوکت سب کچھ بتا سکتا ہے میں سوچ بھی نہ سکتا تھا‘‘...... سردار اعظم نے کہا۔

’’جناب۔ ان کے پاس سینکڑوں طریقے ہوتے ہیں اصلیت معلوم کرنے کے۔ یہ تھرڈ ڈگری تشدد کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ہم دونوں تو فوری طور پر پاکیشیا سے باہر جا رہے ہیں۔ رابرٹ ہمارا آفس سنبھال لے گا۔ بعد میں حالات دیکھ کر ہم مزید فیصلہ کریں گے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ان لوگوں کا تھرڈ ڈگری تشدد برداشت کریں‘‘...... اعظم نے کہا۔

’’تم بین الاقوامی سطح کے جرنلسٹ ہو۔ تم پر کون ہاتھ ڈال سکتا ہے۔ پوری دنیا کا میڈیا قیامت برپا کر دے گا‘‘...... سردار اعظم نے کہا۔

’’جناب۔ نجانے ماسٹر شوکت نے ہمارے اور آپ کے بارے میں کیا تفصیلات بتائی ہیں۔ یہ لوگ جب جھوٹے سچے ثبوت میڈیا کے سامنے رکھیں گے تو یہی میڈیا ہمارے خلاف ہو جائے گا اور پھر ہمارا بین الاقوامی کورٹ میں بھی ٹرائل کیا جا سکتا ہے‘‘۔ اعظم نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

’’ٹھیک ہے۔ تم درست کہہ رہے ہو۔ تم بھی جاؤ اور میں بھی کمپنی کے ٹور پر یورپ نکل جاتا ہوں۔ بعد میں حالات دیکھ کر واپسی کا فیصلہ کیا جائے گا‘‘...... سردار اعظم نے کہا۔

’’او کے۔ گڈ بائی‘‘۔ اعظم نے کہا اور رسیور رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

عمران اپنے فلیٹ میں بیٹھا ایک کتاب پڑھنے میں مصروف تھا جبکہ سلیمان اپنی عادت کے مطابق خریداری کے لئے مارکیٹ گیا ہوا تھا۔ اطالوی بچے کے اغوا برائے تاوان کے کیس کا رات ڈراپ سین ہو گیا تھا۔ چھوٹے ملزمان گرفتار کر لئے گئے تھے۔ بڑے مجرموں کو ہلاک کر دیا گیا تھا۔ بچے کو سرکاری پروٹوکول کے ساتھ اطالوی سفیر کے حوالے کیا گیا تھا۔ اس لئے عمران اطمینان سے بیٹھا کتاب پڑھنے میں مصروف تھا کہ پاس پڑے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی تو عمران نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔

’’علی عمران۔ ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) بدہان خود بول رہا ہوں‘‘...... عمران نے حسب عادت اپنا پورا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

’’سلطان بول رہا ہوں عمران۔ تم نے اس اغوا برائے تاوان کیس میں جس طرح کام کیا ہے اس پر اطالوی حکومت نے تحریری

طور پر حکومت پاکیشیا اور تمہارا شکریہ ادا کیا ہے لیکن میں نے جو کچھ اخبارات میں پڑھا ہے اس کے مطابق تم نے اس جرم میں پوری طرح ملوث دو غیر ملکی جرنلسٹس کو نہ تو قانون کے حوالے کیا ہے اور نہ ہی جی ایف جی کے کسی عہدے دار کی گرفتاری ہوئی۔ اس کی وجہ‘‘...... سر سلطان نے کہا۔

’’سر سلطان۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ دونوں جرنلسٹ اپنی فرینڈز کے ساتھ فوری طور پر ملک چھوڑ گئے اور یہی کام جی ایف جی کے سردار اعظم نے کیا۔ ان دونوں جرنلسٹوں کے خلاف ہم بین الاقوامی میڈیا کورٹ میں ایسے ثبوت پیش کریں گے کہ وہ انہیں جھٹلا نہ سکیں گے۔ اس طرح ہماری حکومت پر بھی بوجھ نہ پڑے گا اور نہ ہی ہمارے خلاف بین الاقوامی سطح پر کوئی پروپیگنڈہ ہو گا۔ ویسے بھی کسی ایک آدمی کے بیان پر ان جرنلسٹوں کو گرفتار نہیں کیا جا سکتا‘‘۔ عمران نے کہا۔

’’تم نے بہت درست سوچا ہے لیکن جی ایف جی کا کیا کرو گے‘‘...... سر سلطان نے کہا۔

’’ان کے ریکارڈ کی مکمل چھان بین ہو رہی ہے لیکن یہ کام ہمارا نہیں آپ کا ہے۔ آپ جی ایف جی کی کارروائی کو بنیاد بنا کر پورے پاکیشیا میں کام کرنے والی این جی اوز کی مکمل اور مسلسل پڑتال کرائیں تا کہ صرف وہ این جی اوز یہاں رہ سکیں جو واقعی فلاحی کام کرتی ہیں‘‘...... عمران نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں آج ہی آرڈر کر دیتا ہوں۔ اللہ حافظ"۔ سر سلطان نے کہا تو عمران نے رسیور رکھ دیا۔ ابھی اس نے رسیور رکھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی اور عمران نے ایک بار پھر ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔

"علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) بول رہا ہوں"...... عمران نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"سوپر فیاض سپرنٹنڈنٹ سنٹرل انٹیلی جنس بیورو بول رہا ہوں"۔ دوسری طرف سے سوپر فیاض نے بھی اپنے مخصوص انداز میں اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"ابھی تک تم سپرنٹنڈنٹ ہی ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے"...... عمران نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب۔ یہ کیا کہہ رہے ہو نانسنس"...... سوپر فیاض نے غصے سے چیختے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جرائم کا اتنا بڑا نیٹ ورک پکڑا گیا ہے۔ منشیات، ناجائز اسلحے اور نجانے کس کس کے سٹاک برآمد کئے گئے ہیں۔ ایک جگہ نہیں دو جگہ، پہلے کالی بستی سے پھر بھگت بلڈنگ سے اور تم بیڈ پر پڑے خراٹے لیتے رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ سر سلطان نے ڈیڈی کو فون کر کے کہا کہ کیا سنٹرل انٹیلی جنس سو رہی ہے کہ اسے معلوم نہیں کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے تو ڈیڈی کو اتنا غصہ آیا کہ انہوں نے تمہارے برطرفی کے آرڈر جاری کر دیئے کیونکہ ان کے خیال کے

مطابق تم سوئے پڑے ہو جس سے سنٹرل انٹیلی جنس کی بے عزتی ہو رہی ہے۔ سر سلطان کے پاس جب یہ برطرفی نامہ پہنچا تو انہوں نے مجھے فون کیا۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ سوپر فیاض بڑا معصوم سا آدمی ہے۔ ہم جیسے مفلسوں اور قلاش لوگوں کی مالی مدد کرتا رہتا ہے اور یہ اس کا کام بھی نہ تھا کیونکہ اور بھی ایجنسیاں ملک میں وجود ہیں اور میں نے سر سلطان کی منت کی کہ وہ ڈیڈی کو راضی کر کے یہ حکم نامہ واپس لینے پر آمادہ کر لیں جس پر سر سلطان نے وعدہ کر لیا اور ابھی تھوڑی دیر پہلے سر سلطان نے مجھے بتایا کہ ان کی مداخلت سے برطرفی نامہ تو واپس لے لیا گیا ہے لیکن اس کی باقاعدہ تحقیقات ہوں گی۔ اگر سوپر فیاض بے گناہ ثابت ہوا تو ٹھیک۔ ورنہ اس کے خلاف انتہائی سخت اقدامات کئے جائیں گے۔ میں نے ان کی ایک بار پھر منت کی کہ آپ ہم جیسے مفلسوں کے فنانسر کو معافی دلا دیں تو انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ لیکن تمہارے اس طرح اچانک فون آتے ہی میں سمجھا کہ تمہیں برطرفی نامہ مل چکا ہے"۔ عمران نے تیز تیز انداز میں بات کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے تمہاری ڈیڈی نے کال کیا تھا۔ میں نے انہیں بتایا کہ یہ ہمارا کام نہیں ہے۔ یہ انٹیلی جنس نارکوٹکس ایجنسی کا کام ہے کہ وہ منشیات کے خلاف کام کریں۔ اسی طرح اسلحے کے بارے میں بتایا کہ فیڈرل انٹیلی جنس ایف آئی اے یہ کام کرتی ہے تو انہوں نے میری بات تسلیم کر لی۔ میں نے تو تمہیں اس لئے فون کیا

''ٹھیک ہے۔ میں آج ہی آرڈر کر دیتا ہوں۔ اللہ حافظ''۔ سرسلطان نے کہا تو عمران نے رسیور رکھ دیا۔ ابھی اس نے رسیور رکھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی اور عمران نے ایک بار پھر ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔

''علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) بول رہا ہوں''...... عمران نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

''سوپر فیاض سپرنٹنڈنٹ سنٹرل انٹیلی جنس بیورو بول رہا ہوں''۔ دوسری طرف سے سوپر فیاض نے بھی اپنے مخصوص انداز میں اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''ابھی تک تم سپرنٹنڈنٹ ہی ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے''...... عمران نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب۔ یہ کیا کہہ رہے ہو نانسنس''...... سوپر فیاض نے غصے سے چیختے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جرائم کا اتنا بڑا نیٹ ورک پکڑا گیا ہے۔ منشیات، ناجائز اسلحے اور نجانے کس کس کے سٹاک برآمد کئے گئے ہیں۔ ایک جگہ نہیں دو جگہ، پہلے کالی بستی سے پھر بھگت بلڈنگ سے اور تم بیڈ پر پڑے خراٹے لیتے رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ سرسلطان نے ڈیڈی کو فون کر کے کہا کہ کیا سنٹرل انٹیلی جنس سو رہی ہے کہ اسے معلوم نہیں کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے تو ڈیڈی کو اتنا غصہ آیا کہ انہوں نے تمہارے برطرفی کے آرڈر جاری کر دیئے کیونکہ ان کے خیال کے مطابق تم سوئے پڑے ہو جس سے سنٹرل انٹیلی جنس کی بے عزتی ہو رہی ہے۔ سرسلطان کے پاس جب یہ برطرفی نامہ پہنچا تو انہوں نے مجھے فون کیا۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ سوپر فیاض بڑا معصوم سا آدمی ہے۔ ہم جیسے مفلسوں اور قلاش لوگوں کی مالی مدد کرتا رہتا ہے اور یہ اس کا کام بھی نہ تھا کیونکہ اور بھی ایجنسیاں ملک میں وجود ہیں اور میں نے سرسلطان کی منت کی کہ وہ ڈیڈی کو راضی کر کے یہ حکم نامہ واپس لینے پر آمادہ کر لیں جس پر سرسلطان نے وعدہ کر لیا اور ابھی تھوڑی دیر پہلے سرسلطان نے مجھے بتایا کہ ان کی مداخلت سے برطرفی نامہ تو واپس لے لیا گیا ہے لیکن اس کی باقاعدہ تحقیقات ہو گی۔ اگر سوپر فیاض بے گناہ ثابت ہوا تو ٹھیک۔ ورنہ اس کے خلاف انتہائی سخت اقدامات کئے جائیں گے۔ میں نے ان کی ایک بار پھر منت کی کہ آپ ہم جیسے مفلسوں کے فنانسر کو معافی دلا دیں تو انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ لیکن تمہارے اس طرح اچانک فون آتے ہی میں سمجھا کہ تمہیں برطرفی نامہ مل چکا ہے''۔ عمران نے تیز تیز انداز میں بات کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے تمہاری ڈیڈی نے کال کیا تھا۔ میں نے انہیں بتایا کہ یہ ہمارا کام نہیں ہے۔ یہ انٹیلی جنس نارکوٹکس ایجنسی کا کام ہے کہ وہ منشیات کے خلاف کام کریں۔ اسی طرح اسلحے کے بارے میں بتایا کہ فیڈرل انٹیلی جنس ایف آئی اے یہ کام کرتی ہے تو انہوں نے میری بات تسلیم کر لی۔ میں نے تو تمہیں اس لئے فون کیا

نے میرے ساتھ تعاون کیوں نہیں کیا۔ مجھے اطلاع دینے کی بجائے سر سلطان کو کہہ کر وہاں فوج اور پولیس سے ریڈ کرا دیا“...... سوپر فیاض نے کہا۔

”میں تو کوشش کی تھی لیکن سر سلطان انتہائی ناراض ہوئے کہ جو خود کام نہیں کرتا تم ہمیشہ پکی پکائی کھیر اس کے سامنے رکھ دیتے ہو اور ویسے بھی تمہیں شاید یاد نہیں ہو گا کہ تم نے مجھ جیسے مفلس اور قلاش کی کب مدد کی تھی۔ شاید گرائمر میں اسے ماضی بعید کہتے ہیں“...... عمران کی زبان رواں ہو گئی۔

”تم اب مانگنے کے سب سے نچلے طبقے جنہیں پیشہ ور گداگر کہتے ہیں، میں شامل ہو گئے ہو۔ ذرا تم سے بات کرو فوراً ہاتھ پھیلا دیتے ہو نانسنس۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں“...... سوپر فیاض نے بڑے غصیلے لہجے میں کہا۔

”اچھا ٹھیک ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اطالوی بچے کی برآمدگی کی جو رپورٹ حکومت کو دی جائے اس میں سب تمہارا کارنامہ بنا کر پیش کیا جائے تاکہ بین الاقوامی سطح پر تمہارا نام ابھرے۔ پوری دنیا کے اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا پر تمہاری تعریفیں ہوں۔ ٹھیک ہے اب میں تو گداگر ہوں اس لئے اللہ حافظ“...... عمران نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ رہی تھی۔ اسے بخوبی معلوم تھا کہ سوپر فیاض ابھی اسے دوبارہ فون کرے گا۔ وہ اس کی تمام رگوں سے بخوبی واقف تھا۔ تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بج

اٹھی تو عمران نے مسکراتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔

”مفلس و قلاش بلکہ گداگر علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) بذبان خود بول رہا ہوں“...... عمران نے کہا۔ وہ یہ سمجھا تھا کہ فون سوپر فیاض کا ہو گا۔

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ مفلس و قلاش کون ہے۔ تم ہو کیا۔ یہ میں کیا سن رہی ہوں“...... دوسری طرف سے عمران کی اماں بی کی دھاڑ سنائی دی تو عمران بے اختیار اچھل پڑا۔

”اماں بی آپ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاۃ“...... عمران نے بڑے خشوع وخضوع سے اماں بی کو رام کرنے کے لئے سلام کیا۔

”وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاۃ۔ لیکن تم کیوں کہہ رہے تھے کہ تم مفلس و قلاش ہو۔ سنو۔ کیا تم گداگر بن چکے ہو۔ یہ سب کیا ہے“...... اماں بی نے اسی طرح سخت لہجے میں کہا۔

”اماں بی۔ میں تو انکساری کر رہا تھا۔ اسلام میں حکم ہے کہ انسان کو انکساری اپنانی چاہئے“...... عمران نے جان بوجھ کر اسلام کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔

”یہ انکساری ہے یا اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ تمہاری ڈیڈی کے مطابق تم نکمے اور کاہل ہو لیکن اگر ایسا ہو تو تم سلیمان کو میرے پاس بھجوا دیا کرو۔ میں تمہارے ڈیڈی سے رقم لے کر سلیمان کو دے دوں گی۔ خود بھی اپنی طرف سے دے دوں گی اور سنو۔ آئندہ ایسی انکساری کی تو جوتیاں مار مار کر تمہاری ساری

انکساری تمہاری ناک کے راستے باہر نکال دوں گی‘‘...... اماں بی نے بڑے غضبناک لہجے میں کہا۔

’’ٹھیک ہے اماں بی۔ میں آپ کی بات سمجھ گیا۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا‘‘...... عمران نے باقاعدہ دوسرے ہاتھ سے کان پکڑتے ہوئے کہا۔

’’ٹھیک ہے۔ اب سنو۔ میں نے فون اس لئے کیا ہے کہ تمہارے ڈیڈی استعفیٰ دینا چاہتے ہیں لیکن بھائی سر سلطان نے منع کر دیا ہے۔ تم انہیں کہو کہ ڈیڈی کو اب آرام کرنے دیں۔ ساری عمر انہوں نے کام کیا ہے اور گھر کی طرف کبھی توجہ نہیں دی‘‘...... اماں بی نے کہا تو عمران مسکرا دیا۔

’’اماں بی۔ ڈیڈی کی خدمات اس ملک کے لئے بے حد ہیں۔ سب اس کا اعتراف کرتے ہیں اور یہ اسلامی ملک ہے۔ اس کی خدمت تو اسلام کی خدمت ہے۔ اس طرح ملک کے اٹھارہ کروڑ لوگوں کی خدمت بہت بڑا اعزاز ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے حد پسندیدہ ہے‘‘...... عمران نے کہا۔

’’ہاں۔ بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے اسلام میں لوگوں کی خدمت تو آخری سانس تک کرنی چاہئے۔ اللہ حافظ‘‘...... اماں بی نے کہا تو عمران نے بے اختیار اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اسی لمحے کال بیل کی آواز سنائی دی تو عمران چونک پڑا۔ سلیمان تو مارکیٹ گیا ہوا تھا۔ اس لئے وہ خود اٹھا اور سٹنگ روم سے نکل کر بیرونی

دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

’’کون ہے‘‘...... عمران نے دروازہ کھولنے سے پہلے پوچھا۔

’’سوپر فیاض‘‘...... دوسری طرف سے سوپر فیاض کی آواز سنائی دی تو عمران بے اختیار مسکرا دیا اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ سوپر فیاض اپنی یونیفارم میں موجود تھا۔

’’آؤ۔ تمہاری وجہ سے اماں بی کی جوتیاں کھانے سے بال بال بچا ہوں‘‘...... عمران نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

’’پڑ جاتیں تمہیں جوتیاں تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی‘‘...... سوپر فیاض نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا تو عمران نے مسکراتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔

’’یہ تمہارا باورچی سلیمان کہاں چلا جاتا ہے کہ تمہیں خود دروازہ کھولنا پڑتا ہے‘‘...... سٹنگ روم میں پہنچ کر سوپر فیاض نے کہا۔

’’وہ بے چارہ ادھار لینے کی خاطر ہر دکاندار کی منتیں کرتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے اب تو ادھار دینے والے بھی منہ پھیر لیتے ہیں‘‘۔ عمران نے بڑے درد بھرے لہجے میں کہا۔

’’تم دنیا کے سب سے بڑے اداکار ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ سب تمہاری اداکاری ہے لیکن میں تمہیں ایک پیسہ بھی نہیں دوں گا اور تم نے بہرحال بین الاقوامی سطح کی رپورٹ میں میرا نام لکھنا ہے بس۔ یہ سن لو کہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر زندہ نہ رہ پاؤ گے‘‘۔ سوپر فیاض نے میز پر مکہ مارتے ہوئے کہا۔

''ارے ارے دھمکیاں دے رہے ہو۔ وہ بھی یونیفارم میں۔ تمہیں پتہ ہے کہ کسی معزز شہری کو اس کے گھر جا کر دھمکیاں دینا کتنا بڑا جرم ہے''...... عمران نے کہا۔

''ابھی تو تم مفلس و قلاش تھے۔ اب معزز شہری بن گئے۔ تم جو مرضی آئے کہو۔ لیکن یہ کام ہونا چاہئے''...... سوپر فیاض نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''صرف پچاس لاکھ تمہارے لئے ورنہ وزارت اطلاعات کے چند لوگ مجھے ایک کروڑ کی آفر کر چکے ہیں کیونکہ اس آدمی سے پوری دنیا واقف ہو جائے گی۔ اس کی دھڑا دھڑ پوری دنیا کے اخبارات میں تعریفیں شائع ہوں گی۔ اس کی کارکردگی پر پُر ستائش مضامین اور کالم لکھے جائیں گے۔ یہاں سرکاری طور پر جو کچھ ہو گا۔ تم صرف سوچ سکتے ہو''...... عمران کی زبان رواں ہو گئی۔

''تمہارا خیال ہے کہ میں نے گھر میں کرنسی نوٹ چھاپنے کی مشین لگائی ہوئی ہے''...... سوپر فیاض نے بڑا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

''گھر میں نہیں۔ چار ہوٹلوں کے بارے میں تو میں ابھی تمہیں بتا سکتا ہوں جہاں آٹھ جوا کھیلنے والی مشینیں لگی ہوئیں ہیں لیکن ظاہر چار کی جاتی ہیں اور اس وجہ سے روزانہ ایک ہوٹل لاکھوں روپے ٹیکس بچا لیتا ہے اور پھر ان ہوٹلوں کے مالکان اور منیجروں کو ڈیڈی کے سامنے بطور گواہ پیش کیا جا سکتا ہے اور اس بنک منیجر کو بھی جہاں ایک ماہ پہلے تم نے پورے ایک کروڑ کا اکاؤنٹ کھلوایا ہے وہ بے چارہ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ کہیں یہ اکاؤنٹ اس کے لئے پھانسی کا پھندہ نہ بن جائے۔ اس لئے وہ مجھ سے مشورہ کر رہا تھا کہ ڈیڈی کو اس کاؤنٹ کی تفصیل بھجوا دوں کیونکہ تم نے اپنے سرکاری نام اور عہدے سے یہ اکاؤنٹ کھلوایا ہے اور تم نے اسے اپنی سسرالی اراضی کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم ظاہر کی ہے حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے سسرال ایک انچ زمین کے بھی مالک نہ تھے''...... عمران نے مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

''تم۔ تم دنیا کے سب سے بڑے بلیک میلر ہو۔ انتہائی خطرناک اور خوفناک بلیک میلر۔ پھر نجانے سب لوگ ہوٹلوں کے مالکان، بنک منیجر میرے بارے میں ہر بات تمہیں کیوں بتا دیتے ہیں''۔ سوپر فیاض نے زچ ہونے کے انداز میں کہا اور پھر اندرونی جیب سے چیک بک نکال کر اسے کھولا۔

''دس لاکھ روپے بہت ہیں۔ میں کہہ رہا ہوں بہت ہیں''۔ سوپر فیاض نے جیب سے قلم نکالتے ہوئے کہا۔

''پچاس لاکھ سے ایک پیسہ کم نہیں۔ بہت بڑی ڈیل ہے۔ شاید تمہیں بین الاقوامی انٹیلی جنس کا سپرنٹنڈنٹ بنا دیا جائے''۔ عمران نے کہا۔

''کیا واقعی''...... سوپر فیاض نے چونک کر حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ کیوں ایسا ہوتا رہتا ہے اور جب سر سلطان کی سفارش ہوگی تو ایسا لازماً ہو جائے گا''...... عمران نے کہا۔

''چلو میرا خون پی لو۔ اب میں کیا کر سکتا ہوں''...... سوپر فیاض نے کہا اور پچاس لاکھ روپے کا چیک لکھ کر نیچے اپنے دستخط کئے اور پھر چیک عمران کی طرف بڑھا دیا۔ عمران نے چیک لے کر اسے دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔ اسی لمحے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی تو سوپر فیاض چونک پڑا۔

''سلیمان ہے''...... عمران نے کہا۔ اسی لمحے سلیمان نے دروازے پر رک کر سلام کیا۔

''شاپرز رکھ کر یہاں آؤ''...... عمران نے کہا تو تھوڑی دیر بعد سلیمان سٹنگ روم میں واپس آ گیا۔

''سوری جناب۔ ادھار سامان ملا ہی نہیں۔ اس لئے میں اپنے کوٹے سے سوپر فیاض کی خدمت میں چائے پیش کر سکتا ہوں البتہ آپ کو نہیں مل سکتی''...... سلیمان نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''فیاض صاحب واقعی فیاض ہیں۔ دیکھو انہوں نے پچاس لاکھ روپے کا چیک دیا ہے تاکہ تم اسے کسی مستحق ادارہ میں جمع کرا دو۔ اس طرح امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی کوتاہیاں معاف کر دے گا''۔ عمران نے چیک سلیمان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور سوپر فیاض کا چہرہ غصے سے سرخ پڑنے لگا۔

''پاکیشیا کی ڈیف اینڈ ڈمپ سوسائٹی آج کل بہت کام کر رہی

ہے۔ یہ چیک ان کے لئے بے حد فائدہ مند ثابت ہوگا۔ رسید لا دیتا ہوں''...... سلیمان نے کہا اور تیزی سے واپس مڑ گیا۔

''تم دونوں بہت بڑے بلیک میلر ہو''...... سوپر فیاض نے غراتے ہوئے کہا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور دوسرے لمحے تیز تیز قدم اٹھاتا بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پھر دروازہ زور سے بند ہونے کی آواز سن کر عمران بے اختیار مسکرا دیا۔ اسی لمحے فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی تو عمران نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔

''علی عمران۔ ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی (آکسن) بذبان خود بول رہا ہوں''...... عمران نے رسیور اٹھا کر اپنے مخصوص لہجے اور انداز میں کہا۔

''ایکسٹو''...... دوسری طرف سے مخصوص آواز سنائی دی۔

''بلیک زیرو تم نے فورسٹارز کی اس عظیم کامیابی کی رپورٹ تیار کر کے سر سلطان کو بھجوائی ہے یا نہیں''...... عمران نے کہا۔

''ابھی نہیں عمران صاحب۔ میں تو یہاں آپ کا انتظار کر رہا تھا کہ آپ کو وہ رپورٹ دکھا دوں''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''تم نے مجھے کوئی چیک تو دینا نہیں۔ اس لئے میں آ کر کیا کروں۔ تم نے کہنا ہے کہ یہ کیس فورسٹارز کا تھا اس لئے آپ کو چیک کیوں دیا جائے''...... عمران نے کہا تو دوسری طرف سے بلیک زیرو بے اختیار ہنس پڑا۔

''عمران صاحب۔ یہ مشن جس طرح فورسٹارز نے مکمل کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ انہیں اس پر پک اپ کیا جائے''...... بلیک زیرو نے کہا۔

''ضرور کرو لیکن میرا حصہ بھی رکھ لینا۔ میں نے اور میرے شاگرد نے زیادہ نہیں تو کم سہی کام تو کیا ہے''...... عمران نے کہا۔

''ٹھیک ہے آپ آ جائیں۔ آپ کو چائے کی پیالی ضرور ملے گی''...... بلیک زیرو نے کہا تو عمران بے اختیار ہنس پڑا۔

ختم شد

شہرہ آفاق مصنف جناب مظہر کلیم ایم اے
کی عمران سیریز کے ان قارئین کے لئے جو
نیا ناول فوری حاصل کرنا چاہتے ہیں ایک نئی سکیم
''گولڈن پیکیج''
تفصیلات کے لئے ابھی کال کیجئے
0333-6106573 & 0336-3644440

ارسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان

عمران سیریز میں دلچسپ اور یادگار ناول

مکمل ناول

ٹوٹل زیرو

مصنف
مظہر کلیم ایم اے

پاکیشیا کا انتہائی اہم سائنسی فارمولا جسے انتہائی حیرت انگیز انداز میں پاکیشیا سے اسرائیل لے جایا گیا۔ کیسے اور کیوں ـــــ؟

ریڈ وولف ☆☆ یہودیوں کی ایسی بین الاقوامی تنظیم جسے درپردہ اسرائیل کی سرپرستی حاصل تھی۔

جینڈی ☆☆ ریڈ وولف کی سپرایجنٹ جسے پاکیشیا سیکرٹ سروس کے خوف سے خود ریڈ وولف نے ہلاک کرا دیا۔

کرنل ہارگ ☆☆ ریڈ وولف کا سپر چیف جس کا آفس اسرائیل میں تھا۔ اسی طرح وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا تھا۔ مگر درحقیقت وہ محفوظ نہ تھا۔

وہ لمحہ ☆☆ جب عمران اور اس کے ساتھیوں کو اسرائیل جانا پڑا اور پھر وہ ریڈ وولف کے سپر چیف سے ٹکرا گئے۔ پھر کیا ہوا ـــــ؟

وہ لمحہ ☆☆ جب خوفناک فائٹر سے جولیا کو فائٹ کرنی پڑی۔ اس فائٹ کا انجام کیا ہوا؟۔ (انتہائی دلچسپ، ایکشن اور سسپنس سے بھرپور ایک یادگار ناول)

ارسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان
Mob
0333-6106573
0336-3644440
0336-3644441
Ph 061-4018666
E.Mail.Address arsalan.publications@gmail.com

عمران سیریز میں سنیک کلرز کا ایک دلچسپ، منفرد اور دھماکے دار ایڈونچر

مکمل ناول

کوبران

مصنف مظہر کلیم ایم اے

کوبران ☆☆ ایک بین الاقوامی تنظیم جو بظاہر تعلیم کے لئے کام کرتی تھی مگر درحقیقت وہ عورتوں کو اغوا کر کے دوسرے ممالک میں فروخت کرنے کا مذموم دھندہ کرتی تھی۔

سنیک کلرز ☆☆ ایک ایسی تنظیم جس کا چیف جوانا اور سپر چیف جوزف تھا۔ جبکہ ٹائیگر سنیک کلرز کا معاون تھا۔

سنیک کلرز کو جب پاکیشیا سے عورتوں کے اغوا اور انہیں دوسرے ممالک میں فروخت کرنے کے مکروہ کاروبار کا علم ہوا تو وہ حرکت میں آئے اور پھر یکے بعد دیگرے ان بدمعاشوں کے اڈوں پر سنیک کلرز کے دھاوے، جوانا اور جوزف کے زوردار ہنگامے شروع ہو گئے۔

ٹائیگر ☆☆ جس نے جوزف اور جوانا سے بڑھ کر کام کیا لیکن پھر بھی وہ سنیک کلرز کا صرف معاون ہی رہا۔

جوانا ☆☆ سنیک کلرز کا چیف جس نے پاکیشیا میں موجود زہریلے سانپوں کو کچلنے کا جب اقدام کیا تو پھر اس کے قدم آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔

جوزف ☆☆ جس نے افریقہ کے وچ ڈاکٹروں کی رہنمائی سے کوبران کے خلاف بھرپور جنگ لڑی۔

وہ لمحہ ☆☆ جب کوبران کے ناقابل تسخیر ہیڈ کوارٹر کو سنیک کلرز نے دھواں بنا کر فضا میں اڑا دیا۔

وہ لمحہ ☆☆ جب سنیک کلرز کی مسلسل پیش قدمی نے کوبران کے بڑوں کو خوفزدہ کر دیا۔ پھر ——؟

ہیڈ کوارٹر چیف، ولیم جونز اور ٹائیگر کے درمیان ہونے والی خوفناک جسمانی فائٹ دہشت زدہ کر دینے کے لئے کافی تھی۔ انجام کیا ہوا؟

عمران کی رہنمائی میں سنیک کلرز اور ٹائیگر کی مسلسل جدوجہد کا آخری نتیجہ کیا نکلا۔

انتہائی دلچسپ، سسپنس اور ایکشن سے بھرپور ایک یادگار کہانی

ارسلان پبلی کیشنز
اوقاف بلڈنگ
پاک گیٹ
ملتان
Mob
0333-6106573
0336-3644440
0336-3644441
Ph 061-4018666
E.Mail.Address arsalan.publications@gmail.com